حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی قدس سرہ العزیز
کے شہرہ آفاق مکتوبات شریفہ کی پہلی اردو شرح
البینات
شرح
مکتوبات
شارح
ابو البیان محمد سعید احمد مجددی

حضرت شارح مکتوبات رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا

"میرے پاس پاکستان سے متعدد رسائل آتے ہیں اور میں ان سب کو احباب میں تقسیم کر دیتا ہوں سوائے 'ماہنامہ دعوت تنظیم الاسلام' کے، جس میں مکتوبات شریفہ کی شرح ہوتی ہے۔ میں اس رسالے کو فائل کر لیتا ہوں، اپنے سرہانے رکھتا ہوں اور گاہے گاہے اسکا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔

نبیرۂ حضرت مجدد الف ثانی

حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی الازہری رحمۃ اللہ علیہ

زیب سجادہ درگاہ حضرت ابوالخیر (دہلی، انڈیا)

حضرت مصنف علام رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرح کو علمی دیانت اور دل سوزی کے ساتھ دور حاضر کی معیاری اور علمی مروج اردو زبان میں تحریر کیا ہے جس میں مختلف فنون کی لاتعداد مصطلحات کو آسان پیرایہ میں پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مکتوبات امام ربانی کے اولین شارحین حضرت صاحبزادہ خواجہ محمد سعید سرہندی مجددی، حضرت صاحبزادہ خواجہ محمد معصوم سرہندی مجددی اور حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہم کے بعد (جن کا کام فارسی زبان میں ہے) اردو زبان میں یہ اولین اور مفصل شرح مجددی لٹریچر میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور رہتی دنیا تک زندہ رہے گی۔

راقم کو بعض مراقبات سے واضح ہوا ہے کہ حضرت مصنف علام کا یہ کارنامہ بارگاہ حضرت مجدد الف ثانی میں قبولیت پا چکا ہے کیونکہ یہ انہی کی روح مبارک کی مسلسل توجہ سے وجود میں آیا ہے۔

پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہر نقشبندی مجددی توکلی

سابق چیئرمین: شعبہ عربی زبان و ادب، پنجاب یونیورسٹی

بانی و چیئرمین: ذکریٰ فاؤنڈیشن ٹرسٹ (رجسٹرڈ) لاہور

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
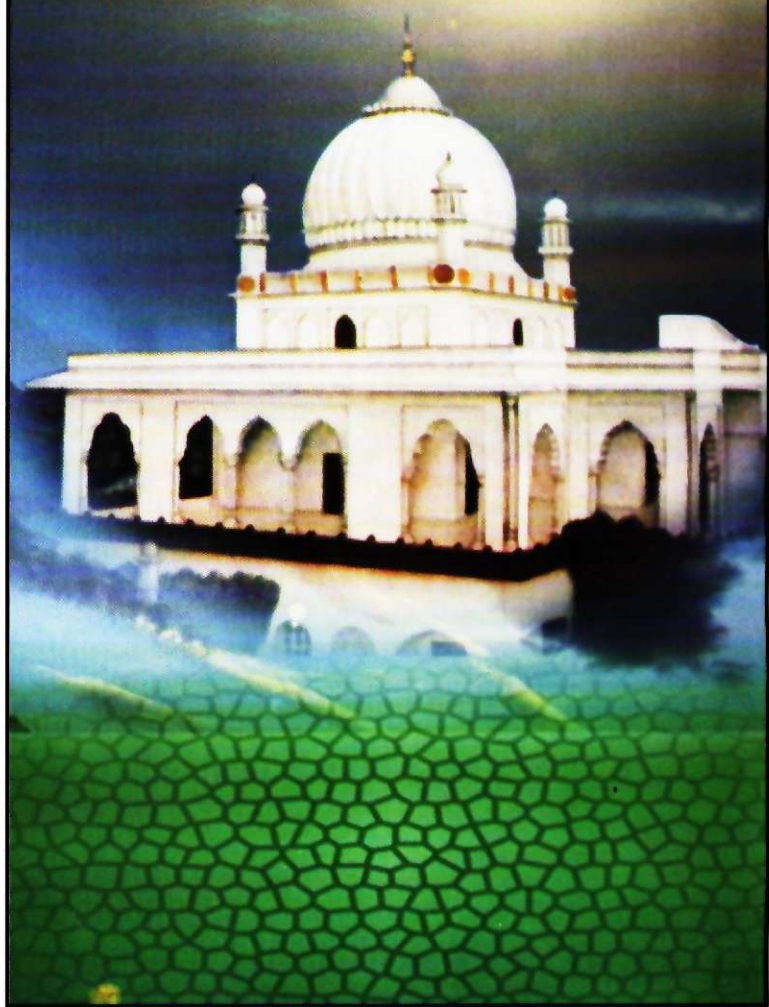
حضرت شارح مکتوبات رحمۃ اللہ علیہ کا عکس تحریر

اہل طریقت نے حیرت کے مختلف مفہوم بیان فرمائے ہیں

والحیرۃ بدیھۃ ترد علی قلوب العارفین عند تاملھم وحضورھم وتفکرھم تحجبھم عن التامل والفکرۃ (کتاب اللمع)

حیرت عارفین کے دلوں پر اچانک طاری ہونے والی کیفیت کا نام ہے جو ان پر تامل، حضور اور غور وفکر کرنے کے وقت وارد ہوتی ہے اور انہیں تامل، حضور اور غور وفکر سے دور لے جاتی ہے

قال الواسطی رحمہ اللہ حیرۃ البدیھۃ اجل من سکون التولی عن الحیرۃ

واسطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اچانک طاری ہونے والی حیرت، حیرت سے منہ پھیر کر حاصل ہونے والے سکون سے کہیں بلند مرتبے والی ہے (اللمع)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی قدس سرہ العزیز

کے کتاب و سنت کی روشنی میں شریعت، طریقت
وحقیقت کے علوم و معارف پر مشتمل شہرہ آفاق مکتوبات شریفہ
کی پہلی اردو شرح

مسمّٰی بہ

شارح

ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی

تنظیم الاسلام پبلیکیشنز
121- بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ
پاکستان ☎:+92-431-841160
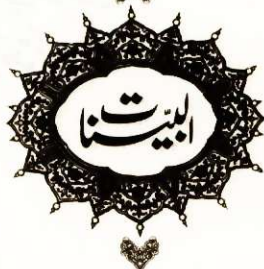
بار اول .... مئی 2002 .... تعداد 1,100

بار دوم .... اگست 2008 .... تعداد 1,100

ہدیہ .... 400 روپے

خطاطی ٹائٹل:

محمد امداد احمد ابن صوفی خورشید عالم خورشید رقم

خطاطی:

واجد محمود یاقوت رقم • محمد امان اللہ قادری

خورشید عالم گوہر قلم • محمد وسیم صدیقی

ناشر

تنظیمُ الاسلام پبلی کیشنز

مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ 121-بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

Tanzeem-ul-Islam Publications

121-B Model Town Gujranwala, Pakistan

Ph # +92 55 3841160, 3731933 Mob 0333 4322012

URL: www.tanzeem-ul-islam.org

E-mail: tanzeemulislam@yahoo.com

tanzeemulislam@hotmail.com

ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطانا ربنا ولا تحمل علينا اصرا كما حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولينا فانصرنا على القوم الكفرين

ربنا

تقبل منا انك انت السميع العليم

وتب علينا انك انت التواب الرحيم

اَللّٰهُمَّ

إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ

يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مِنْ جَمِيْعِ مَا كَرِهَ اللّٰهُ

سُبْحٰنَهُ قَوْلًا وَّفِعْلًا وَّخَاطِرًا وَّسَامِعًا وَّنَاظِرًا

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

◎

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَسَلَّمَ

الاهداء

وارثِ کمالاتِ محمدیہ   حاملِ نسبتِ صدیقیہ
مہبطِ علومِ حیدریہ   امیرِ عساکرِ اسلامیہ
قیومِ الوقتِ والموجود   خلیفۃُ اللہِ المعبود

کے حضورِ ناز میں بصد شوق و انکسار ارمغانِ نیاز

گر قبول افتد زہے عز و شرف

برہانِ ولایتِ محمدیہ ، حجتِ شریعتِ مصطفویہ

کاشفِ اسرارِ سبع مثانی ، عالمِ علومِ مقطعاتِ قرآنی

امامِ ربّانی ۔ عارفِ حقانی ۔ قیّومِ زمانی

شیخ الاسلام والمسلمین ، آیۃ اللہ فی الارضین

حضرت شیخ احمد فاروقی

حنفی ، ماتریدی ، نقشبندی ، سرہندی

المعروف مجدّدِ الفِ ثانی

اُویسی ۔ رحمانی

قُدِّسَ سِرُّہُ السُّبحانی

فہرست

مکتوب ۳۲

مکتوب ۳۳

مکتوب ۳۹

مکتوب ۴۰

مکتوب ۴۱

پیش لفظ

حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی قدس سرہ العزیز کے شہرہ آفاق مکتوبات شریفہ کی عظمت و اہمیّت سے ارباب علم وفضل بخوبی آگاہ ہیں۔ یہ مکتوبات شریعت وطریقت کا خلاصہ اور حقیقت و معرفت کا خزانہ ہیں۔ اس اعتبار سے بلاشبہ یہ تصوف کا انسائیکلوپیڈیا ہیں۔

شہباز طریقت، سراجُ العارفین حضرت علّامہ اَبُوالبیان پیر محمد سعید احمد مجددی قدس سرہٗ السرمدی نے مکتوبات کی افادیّت واہمیّت کے پیش نظر ان کی اُردو زبان میں پہلی شرح لکھنے کا عزم بالجزم فرمایا اور پہلے ۳۰ مکتوبات پر مشتمل شرح بعنوان "البیّنات شرح مکتوبات" کی جلد اوّل طباعت کے تمام تر محاسن سے آراستہ ہوکر پوری آب وتاب سے سالانہ عُرس مجدّد اعظم کے موقع پر مئی ۲۰۰۲ء میں منظر عام پر آگئی۔ مقتدر علماء ومشائخ، ارباب علم وادب، اصحاب طریقت وتصوّف نے اس بلند پایہ علمی وروحانی کاوش کو بیحد سراہا اور تحسین و تہنیّت کے کلمات وپیغامات سے نوازا۔ والحمدللہ علیٰ ذالک۔ ارادہ تھا کہ جلد دوم بھی جلد از جلد شائع ہو، تاکہ تشنگانِ علومِ تصوّف اس سے فیضیاب ہوسکیں۔ دوسری جلد پر تیزی سے کام جاری تھا کہ ۱۰۔۱۱ اگست ۲۰۰۲ء کی درمیانی شب آقائے ولی نعمت شارح مکتوبات امام ربّانی حضرت علامہ اَبُوالبیان علیہ الرحمۃ والرضوان ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے کر دار الفنا سے دار البقا کی جانب رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

البیّنات شرح مکتوبات کی دوسری جلد ۳۱ تا ۸۰ مکتوبات پر مشتمل ہے پہلے ۶۲ مکتوبات کی شرح مرشدی حضرت علامہ ابُوالبیان پیر محمد سعید احمد مجدّدی قدس سرہٗ السرمدی نے اپنے دستِ اقدس سے فرمائی جب کہ زندگی کے آخری ایام میں بسترِ علالت پر زبانی طور پر آپ نے ۷۶ تک مکتوبات کی شرح بیان فرمائی جس کو احباب ضبطِ تحریر میں لاتے اور بعد ازاں آپ دوبارہ سُن کر ان کی تصحیح بھی خود ہی فرماتے تھے اور کسی خاص مسئلہ میں حوالہ جات اور دیگر معاون کُتب کے متعلق بھی ارشاد فرمادیتے، اس سلسلہ میں مکاتیب کے نمبر اور دفتر تک آپ کو ازبر تھے، یوں یہ کام آپ کی راہنمائی اور روحانی توجہ سے چلتا رہا۔

حضور ابوالبیان علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے حلقۂ ارادت و تربیّت میں بیٹھنے والے نوجوان اور باصلاحیّت علماء و فضلاء کی اس طرح ظاہری و باطنی تربیّت فرمائی تھی کہ شرح مکتوبات کی ترتیب و اشاعت کا کام کسی طور بھی متاثر نہ ہونے پائے۔ بحمداللہ آج آپ کے فیوضات سے بہرہ ور یہی نیازمند اس علمی و تحریری کام کو اپنے روحانی راہنما کا حکم جان کر اپنے لیے عین سعادت سمجھتے ہوئے سرانجام دے رہے ہیں۔ تاہم اگر آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے اس شرح کی تکمیل ہوجاتی تو نجانے کیسے رموز و معارف اور گوہرِ نایاب طالبانِ شوق کے ہاتھ لگتے۔

حضرت مرشدی علیہ الرحمۃ نے اپنی حیاتِ طیبّہ میں ۷۶ مکتوبات شریفہ کی شرح بصورتِ دروس ارشاد فرمائی جو شرح مکتوبات کی آئندہ جلدوں کے لیے بنیادی علمی مآخذ اور معاون ثابت ہوں گے۔ شائقینِ علوم روحانیّت کے لیے یہ امر انتہائی باعثِ مسرت ہے کہ حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کے خصوصی علوم و معارف پر مشتمل رسالہ مبداء و معاد کی پہلی اردو شرح بنام سعادۃ العباد بھی دو جلدوں میں مکمل شائع ہوچکی ہے۔

علاوہ ازیں ہمارے مرشد و مربی حضرت ابوالبیان قدس سرہ نے امہات کتب تصوف میں شامل کشف المحجوب (جو کہ قدوۃ الکاملین حضرت سید مخدوم علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے علوم و معارف پر مشتمل ہے) کی شرح بصورت دروس آٹھ سال میں مکمل فرمائی۔ انشاء اللہ یہ شرح بھی عنقریب شائقین تصوف کے ہاتھوں میں ہوگی۔

لیجیے! البینات (جلد دوم) نئی آب و تاب اور حسن صوری و معنوی کے جملہ لوازمات سے مزین ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی ترتیب و تسوید، حوالہ جات اور پروف ریڈنگ کے کٹھن مراحل میں علامہ محمد بشارت علی مجددی، علامہ محمد نوید اقبال مجددی اور علامہ تنویر حسین مجددی، مزید برآں ان کے معاونین علامہ انور سعید مجددی، علامہ محمد اشفاق مجددی علامہ محمد رمضان مجددی، علامہ محمد راشد مجددی، صوفی محمد اکبر شاکر مجددی (مرحوم) ڈاکٹر انوار احمد اعجاز اور سیّد اظہر علی شاہ مجددی نے جذبۂ خدمت سے سرشار ہو کر خوب محنت کی۔

جب کہ طباعت و اشاعت میں محمد سعید احمد صدیقی، محمد ندیم ارشد مجددی، محمد جاوید مجددی اور شہزادہ محمد عارف مجددی کا جذبہ قابلِ ستائش اور لائق تحسین ہے۔ دعا کہ اللہ رب العزت انہیں دارین کی برکتوں سے سرفراز فرمائے اور یہ حسین کاوش ہم سب کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

جملہ قارئین سے خصوصی التماس ہے کہ جب وہ شرح مکتوبات کے مطالعہ سے روحانی سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے ہوں تو ایسی مقبول ساعتوں میں شارح مکتوبات پیر طریقت حضرت علامہ ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مجدّدی رحمۃ اللہ علیہ کی بلندئ درجات کے لیے خصوصی دُعا فرمائیں۔ علاوہ ازیں البیّنات کی ان جلدوں میں کہیں متن یا کتابت کی غلطی رہ گئی ہو تو ادارہ کو آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلاَّ الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلاَّ بِاللّٰہِ

صاحبزادہ محمد رفیق احمد مجددی

سجادہ نشین درگاہ حضرت ابوالبیان

دفتر اوّل مکتوب ۳۱

مکتوب الیہ

حضرت شیخ صوفی رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

حضرت شاہ ولی اللہ کا نظریۂ تطبیق اور اس پر نقد و نظر

حضرت ابن عربی علیہ الرحمہ کے کلام میں تناقضات اور انکی توجیہات

عوارض توحید وجودی اور ان کا تجزیہ

مکتوب الیہ

یہ مکتوب گرامی شیخ صوفی رحمۃ اللہ علیہ کے نام صادر فرمایا گیا۔
آپ کے مکتوبات شریفہ میں شیخ صوفی کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے۔ ان کا اصلی نام محمد تھا۔ زبردست صوفی اور بہترین شاعر تھے۔ علوم متداولہ کے متبحّر عالم تھے زندگی کا اکثر حصہ درس وتدریس میں گزرا۔ آپ کے حلقۂ درس سے کثیر تعداد میں علما، وفضلاء نے کسب کمال کیا آپ کو عبدالرحیم خان خاناں نے اپنا مصاحب بنا کر اپنے کتب خانے کا ناظم مقرر کیا۔ عمر کے آخری حصّے میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔
۱۰۳۴ھ میں وصال ہوا۔

مکتوب - ۳۱

متن مخدوما مکرّما معتقدِ فقیر از خوردی بارِ مشربِ اہلِ توحید بود والدِ فقیر قدّس سرّہٗ بظاہر بہمین مشرب بودہ اند... وبحکم ابنُ الفقیہ نصفُ الفقیہ فقیر را ازین مشرب از روئے علم حظّ وافر بود و لذتِ عظیم داشت

ترجمہ: میرے مخدوم و مکرّم! اس فقیر کو بچپن سے ہی اہل توحید (وجودی) کے مشرب پر یقین تھا اور اس فقیر کے والدِ مرحوم قُدّس سرُّہٗ بھی بظاہر اسی مشرب پر تھے.... اور اس قول کے مطابق کہ "فقیہ کا بیٹا بھی آدھا فقیہ ہوتا ہے"، فقیر کو اس مشرب سے علمی طور پر وافر حصّہ ملا تھا اور بڑی لذّت حاصل رہی تھی۔

شرح

حضرت امام ربّانی قُدّس سرُّہٗ النورانی نے یہ مکتوب حضرت شیخ صوفی کے نام تحریر فرمایا سبب یہ ہوا کہ شیخ صوفی کی مجلس میں حاضر کسی شخص نے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ قول نقل کیا کہ شیخ صوفی کی مجلس میں میاں شیخ نظام تھانیسری کے کسی درویش نے آپ کے بارے میں یہ غلط تأثر پھیلایا ہے کہ آپ (حضرت مجدّد) وحدت الوجود کا انکار کرتے ہیں۔ جس پر لوگوں کو شدید تشویش ہے کہ اصل صورت حال معلوم کرنا چاہیئے۔ لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ آپ

وحدت الوجود کے بارے میں اپنے مؤقف کی وضاحت فرمادیں تاکہ لوگ سوءِ ظن کے فتنے سے بچ سکیں۔ چنانچہ حضرت امام ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ السُّبحانی نے اس شخصِ ناقل کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے مسئلہ وحدت الوجود اور اس کے متعلقہ مسائل کی حقیقت پر شیخ صوفی کی طرف یہ مکتوبِ گرامی صادر فرماکر اپنے مؤقف کی وضاحت فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر بچپن سے ہی توحید وجودی کا مشرب رکھتا تھا۔ لیکن فقیر کا یہ مشرب از روئے علم تھا نہ کہ از روئے حال یعنی فقیر کے لیے یہ توحید، توحید قالی تھی نہ کہ توحیدِ حالی۔ کیونکہ حال سلوک طے کرنے سے تعلق رکھتا ہے اور ابھی تک سلوک طے نہ کیا تھا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ فقیر کے والد مرحوم (حضرت شیخ عبدالاحد چشتی رحمۃ اللہ علیہ) بھی بظاہر اسی مشرب (توحید وجودی) پر تھے یعنی بظاہر توان کا یہی مشرب تھا لیکن باطنی طور پر آپ احدیتِ مجرّدہ اور مرتبۂ تنزیہہ کی طرف متوجہ تھے۔

توحید وجودی کا ظہور حضرت امام ربانی قدّس سرّہٗ السبحانی فرماتے ہیں کہ یہ فقیر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت قبلہ خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ العزیز کی بارگاہ میں پہنچا آپ نے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی تعلیم فرمائی تو آپ کی توجّہ سے تھوڑی ہی مدت میں اس فقیر پر توحید وجودی منکشف ہوگئی اور اس کے کشف میں بہت مبالغہ پیدا ہوا اور اس مقام (توحید وجودی) کے علوم ومعارف اس قدر ظاہر ہوئے کہ توحید وجودی کی باریکیوں میں سے شاید ہی کوئی باریکی رہ گئی ہو جو اس فقیر پر ظاہر نہ کی گئی ہو۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

متن

دقائق معارفِ شیخ محی الدین ابن العربی را کَمَا یَنْبَغِیْ لائح ساختند و تجلی ذاتی کہ صاحب فصوص آن را بیان

فرموده است و نہایتِ عروج جز آن را نمی داند و در شانِ آن تجلّی میگوید وَمَا بَعْدَ هٰذَا اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ باآن تجلی ذاتی مشرّف گشت وعلوم ومعارفِ آن تجلی را که شیخ مخصوص بخاتم الولایۃ میداند نیز به تفصیل معلوم شدند و سُکرِ وقت و غلبۂ حال درین توحید بحدّے رسید که در بعضی عریضها که بحضرت خواجه نوشته بود این دو بیت را که سراسر سُکر ست نوشته بود۔ رباعی

اے دریغا کین شریعت مِلّتِ اعمائی است
مِلّتِ ما کافری و مِلّتِ ترسائی است
کفر و ایمان زلف و روئے آن پری زیبائی است
کفر و ایمان هر دو اندر راهِ ما یکتائی است

واین حال تا مدّتِ مدید کشید واز شهُور بسنین انجامید

ترجمہ: حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدّس سرّہٗ کے معارف کے دقائق کو جیسا کہ چاہیئے واضح فرمایا اور وہ تجلّی ذاتی جس کے متعلق صاحب فصوص (ابن عربی) نے بیان فرمایا کہ" میں عروج کی انتہا اس کے سوا نہیں جانتا" اور اس تجلّی کی شان میں فرمایا کہ" اس کے بعد عدمِ محض کے سوا اور کچھ نہیں ہے" یہ فقیر اس تجلّی ذاتی سے مشرف ہوا

اور اس کے علوم و معارف بھی تفصیل کے ساتھ معلوم ہوئے جن کو شیخ موصوف خاتم الولایت کے ساتھ (اپنے ساتھ) مخصوص جانتے ہیں اور اس توحید وجودی میں سکرِ وقت اور غلبۂ حال اس حد تک حاصل ہوا کہ بعض عریضوں میں جو کہ اس فقیر نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھے تھے ان دو شعروں کو بھی لکھا جو کہ سراسر سکر سے تعلق رکھتے ہیں۔

اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

آہ افسوس! کہ یہ شریعت اندھوں کی ملت ہے۔ ہماری ملت کافر کی ہے یا ترسا کی۔ کفر و ایمان اس پری زیبا کے رخ و زلف کا نام ہے۔ کفر و ایمان دونوں ہماری راہ میں ایک ہی ہیں۔

یہ حالت بڑی مدت تک رہی حتیٰ کہ مہینوں کی بجائے کئی سالوں تک رہی۔

شرح

حضرت امام ربانی قُدِّسَ سِرُّہُ الْعَزِیْز نے اس مکتوب میں اس امر کی صراحت فرمادی ہے کہ اپنے والد مرحوم کے ذوقِ توحید سے متاثر ہو کر یہ فقیر بچپن ہی سے علمی طور پر توحید وجودی کا قائل تھا لیکن حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ نقشبندیہ کا سلوک طے کرنے کے بعد توحیدِ وجودی حالی طور پر وارد ہوگئی اور توحید وجودی کے تمام کشوف و معارف کی تہ تک رسائی حاصل ہوئی اور اس مسئلے میں حضرت ابن عربی قدس سرہٗ کے تمام دقائق و حقائق سے کَمَا حَقُّہٗ آگاہی ہوئی اور تجلی ذاتی جس کو شیخ نے ولایت کا آخری مرتبہ قرار دیا ہے اور اپنے ساتھ مخصوص جانا ہے اس سے بھی مشرف ہوا..... حتیٰ کہ توحید وجودی کے سکری علوم و معارف نے اس قدر غلبہ کیا کہ فقیر نے بعض ایسے اشعار بھی حضرت خواجہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھ کر بھیجے جو سراسر سکر سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار دیکھ کر آپ کو تحریر فرمایا "حاشا کہ قائل آں مقبول باشد زنہار

ادب نگاہ دارید کہ کارخانہ الٰہی محل استغنا و غیرت است[1]"

ترجمہ: حاشا کہ ان شعروں کا کہنے والا مقبول ہو، آگاہ رہیں اور ادب کو ملحوظ رکھیں کہ بارگاہِ خداوندی بے نیازی اور غیرت کا محل ہے۔

چنانچہ ایک مکتوب میں آپ نے صراحت فرمائی ہے کہ یہ فقیر ارباب توحید وجودی کے انکار اور ان پر طعن سے اپنے آپ کو بہت بچاتا ہے انکار اور طعن کے لیے تو اس وقت گنجائش نکل سکتی ہے جب اس حال کے ظاہر کرنے میں ان کا اپنا دخل ہو۔ لہٰذا وہ مغلوبُ الحال اور معذور ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اس معرفت (توحید وجودی) سے اُوپر دوسری معرفت (توحید شہودی) ہے اور اس حال کے بعد دوسرا حال ہے اور جو افراد اس مقام میں بند ہو کر رہ گئے ہیں وہ بے شمار کمالات سے محروم ہو گئے ہیں[2]

بیّنات

حضرت امام ربانی قُدِّسَ سِرُّہٗ السُّبحانی کے نزدیک اکابر مشائخ سے اس توحید کے مرتبے میں جتنے کلماتِ سکریہ صادر ہوئے ہیں یہ ان کے عقائد نہ تھے بلکہ احوال تھے اور وہ اسی مرتبے میں بند ہو کر نہیں رہ گئے تھے بلکہ ان میں اکثر اس سے آگے بلند مرتبوں پر فائز ہوتے رہے جیسا کہ خود آپ نے اپنا تجربہ اور مشاہدہ بیان فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ ان بزرگوں کا مقام نہیں بلکہ حال ہے کیونکہ مقام کا تقاضا ثبات و قرار ہے اور حال کا تقاضا عبور و ارتقاء ہے۔

☆ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَلْاَحْوَالُ کَالْبُرُوْقِ فَاِنْ بَقِیَ فَحَدِیْثٌ

---

[1] مکتوبات خواجہ باقی باللہ مکتوب ۵۸ [2] دفتر اول مکتوب ۲۹۱

احوال چمکنے والی بجلی کی طرح ہیں اگر باقی رہ جائیں تو احوال نہیں بلکہ حدیثِ نفس ہیں۔
☆ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول اس طرح نقل فرمایا ہے ؎

بگفت احوالِ ما برقِ جہاں است
دمے پیدا و دیگر دم نہاں است

لہٰذا تعلیماتِ مجددیہ کے مطابق ان بزرگوں پر سوءِ ظن نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ان کے سکری کلمات کی تاویل کرنی چاہیے۔ اکثر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ توحید وجودی سلسلہ چشتیہ اور قادریہ کے بزرگوں کے ساتھ مخصوص ہے اور توحید شہودی سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں کا خاص مشرب ہے اور توحید وجودی کی حقیقت حال بیان کرنے والوں پر یہ سمجھ کر زبان طعن دراز کرتے ہیں کہ یہ لوگ چشتی، قادری اور وجودی مشائخ کی توہین و بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْخُرَافَاتِ، حَاشَا وَکَلَّا ایسا ہرگز نہیں یہ طعن کرنے والوں کی جہالت کا نتیجہ ہے۔

اصل صورتِ حال یہ ہے کہ توحید وجودی کسی خاص طریقت سے مخصوص نہیں بلکہ یہ صوفیاء کے احوال و معارف ہیں جو تقریباً ہر سلسلے کے سالک کو فنائے قلب سے پہلے اور فنائے قلب کے بعد پیش آتے رہتے ہیں کچھ بزرگ ان احوال میں زیادہ دیر تک اِنْقِبَاضْ پذیر رہتے ہیں اور کچھ جلدی گزر جاتے ہیں۔ بعض نقشبندی بزرگ توحید وجودی کا مشرب رکھتے ہیں اور بعض دوسرے سلاسل کے بزرگ توحید شہودی سے حظِ وافر رکھتے ہیں۔ تعصّب کی راہ پر چلنے والے محروم رہتے ہیں اور کسی بھی بزرگ کی عداوت ایمان پر خاتمے کو مشکوک بنا دیتی ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا وَارْزُقْنَا حُبَّ اَوْلِیَآئِہٖ

توحیدِ شہودی کا ظہور

متن ناگاہ عنایتِ بیغایتِ حضرت اللہ جل سلطانہٗ

از دریچۂ غیب در عرصۂ ظہور آمد و پردۂ روپوش بےچونی وبیچگونی را برانداخت علومِ سابق کہ منبئ از اتحادِ وحدتِ وجود بودہ اند رُو بزوال آوردند واِحاطہ و سریان و قُرب ومَعیّتِ ذاتیّہ کہ دران مقام منکشف شدہ بود مستَتر گشتند و بہ یقین، یقین معلوم گشت کہ صانع راجلّ شانہٗ باعالَم ازین نسبت ہائے مذکورہ ہیچ ثابت نیست اِحاطہ و قربِ او تعالیٰ علمی است چنانچہ مقررِ اہل حق است شَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی سَعْیَهُمْ

ترجمہ: اچانک اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے انتہا عنایت غیب کے دریچوں (جھروکوں) سے میدان ظہور میں آئی اور اس پردے کو اُتار پھینکا جو بےچونی و بےچگونی کے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھا اور سابقہ علوم جو اتحاد اور وحدت الوجود کے نتیجے میں پیدا ہوتے رہتے تھے زائل ہونے لگے اور احاطہ وسریان اور قُرب ومعیّتِ ذاتیہ جو اس مقام میں ظاہر ہوئے تھے پوشیدہ ہو گئے اور پورے یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ صانع جلّ شانہٗ کو عالَم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں (جو توحید وجودی میں ثابت ہوتی تھیں) بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ وقرب علمی ہے جیسا کہ اہل حق کے نزدیک ثابت و فیصلہ شدہ بات ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی کوششوں پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

شرح

حضرت امام ربانی قُدِّسَ سِرُّہُ الْعَزِیْز فرماتے ہیں کہ یہ فقیر ابتداء میں توحید وجودی کا ذوق وادراک وافر رکھتا تھا تا آنکہ حق تعالیٰ کی عنایت میدان ظہور میں آئی اور توحید وجودی کے وہ علوم ومعارف جو اتحاد وحدت وعینیّت ومعیّتِ ذاتیہ کی خبر دیتے تھے یک دم زوال پذیر ہو گئے اور توحیدِ شہودی کے وہ تمام علوم ومعارف جو کتاب وسنّت سے ثابت ہیں اور جمہور علماء ومحققینِ اہلِ سنّت نے بیان فرمائے ہیں ظاہر ہو گئے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں آپ نے فرمایا "مسئلہ توحید وغیرہ میں مشائخ (وجودیہ) سے علماء (اہلسنّت) کا اختلاف از راہِ نظر واستدلال ہے اور فقیر کا اختلاف از راہِ کشف وشہود ہے۔ علماء ان امور کے قبح کے قائل ہیں اور فقیر بشرطِ عبور ان کے حسن کا قائل ہے[1]"۔

حضرت امام ربانی قدّس سرّہ نے اسی مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔

اے عزیز! اگر تفصیلِ احوال وتبیینِ معارف کو قلم بند کروں تو بات طویل ہو جائے گی اور خاص کر توحید وجودی کے احوال اور ظلّیّتِ اشیاء کے معارف بیان کیے جائیں تو وہ لوگ جنہوں نے توحیدِ وجودی میں عمریں صرف کی ہیں سمجھ لیں گے کہ انہوں نے دریائے بے نہایت میں سے پورا ایک قطرہ بھی حاصل نہیں کیا ہے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ وہی لوگ اس درویش کو اصحابِ توحیدِ وجودی سے شمار نہیں کرتے بلکہ اس کو توحید وجودی کے مخالف علماء میں سے سمجھتے ہیں اور اپنی کوتاہ نظری کی بناء پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ معارفِ توحید وجودی پہ اصرار کرنا ہی کمال ہے اور اس مقام سے ترقی کرنا نقص ہے۔ بھلا ان لوگوں کو کہاں سے معلوم ہو گیا کہ ان مشائخ کی اس مقام سے ترقی نہیں ہوئی اور وہ اس مقام میں بند ہو کر رہ گئے ہیں۔ معارفِ توحید کے حصول میں تو ہمارا

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۴۲

اختلاف ہی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک امر متحقق اور ثابت ہے البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا مشائخ ماتقدّم کی ترقی اس مقام سے ہوئی ہے یا نہیں اب اگر یہ لوگ اس شخص کو جو ترقی کا قائل ہے منکر توحید کے نام سے یاد کرتے ہیں تو یہ ان لوگوں کی خاص اصطلاح ہوئی اور اس میں کیا مناقشہ ؟

بیّنات

◎ حضرت امام ربانی قدس سرّہٗ نے توحیدِ وجودی کے سلسلے میں اپنے احوال اس لیے تحریر فرمائے ہیں تاکہ شیخ نظام تھانیسری اور ان کے ہم نشینوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت امام ربانی کا توحیدِ وجودی کے معارف سے انکار، توحید وجودی کے حقائق سے بے خبر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ توحیدِ وجودی کے معارف سے گزر جانے اور ترقی پانے کی بنار پر ہے اور آپ کا یہ اختلاف و انکار اربابِ توحیدِ وجودی کو بُرا جاننے کی وجہ سے بھی نہیں بلکہ آپ انہیں اولیاء کرام کے زُمرے میں شمار کرتے ہیں۔ البتہ آپ اس یقینی امر کو ثابت کرتے ہیں کہ توحیدِ وجودی کے معارف ولایت کے معارف سے ہیں اور مبتدی اور متوسّط عارفین کے لیے ہیں اور توحیدِ شہودی کے معارف نبوّت کے معارف سے ہیں اور وہ مُنتہی حضرات کے لیے ہیں۔ پس ابتدائی معارف سے گزر جانا اور توحید شہودی کے معارف میں قرار پکڑنا لازمی ہے تاکہ حقیقی معرفت اور حقیقی فنا میسّر آجائے آپ کے نزدیک توحیدِ وجودی فنائے قلب کے مقام میں حاصل ہوتی ہے اور توحید شہودی فنائے نفس کے بعد جلوہ گر ہوتی ہے اور یہی انسانیّت کی تکمیل کا مرتبہ ہے کیونکہ تکمیل تزکیۂ نفس پر موقوف ہے اور تزکیۂ نفس فنا اور بقار سے مربوط ہے اور یہ امر اہلِ باطن کے نزدیک ثابت ہے کہ فنائے نفس، کے بغیر انسانی اعمال قبول اور عدمِ قبول کے درمیان دائر و سائر رہتے ہیں یعنی انسان کے بعض عمل رضائے نفس کے لیے ہوتے ہیں اور بعض عمل

رضائے حق کے لیے ہوتے ہیں کیونکہ نفس کی جبلّت، حق کی مخالفت پر استوار ہے اسی لیے حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔

عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ [1]

(یعنی) اپنے نفس کے ساتھ دشمنی کیا کرو۔ اس لیے کہ نفس میری دشمنی پر قائم ہے۔

اسی طرح حدیث کی رو سے جہاد بالنَّفس کو جہادِ اکبر کہا گیا ہے[2]۔ واضح رہے کہ توحیدِ وجودی کے معارف میں فنائے نفس حاصل و شامل نہیں ہوتی۔ کیونکہ توحیدِ وجودی کے ظہور کے وقت اگرچہ بعض لطائف فانی ہوتے ہیں مگر تمام لطائف فنا حقیقی سے مشرّف نہیں ہوتے۔ کیونکہ تمام لطائف کے فنا ہو جانے پر انا کا دعویٰ گم ہو جاتا ہے لہٰذا اَنَا الْحَقُّ کا مصداق بھی موجود نہیں رہتا۔

توحیدِ وجودی کے علوم و معارف میں احاطہ، سریان اور قرب و معیّتِ ذاتیہ خاص موضوعات ہیں ان کا مختصر تجزیہ ملاحظہ فرمائیں!

احاطہ: اللہ تعالیٰ کا ہر چیز کو محیط ہونا بمطابق آیت قرآنی وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ [3] ..... اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ [4]

سریان: حق تعالیٰ کا مومن کے دِل میں سما جانا جیسا کہ حدیث قدسی ہے لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَآئِيْ وَلٰكِنْ يَّسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ [5]

قرب: حق تعالیٰ کا بندے کے قریب ہو جانا بمطابق آیت نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ [6]

معیّت: اللہ تعالیٰ کا بندے کے ساتھ ہونا بمطابق آیت وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ [7]

---

[1] تشید المبانی ص۱۶ [2]
[3] البروج ۲۰ [4] حٰمٓ السجدہ ۵۴ [5] احیاء العلوم ص
[6] قٓ ۱۶ [7] الحدید ۴

صوفیائے وجودیہ ان عنوانات کے تحت کائنات اور ذات حق میں اتحاد وعینیّت ثابت کرتے ہیں اور احاطہ کا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ ذات حق تعالیٰ محیطِ عالَم ہے اور سریان کا معنیٰ یہ لیتے ہیں کہ ذات حق تعالیٰ کائنات میں اس طرح سمائی ہوئی ہے جس طرح نمی درخت کے پتوں میں ساری ہوتی ہے اور قرب ومعیّت سے بھی ذاتی قرب ومعیّت مُراد لیتے ہیں اور احاطہ وسریان ومعیّت علمیّہ کو احاطہ وسریان ومَعِیّتِ ذاتیّہ خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک علم وقدرت اور دیگر صفات عینِ ذات ہیں حالانکہ علمائے اہلِ سنّت رَحِمَهُمُ اللہُ صفات کو ذات کا عین نہیں مانتے اور کائنات کے ساتھ ذات کے احاطہ وسریان کو ذاتی نہیں بلکہ احاطہ وسریانِ علمی مانتے ہیں اور علمائے اہلِ سنّت کے اسی مسلک کو حضرت امام رّبانی قُدِّسَ سِرُّهٗ کشف وشہود سے بھی ثابت مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کائنات کو ذات کے ساتھ وہی نسبت ہے جو مخلوق کو خالق کے ساتھ اور مصنوع کو صانع کے ساتھ ہے۔ اتّصال واتّحاد اور عینیّت کی نسبت ہرگز ثابت نہیں ہوتی بلکہ وہ ذاتِ حق ہر نسبت اور ہر مقام سے ورآءُ الورآء ثمّ ورآءُ الورآء ہے۔ اشیاءِ کائنات نہ اللہ تعالیٰ کا عین ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحّد اور متّصل ہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات اشیآء میں حلول کئے ہوئے ہے، نہ واجب ممکن ہوا، نہ بیچون چون میں آیا، نہ تنزیہہ تنزّل کرکے تشبیہ بنا۔ وہاں نہ اتّحاد ہے نہ عَیْنِیّت، نہ تنزّل نہ تشبیہ

فَهُوَ سُبْحَانَهٗ الْاٰنَ كَمَا كَانَ

صوفیائے وجودیہ چونکہ مغلوبُ الحال اور معذور ہیں ان کے کلام کی حُسنِ ظن کے ساتھ تاویل کی جائے گی اور ان کے کلام "ہمہ اوست" کے معنیٰ "ہمہ از وست" ہوں گے اور ان کے قول اتحاد وعَیْنِیّت کی تعبیر یوں ہوگی کہ اشیائے کائنات حق تعالیٰ کے ظہورات ہیں اور اسماء وصفات کے آئینے ہیں۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

صوفیائے کرام میں سب سے پہلے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۳۸ھ) نے تصوّف کو باقاعدہ فلسفے کا رنگ دے کر مسئلہ توحید کو "وحدت الوجود" کے نام سے متعارف کرایا ہے اور بے شمار اصطلاحات وضع کر کے فلسفیانہ استدلال اور کشف و شہود کے ذریعے اس مسئلے کو ایک مخصوص انداز میں پیش فرمایا۔ ساتھ ہی فارسی شاعری کے دلکش اثرات نے بھی ان تخیّلات کو مزید تقویّت پہنچائی۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر نے قرآنی آیات اور احادیث نبویّہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ سے بھی اپنی تاویلات کو ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور اس امر پر پورا زور صرف فرمایا ہے کہ وحدت الوجود ہی توحید کی اصل حقیقت ہے اور اپنی اس تحقیق پر سابقہ صوفیاء کے کلمات کو بطور استشہاد بھی پیش فرمایا ہے (مثلاً سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ، اَنَا الْحَقّ، اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ اِلَّا اللہ وَغَیْرُھَا)۔

حضرت شیخ اکبر ابنِ عربی رحمہُ اللہ کے اس فلسفہ کی تردید کرنے والوں میں حضرت ابو المکارم رکن الدّین، شیخ علاءُ الدّولہ سمنانی (متوفی ۷۳۶ھ) حضرت شیخ شہاب الدّین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ)، علاّمہ ابن تیمیّہ (متولّد ۶۶۱- متوفی ۷۲۸ھ) اور مشہور محدّث و مؤرّخ امام ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) کے نام سر فہرست ہیں۔ چنانچہ علاّمہ ابن تیمیّہ نے نظریۂ وحدت الوجود کے ردّ میں ایک رسالہ "فِیْ اِبْطَالِ وَحْدَۃِ الْوُجُوْدِ" لکھا۔ لیکن ابن تیمیّہ کی یہ تردیدی جدوجہد شاید قبل از وقت تھی جس کا مشرقی عالمِ اسلام پر کوئی اثر مرتّب نہ ہوا اور نظریہ وحدتُ الوجود کی جڑیں مزید مضبوط ہوتی چلی گئیں یہاں تک کہ وحدتُ الوجُود کا فلسفہ ایک مسلّمہ عقیدہ بن کر اسلامی معاشرت میں سرایت کر گیا اور اسلام کی تعلیم و تبلیغ، شعر و ادب اور فلسفہ و حکمت پر بھی یہ عقیدہ اثر انداز ہو گیا۔ اس امر میں کوئی کلام نہیں کہ بعض اکابر علماء و صوفیاء نے حضرت شیخ اکبر کو سخت اور بُرے الفاظ سے یاد کیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بے شمار علماء و مشائخ نے آپ کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔

قانونِ قدرت کے مطابق تاریخ اسلام میں ایک عظیم الشّان انقلابی واقعہ رونما ہوا کہ عہدِ نبوّت سے تقریباً ایک ہزار سال بعد حضرت امامِ ربّانی مجدّد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور انہوں نے تمام سلاسلِ تصوّف میں اس بلند آہنگی سے تجدید و اصلاح کا صور پھونکا کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک دنیائے اسلام کے در و دیوار سے آرہی ہے اور ہمیشہ آتی رہے گی۔ آپ نے مکتوبات شریفہ اور دیگر تالیفات کے ذریعے صرف ایک ہی مؤقف کا تکرار اور ایک ایک ہی دعوت کا اعادہ فرمایا کہ صوفیاء کو اپنے فکر و استدلال اور کشف و شہود کی بنیاد قرآن و سنّت پر رکھنی چاہیئے اور کتاب و سنّت کے خلاف صوفیاء کے تمام اقوال و افکار کو مردود سمجھنا چاہیئے اور علمائے اہلسنّت کے عقائدِ صحیحہ پر مکمل اعتماد کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ایک اقتباس ملاحظہ ہو!

از جملۂ ضروریاتِ طریقِ سالِک اعتِقادِ صحیح است کہ عُلمائے اہلِ سُنّت آں را از کتاب و سنّت و آثارِ سَلَف استِنباط فرمودہ اند ۔۔۔۔۔۔ واگر بالفرض خِلافِ آں معانیِ مفہومہ بکشف و الہام امرے ظاہر شود آں را اعتبار نہ باید کرد و ازاں استعاذہ باید نمود [1]

چنانچہ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں جب امامِ ربّانی رحمۃ اللہ علیہ نے عالمِ اسلام کے حالات کا جائزہ لیا تو اس وقت کافی حد تک ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل نظریۂ وحدت الوجود کا حقیقی مفہوم ناپید ہو چکا تھا۔ ماسوائے چند محققین اصحابِ تصوّف کے، متصوّفین کی اکثریت توحید وجودی کو اتحاد و عینیّت اور احاطہ و معیّتِ ذاتیہ کے غلط مفاہیم کا جامہ پہنا چکی تھی اور تصوّف پر ملحدوں، باطنیوں اور نور بخشیوں نے قبضہ جما لیا تھا۔ نظریۂ وحدتُ الوجود، یونانی توہّمات، ایرانی تخیّلات، ہندوانہ

---

[1] دفتر اوّل مکتوب ۲۸۶

نظریات اور دیگر غیر اسلامی اعتقادات کا معجون مرکب بن چکا تھا۔ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کا یہ تصوّف ابتدائی صدیوں کے اسلامی تصوّف سے بہت کچھ منحرف و مختلف نظر آرہا تھا۔ غرضیکہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریۂ وحدت الوجود کے پردہ میں اتحاد و حلول کی تعلیم دی جانے لگی تھی۔ اب یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختصار کے ساتھ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ توحیدِ وجودی اور شہودی کا بیان اور ان کے درمیان فرق بیان کیا جائے (وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ)

شیخ اکبر کا نظریۂ توحید توحید کے بارے میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ وجود ایک ہے اور وہ اللہ ہے اور وہی موجود ہے باقی ہر چیز فقط اس کا مظہر ہے۔ ان کے نزدیک ذات و صفات میں عینیّت ہے۔ ان میں جو فرق ہے وہ جوہر اور عرض کے فرق کی طرح ہے۔ عالم اس کی صفات کی محض تجلّی ہے[1]

اس نظریہ کو ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں واضح فرمایا ہے کہ وجود، وجودِ مطلق ہے اور مراتبِ وحدت میں یہ مرتبہ لاتعیّن ہے۔ وحدت اپنے تعیّنات یا تنزّلات میں پانچ مراتب سے گزرتی ہے جنہیں تنزّلاتِ خمسہ یا حضراتِ خمس کہتے ہیں۔

ذات و صفات حضرت شیخ اکبر اور ان کے اتباع کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات، اس کی عین ذات ہیں اور اسماء و صفات آپس میں بھی ایک دوسرے کی عین ہیں مثلاً علم اور قدرت جس طرح یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی عین ذات ہیں اسی طرح یہ دونوں صفتیں آپس میں بھی ایک دوسرے

---

[1] ؎

کی عین ہیں۔

مقام غیبُ الغیب میں کسی نام اور کسی طریقہ سے تَعدُّد، تکثُّر، تمَایُز، تبَایُن نہیں ہے۔

عالَم اور خدا حضرت شیخ اکبر کا مسلک یہ ہے کہ عالَم اور خدا میں عینیّت کی نسبت ہے۔ اس عَینیّت کو ظاہر کرنے کے لیے وہ یا تو عالَم کی نفی سے ابتداء کرتے ہیں یا خدا کے اثبات سے، وجودِ عالَم کی نفی سے اُن کی مراد یہ ہے کہ عالَم برائے نام، غیر حقیقی اور وہمی وجود ہے جو خارج میں معدوم ہے۔ موجود صرف خدا ہے۔ عالَم یا کثرت کا وجود صرف تجلیّاتِ وحدت کی حیثیّت سے ہے یا اس کے تعیّنات کی حیثیّت سے، بذاتِ خود عالَم کا کوئی وجود نہیں۔ اَلْاَعْیَانُ مَا شَمَّتْ رَائِحَۃً مِنَ الْوُجُوْدِ[1] یعنی اعیانِ ثابتہ (حقائق اشیا) نے وجودِ خارجی کی بُو تک نہیں سونگھی۔

حضرت امام ربّانی کا نظریۂ توحید حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ کے ارتقائی سلوک کے مدارج کی ترتیب کو مدِنظر رکھتے ہوئے اب ہم شیخ اکبر کے نظریہ توحید پر امام ربّانی کی تنقید اور مخالفت کے دلائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن یہ امر ملحوظ رہے کہ شیخ اکبر اور امام ربّانی دونوں کے بیانات و نظریات استدلالِ علمی و عقلی کے علاوہ کشف و شہود کے اصولوں پر مبنی ہیں فرق صرف استدلال اور کشف کی صحت اور عدمِ صحت کا ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ قبل ازیں حضرت امامِ ربّانی، ارتقائے سلوک میں خود وحدت الوجود کے مقام سے گزر چکے تھے اور مرتبۂ وحدت الوجود ایک روحانی و کشفی ادراک کی حیثیّت سے آپ کے لیے متحقق ہو چکا تھا۔ آپ اس کو

---

[1] فصوص الحکم کلمہ ادریسیہ

وجودیّت کا ابتدائی مرتبہ سمجھتے تھے مقامِ ظلّیّت میں پہنچ کر بھی آپ نے وہاں قرار نہ پکڑا اگر آپ نے تسکین پائی تو مقامِ عبدیّت میں پائی۔ چنانچہ آپ پر حق الیقین کے طور پر واضح ہو گیا کہ وحدتُ الوجود ایک متوسّط اور عبوری مقام ہے، تو آپ نے ایک عارفِ کامل اور صاحبِ کشف و اجتہاد کی حیثیت سے شیخِ اکبر اور دوسرے صوفیائے وجودیہ کے اس نظریہ پر نقد و نظر کا آغاز فرمایا اور اس کشف و شہود کو جس پر توحیدِ وجودی کی بنیاد رکھی گئی تھی سکریہ اقوال و احوال قرار دے کر توحیدِ خالص کا وہ قرآنی نظریہ پیش فرمایا جو وحدتُ الوجود سے یکسر متضاد تھا اور جس کی تعبیر آپ نے وحدتُ الشہود سے فرمائی اور اسی نظریۂ توحید کو آپ نے وحیِ الٰہی کا ماخذ اور توحید کا اصلی اسلامی تصوّر قرار دیا۔ آپ کی اس کشفی اور استدلالی تخلیق و تحقیق نے عجمی تصوّف کا رُخ اسلامی تصوّف کی طرف موڑ دیا اور عالَمِ اسلام میں ایک زبردست فکری، کشفی اور روحانی انقلاب برپا کر دیا۔ آپ کا پیش کردہ نظریۂ وحدتُ الشہود آپ کی زندگی میں ہی عالمِ اسلام کی اکثریّت نے قبول کر لیا تھا اور آپ کے بعد اہلِ تصوّف میں آج تک کوئی بھی قابلِ ذکر آواز اس نظریہ کے خلاف نہیں اٹھی، گو دوسرے سلاسل کے بعض متصوّفین وحدتُ الوجود پر قائم رہے لیکن حضرت امام ربّانی کی تردید یا تغلیط کی کسی کو جرأت نہ ہو سکی۔ کیونکہ آپ کے استدلالاتِ علمی و کشفی مبنی بر کتاب و سنّت ہیں اور علمائے اہلِ سنّت کے اعتقاداتِ صحیحہ کے عین مطابق ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

ذات و صفات

شیخِ اکبر کے نزدیک ذات اور صفات میں عینیّت ہے۔ امام ربّانی فرماتے ہیں کہ اگر ذات و صفات عینِ یک دیگر ہیں اور اگر عالَم تجلّیٔ صفات ہے تو ان دونوں قضیوں کا لازمی نتیجہ وحدتُ الوجود ہے حالانکہ دونوں قضیے غلط ہیں۔ پہلا قضیہ اس لیے غلط ہے کہ صفات عینِ ذات نہیں بلکہ زائد علَی الذّات ہیں متکلّمینِ ماتریدیہ کا یہی مذہب ہے۔ حضرت امام ربّانی ان کے ہمنوا

ہیں کیونکہ یہ صفات کمالاتِ ذاتیہ کے علاوہ زائد بر ذات متصور ہوئی ہیں۔ پس یہ صفات اضافی ہیں اور تخلیقِ عالَم کی نسبت وجود میں آئی ہیں۔ یہ امر کشفِ صحیح سے معلوم ہوا ہے اور وحی کے مطابق بھی یہی حق ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ [1] (یعنی) اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے [2]۔

پس اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں کامل ہے اِس کی ذات، صفات سے تکمیل نہیں پاتی کیونکہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مَوْجُوْد، حَیّ، قَیُّوم، قَدِیْر، عَلِیْم، بَصِیْر، سَمِیْع، کَلِیْم اور مُکَوِّن ہے۔ آپ کے نزدیک عالَم، ظِلِّ صفات ہے اور صفات، ظِلِّ ذات۔ تعیّنات یا تنزّلات کے قول سے آپ احتراز کرتے ہیں کیونکہ اس سے عَینیّت کا احتمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں عقلِ صحیح کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ صفات، ذات کے علاوہ ہوں۔ (فَافْهَمْ)

دوسرا قضیہ اس لیے غلط ہے کہ عالَم تجلّیٔ صفات نہیں بلکہ ظِلِّ صفات ہے کیونکہ اگر عالَم تجلّیٔ صفات ہوتا تو وہ عینِ صفات ہوتا حالانکہ صفات کامل ہیں اور عالَم نقص سے بھرا ہوا ہے۔ مثلاً خدا کی صفتِ علم کی کوئی مماثلت انسان کی صفتِ علم سے نہیں کہ ایک کو دوسرے کی تجلّی کہا جا سکے نیز امام ربّانی کے نزدیک یہ بھی کشفِ صحیح سے ثابت ہوا ہے کہ عالَم تجلّیٔ صفات نہیں بلکہ ظِلِّ صفات ہے۔ علاوہ ازیں وحیِ خداوندی بھی اسی کشف کی صحت کی خبر دیتی ہے۔ مثلاً سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ [3] یعنی پاک ہے تیرا ربّ ان صفات سے جن سے وہ اس کی صفت وثناء کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صفاتِ انسانی اور صفاتِ خداوندی میں کوئی مماثلت نہیں [4]۔

عالَم اور خدا حضرت شیخ اکبر عالَم اور خدا میں عینیّت ثابت کرتے ہیں جب کہ

---

[1] العنکبوت ۶۔ [2] دفتر سوم مکتوب ۲۶، ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۴۔ [3] الصافّات ۱۸۰۔ [4] دفتر دوم مکتوب ۱، دفتر سوم مکتوب ۱۱۰

حضرت امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خارج میں حقیقی وجود صرف ذات خدا کا ہے اور عالم کو وجودِ خارجی عطا ہوا ہے اور یہ وجود نمود بے بود، سے زیادہ نہیں تاہم یہ نمود ایسی بھی نہیں جو ہمارے وہم وتخیّل پر منحصر ہو بلکہ وہ اپنے آپ موجود ہے اس کی مثال شعلۂ جوالہ کی طرح ہے جیسے ایک لکڑی کے سرے کو آگ لگا دیں پھر لکڑی کے دوسرے سرے کو پکڑ کر تیزی سے گھمائیں رات کے وقت دُور سے دیکھنے والے کو آگ کا ایک دائرہ نظر آئیگا۔ اب اگر اس دائرہ (نمود) کو کسی طریقے سے مستقل اور فی نفسہٖ قائم کر دیا جائے تو عالم کا وجود اس دائرہ جیسا ہوگا۔[۱]

عالم اور خدا کے مابین عینیّت ثابت کرنا اسی قسم کی غلطی ہے جیسے کوئی صاحب کمال اپنے پوشیدہ کمالات کو ظاہر کرنے کے لیے ایسے حروف اور آوازیں ایجاد کرے جو اس کے کمالات پر دلیل ہوں اس پر کوئی یہ کہنے لگے کہ یہ حروف اور یہ آوازیں اس مُوجِد کا عین ہیں[۲]

حضرت امامِ ربّانی فرماتے ہیں کہ عالم اور خدا کے مابین اس کے سوا اور کوئی نسبت نہیں کہ خدا خالق ہے، اور عالم مخلوق ہے اور خالق کے پوشیدہ کمالات پر دلیل ہے۔

تنزیہہ وتشبیہہ شیخِ اکبر تنزیہہ وتشبیہہ دونوں سے توحید کا اثبات کرتے ہیں۔ تنزیہہ کا معنیٰ ہے "پاک کرنا" علمِ کلام کی اصطلاح میں یہ لفظ اس مفہوم کو ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی ذات میں مخلوق کی صفات کا اثبات نہیں کیا جا سکتا۔ تشبیہہ کا معنیٰ ہے "مشابہت دینا" علمِ کلام کی اصطلاح میں خالق کو مخلوق کی صفات سے متّصف کرنا تشبیہہ ہے۔ شیخ اکبر کے نزدیک تنزیہہِ محض یا تشبیہہِ مطلق سے خدا کی ذات میں تقیّد پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت امام ربّانی فرماتے ہیں کہ شیخ اکبر کا یہ فرمانا کہ

---

[۱] دفتر سوم مکتوب ۵۲ [۲] دفتر اوّل مکتوب ۳۱

"اعیانِ خارجی نے وجود کی بُو تک نہیں سونگھی" تو پھر تنزیہ کرنے میں تحدّد و تقیدّ کیوں پیدا ہو سکتا ہے؟ خدا تو موجود ہے اور عالَم موہوم، اور متخیّل محض اور نفسُ الامر میں غیر موجود، ایسی صورت میں اگر تحدید و تقیید کا واقع ہونا تسلیم کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ موجود کی تحدید موہوم سے ہو سکتی ہے۔ یہ کہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ خدا کا وحدہٗ لاشریک ہونا اس سے باطل ہو جاتا ہے کہ اس کے شریک کا تخیّل کیا جا سکتا ہے[1]

دوسرے یہ کہ اگر تنزیہ و تشبیہ کو ملایا جائے تو ماسوی اللہ باقی نہیں رہتا۔ ارشادِ قرآنی قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ[2] سے ثابت ہوا کہ ماسوی اللہ وجود رکھتا ہے (اور ماسوی اللہ کی عبادت شرک ہے)۔

تیسرے یہ کہ جو لوگ تنزیہ کے ساتھ تشبیہ کو ملاتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ ذات ہمارے عقل و ادراک سے بالاتر ہے اور جسے وہ تشبیہ خیال کرتے ہیں وہ ان کے وہم و تخیّل کے تراشے ہوئے بت ہیں، جنہیں ان لوگوں نے غلطی سے خدا تصور کر لیا ہے۔ وہ ذات اس سے بالاتر ہے کہ ہمارے کشف و شہود میں آسکے[3]

نیز حضرت امام ربّانی فرماتے ہیں:

دعوت انبیآء علیہم الصلوات والتسلیمات بہ تنزیہ صِرف است و کُتب سماوی ناطق بہ ایمانِ تنزیہی است ..... ہیچ شنیدہ کہ پیغمبرے دعوت بایمانِ تشبیہ نمودہ است و خلق را ظہورِ خالق گفتہ[4]

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۴۷ [2] آل عمران ۶۴ [3] دفتر سوم مکتوب ۹
[4] دفتر اوّل مکتوب ۲۷۲

(یعنی) تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے (توحید کے بارے میں) تنزیہِ صرف کی دعوت دی ہے اور تمام آسمانی کتابیں ایمان تنزیہی پر ناطق ہیں۔۔۔۔ آج تک کسی نے نہیں سُنا کہ کسی پیغمبر علیہ السلام نے لوگوں کو توحید تشبیہی پر ایمان لانے کی دعوت دی ہو اور خلق کو خالق کا ظہور قرار دیا ہو۔

اصل اور ظلّ

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے وحدتُ الوجود کی بنیاد اصل اور ظلّ کی عینیّت پر رکھی ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظلِ شئ، عینِ شئ نہیں ہوسکتا۔ ظلّ تو اصل کے مشابہ و مماثل ہوتا ہے۔ خدا اور عالَم کی نسبت کے باب میں اگر اصل اور ظلّ کی نسبت پر قیاس کیا جائے تو ظلّ ممکن ہے اور اصل واجب اور ممکن کی حقیقت عدم ہے اور واجب کی حقیقت وجود، پس اصل اور ظلّ کو عینِ یک دیگر نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً اگر کسی شخص کا سایہ دراز ہوجائے تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص دراز ہوگیا۔ اوّل تو عالَم خدا کا ظلّ ہی نہیں اور اگر عالَم کو خدا کا ظلّ مان بھی لیا جائے تو عینیّت متحقق نہیں ہوتی[1]

اصل اور ظلّ کا معنیٰ ہیں "شئ اور اس کا سایہ"۔ حضرت شیخ اکبر نے اس کو نمود کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔ ظلّ، انعکاس یا پرتو کی حیثیّت سے بھی متصوّر ہوتا ہے جو قریباً تجلّی یا ظہور کا مترادف ہے۔ حضرت امام ربّانی کے نزدیک ابتداءً اس کے معنی سائے کے ہیں جو شئ سے مشابہت رکھتا ہے لیکن جوں جوں وہ ترقی کرتا جاتا ہے ظلّ کی حیثیت محض سایہ کی ہوتی جاتی ہے اور یہ لفظ کم حیثیّت اور نمود بے بود ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ انجام کار ظلّ کے معنی صرف نتیجہ کے رہ جاتے ہیں۔

---

[1] دفترِ اوّل مکتوب ۲۹۰، دفترِ اوّل مکتوب ۱۶۰

انسان اور خدا

حضرت امام ربانی کے نزدیک حدیث خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ[1] کی جو تاویل شیخ اکبر نے کی ہے وہ بھی غلط ہے۔ اس کے ہرگز یہ معنیٰ نہیں کہ صفاتِ[۲] خالق مجسم ہوگئیں اور انسان کی صورت اختیار کر لی ہے بلکہ اس کے معنیٰ صرف یہ ہیں کہ خدا اور روحِ انسانی دونوں لامکانی ہیں اور اس حیثیت سے وہ ایک دوسرے کے مماثل ہیں[۲]۔ ورنہ خدا اور انسان میں تو بڑا فرق ہے اور وہ اس طرح کا فرق ہے جیسے ایک مکڑی میں جو جالا تنے اور ایک ایسے وجود میں، جس کی ایک پھونک سے سارا نظامِ زمین و آسمان درہم برہم ہو جائے، انسان اور خدا تو عینِ یکدیگر ہو ہی نہیں سکتے[۳]۔

امام ربانی کے نزدیک انسان روح سے عبارت ہے اور روح عالم امر سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا اس کے وجود کی نوعیت خلق سے مختلف ہے لیکن وہ کسی دوسری ہستی سے متفرّع نہیں۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ[۴]

حضرت شیخ اکبر نے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی تاویل میں جو اپنے نفس کی معرفت کو خدا کی معرفت قرار دیا ہے[۵] اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ انسان اور خدا عینِ یکدیگر ہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو شخص اپنی فطرت کے نقائص اور عیوب کو محسوس کر لیتا ہے وہ (اس حقیقت کو) پالیتا ہے کہ فضائل اور کمالات صرف خدا کی ذات میں ہیں اور اسی کے فضل سے ہم میں پیدا ہو سکتے ہیں وہی فضائل اور کمالات کا مُنْتَجَمَع اور سرچشمہ ہے[۶]

توحید وجودی میں معیّت، قرب، سریان اور احاطہ کے خاص عنوانات ہیں۔ لیکن

---

۱ بخاری ص۹۱۹ ج۲ ۲ دفتر اوّل مکتوب ۲۸۷ ۳ دفتر اوّل مکتوب ۳۱۰ ۴ بنی اسرائیل ۸۵
۵ فصوص الحکم کلمہ ابراہیمیہ ۶ دفتر اوّل مکتوب ۲۳۴

حضرت امام ربّانی فرماتے ہیں کہ معیّت، قرب، سریان اور احاطہ کی حقیقتیں ہمارے فہم وادراک سے بالاتر ہیں اور ذات حق تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ مگر ایک مقام پر آپ کا رجحان صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ ان عنوانات سے مُراد قرب و احاطہ ذاتی نہیں بلکہ قرب و احاطہ علمی مراد ہے (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

اور جن لوگوں نے قرب و احاطہ ذاتی مراد لیا ہے وہ غلبۂ حال اور سکرِ وقت پر مبنی ہے۔ وہ سالک جو مقامِ صحو سے بہرہ یاب ہو جاتے ہیں ان علوم سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ حضرت امامِ ربّانی کو بھی اثنائے سلوک میں یہ سکری احوال و معارف حاصل ہوئے تھے لیکن آخر کار وہ ان معارف سے گزر گئے۔

حضرت امام ربّانی نے کتاب وسنّت کی روشنی میں مسئلۂ توحید کو اس جامعیّت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ اس کے مقابلے میں نظریۂ وحدت الوجود صرف نظری اور فکری بحثوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے آپ کے بعد کوئی ایسا بلند پرواز صوفی اور عارف آج تک پیدا نہیں ہوا جس نے اس مسئلہ کا کشفی اور شہودی بنیادوں پر کوئی قابلِ ذکر حل پیش کیا ہو۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ کچھ صوفی اپنے تصلّب کی بناء پر نظریۂ توحید وجودی پر جوں کے توں قائم رہے۔ لیکن عالمِ اسلام کی اکثریّت نے آپ کی انہی تجدیدی خدمات کے پیشِ نظر آپ کو اَلفِ ثانی کا مجدّد تسلیم کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اظہارِ اختلاف کے کوئی عالمِ اور صوفی آپ کے دلائلِ علمیّہ اور حقائقِ کشفیہ کا سامنا نہیں کر سکا اور بقول علاّمہ اقبال مرحوم

ع تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ

حضرت امام ربّانی کے بعد پہلا شخص جس نے اس بحث پر تقریر کی وہ شاہ ولی اللہ ہیں جو حضرت امام ربّانی کے قریباً ایک صدی بعد ہوئے۔ شاہ ولی اللہ ایک بڑے سر کردہ صوفی، عالمِ دین اور صاحبِ باطن شمار ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب نے قریباً

۱۱۴۲ھ میں ایک رسالہ لکھا، جس کا نام "فیصلہ وحدتُ الوُجُود والشُّہود" ہے۔ اس رسالہ میں جو مکتوب مدنی کے نام سے مشہور رہے، شاہ صاحب نے حضرت ابن عربی اور حضرت امامِ ربّانی کے نظریۂ توحید میں تطبیق ثابت کی ہے۔ یعنی یہ بتایا کہ حقیقتاً ان دونوں بزرگوں کے خیالات میں کوئی فرق نہیں اور ان کا نزاع فی الواقعی نزاع لفظی ہے۔ اس تطبیق کی ابتداء شاہ صاحب نے اس دعویٰ سے کی ہے کہ مجھے تطبیق کا علم عطا کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے بیان سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ یہ تقریر بربنائے کشف و شہود نہیں کر رہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عربی اور حضرت امامِ ربانی کے بیانات کو سامنے رکھ کر ایک حَکَم کی حیثیت سے تقریر کر رہا ہوں اور یہ میری تقریر ان دونوں بزرگوں کے بیانات کی فقط توجیہ ہے۔ شاہ صاحب کی سعیٔ تطبیق سے بہت بڑی بحث پیدا ہوگئی جو مدت تک جاری رہی۔ بہرحال حضرت امامِ ربانی کے نظریہ توحید شہودی کے اکثر قائلین نے آج تک شاہ ولی اللہ کے نظریہ تطبیق کو تسلیم نہیں کیا۔

شاہ ولی اللہ کا نظریۂ تطبیق

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ذوقِ صحیح سے ادراک ہوتا ہے کہ وجود ایک شئی ہے، قَائِمٌ بِنَفْسِہٖ اور مُقَوِّمٌ لِغَیْرِہٖ، یہ وجود مُنْبَسِطْ ہے جو صُوَرِ موجودات اختیار کر لیتا ہے۔ اس وجود میں تنزّلات واقع ہوتے ہیں۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں وجود مُنْبَسِط محسوس اور معقول میں مشترک ہے۔ یہی وہ مفہوم ہے جس کی بناء پر وہ معدوم کا غیر ہے[1] وہ وجود لا بشرط شئی ہے، وہ ہیولیٰ ہے۔ تمام موجودات کا دوسرے مرتبے میں وہ وجود بشرط لا ہے۔ جیسے انسان اور فرس اور تیسرے مرتبے میں وہ وجود بشرط شے ہے جیسے ارسطو، اور یہی

---

[1] فیصلہ وحدت الوجود والشہود ص۲۳

وحدت وجود ہے [1]

اور جس چیز کا نام وحدت شہود ہے وہ یہ ہے کہ اسماء و شیون منعکس ہو گئے ہیں اعدام متقابلہ میں اور اس طرح ممکن وجود میں آگیا لیکن استعارے اور تشبیہہ سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اس کے معنیٰ فقط یہ نکلتے ہیں کہ واجب کامل ہے اور ممکن ناقص اور ضعیف و بے حقیقت اور یہ سمجھنا کہ حقائق ممکنات اسماء وصفات ہیں جو مرتبۂ علم میں مُتَمَیَّز ہو گئے ہیں یا یہ سمجھنا کہ حقائق ممکنات اسماء وصفات ہیں جو اَعْدَامِ متقابلہ میں مُنْطَبِع ہو گئے ہیں بعینہٖ ایک ہی بات ہے اِن میں اگر کچھ فرق ہے بھی تو وہ اتنا کم ہے کہ صاحبان تَفَحُّص اسے خاطر میں نہیں لاتے پس شیخ مجدد کا یہ سمجھنا کہ وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود میں تبایُن ہے فقط تسامح ہے۔ ابن عربی کا مذہب بھی وہی ہے جو شیخ مجدّد کا ہے۔ وحدتِ وجود اور وحدت شہود میں محض نزاع لفظی ہے۔ [2]

حضرت خواجہ میر ناصر عندلیب قدس سرہٗ خواجہ میر ناصر عندلیب نے اپنی کتاب نالۂ عندلیب (۱۱۵۳ھ) میں فرمایا ہے کہ وحدتِ شہود قرینِ صواب ہے۔ گو کیفیت وحال کے اعتبار سے دونوں کا منشا ایک ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے نزدیک جب وحدت الوجود کا نظریہ ہی غلط ہے تو وہ تطبیق کا تصوّر بھی نہیں مانتے۔

حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ اس تقریر کی توضیح مزید ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ میر درد نے پہلے اپنی کتاب "واردات درد" کی شرح میں لکھی۔ واضح ہو کہ ان دونوں بزرگوں کی تقریر کشف وشہود پر مبنی ہے اور خواجہ میر درد اپنی کتابوں کو لفظ بلفظ الہامی فرماتے ہیں۔ خواجہ میر درد فرماتے ہیں کہ وحدتِ وجود کے صحیح معنیٰ فقط یہ ہیں کہ موجود بالذات صرف وہی ہے۔ اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ واجب

---

[1] فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود ص [2] ایضاً ص ۲۹ [3] یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں نظریات میں تطبیق اس دور کے حالات کے پیش نظر فرمائی ہو تاکہ مسلمانوں میں وحدت فکری کا رجحان بیدار ہو (واللہ اعلم بالصواب)

اور ممکن کی ماہیت ایک ہے اور عبد اور معبود ایک دوسرے کا عین ہیں یا خدا کلّی طبیعی کی طرح اپنے افراد میں موجود ہے کہ یہ سراسر زندقہ ہے اور اس معنیٰ میں وحدتِ وجود کا عقیدہ اکابر صوفیاء کے ٹھیک مفہوم کو نہ سمجھنے پر مبنی ہے۔ مذہب میں توحید وجودی کی بایں معنیٰ کوئی اہمیت نہیں کہ وجود، موجودات میں ساری ہے کیونکہ "کثرت میں وحدت" جو عوام کی زبان پر ہے اور ہر ہندو جوگی اس پر گفتگو کرتا ہے اس کے لیے ایمان کوئی شرط نہیں۔ وہ تو بالکل ایک متبذل مسئلہ ہے۔ ذرا سا سمجھا دینے سے سمجھ میں آجاتا ہے ایسا عقیدہ انبیاء کی بعثت کا مقصود نہیں ہو سکتا۔[1]

دوسرا مسئلہ وحدت شہود ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ذات واجب کے بغیر موجوداتِ ممکنہ کا وجود نہیں ہو سکتا اور جملہ موجودات اسی ایک ذات کے نُور سے موجود ہیں۔ اکثر ناواقف جو شیخِ مجدد کے کلام کی حقیقت کو نہیں سمجھے، اپنے گمان میں انہیں ظلّ کا قائل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ رائے محض وسطِ سلوک میں تھی۔ اکثر صوفیائے خام و ناتمام جو اپنے زعم میں اپنے آپ کو عارفِ کامل سمجھتے ہیں شیخ مجدد کی تصانیف کو دیکھ کر جن میں اثنینیت اور "ہمہ از وست" کا بیان ہے خیال کرتے ہیں کہ وہ حقیقت سے ناواقف تھے اور کیونکہ مسئلۂ توحید بہت مشکل ہے اور وہ ان پر پوری طرح منکشف نہیں ہوا تھا مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ کے مطابق "ہمہ از وست" کی تصدیق وحی سے ہوتی ہے۔ اس لیے "ہمہ اوست" غلط ہے اور "ہمہ از وست" صحیح ہے۔[2]

اگرچہ کیفیت اور حال کے اعتبار سے دونوں کا مقصود ایک ہی ہے یعنی قلب کا ماسوا کی گرفتاری سے آزاد کرنا۔ پس اگر کوئی ان دونوں کیفیات میں سے کسی ایک سے یا دونوں سے مشرف ہو جائے تو ایک ہی بات ہے۔ وحدت وجود

---

[1] علم الکتاب ص۴۶۵ [2] ایضاً ص۱۸۴ تا ۱۸۷

اور وحدتِ شہود دونوں مسائل بعد میں پیدا ہوئے ہیں۔ بعض صوفیوں نے وحدت وجود کو قرآن و احادیث کی تاویلات سے ثابت کیا جب کہ نظریہ وحدت شہود صریح آیاتِ قرآنیہ و صحیح احادیث سے ثابت ہے اکثر صوفیائے وجودیہ اپنے عقل و وجدان کے تابع ہیں اور بمرتبۂ اولیٰ اپنی تحقیق پر اعتماد رکھتے ہیں اور فقط بمرتبۂ ثانی نقل کے ضمن میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی کمزور سی تبعیّت کرتے ہیں اور آیات واحادیث کو اپنے مذاق کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ گویا حقیقت میں شریعت سے انہیں کوئی سروکار نہیں بلکہ جو کچھ اپنی عقل و وجدان سے معلوم ہوا وہ ان کے نزدیک ثابت ہے۔ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا یہ اتبّاع بذاتِ خود ان کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے خیال میں گمان رکھتے ہیں کہ ہم نفسِ واقعہ کا ادراک کر رہے ہیں اور ہمارا مقصود اس امر کی تحقیق کرنا ہے کہ فی الواقعہ ممکن عینِ واجب ہے یا اس کا غیر اور مخلوق عینِ خالق ہے یا اس کا غیر اور اس امر کے سمجھنے میں ان کی اپنی عقل ان کا مقتداء ہے اور وہ دلائل عقلی سے اپنی راہ چلتے ہیں اور ایمان کو بہ تکلّف اپنے ساتھ گھسیٹے چلے جاتے ہیں۔

لیکن صوفیائے شہودیہ بیشتر بمرتبۂ اولیٰ تابع شرع ہوتے ہیں اور اصل میں شریعت کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ فقط بمرتبۂ ثانی شرع کے ضمن میں جس قدر اپنی عقل کو دخل دے سکتے ہیں دیتے ہیں۔ گویا درحقیقت انہیں عقل سے کوئی سروکار نہیں بلکہ جو کچھ خدا اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرما دیا ہے وہی ان کے نزدیک متحقق ہے۔ وہ دِل میں بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ جس چیز کی خبر خدا اور رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم نے دی ہے امر واقعہ وہی ہے اور ہمارا کام یہ نہیں کہ تحقیق کریں کہ واجب اور ممکن ایک دوسرے کے عین ہیں یا غیر۔ یہ لوگ نُورِ ایمان میں اپنا راستہ طے کرتے ہیں اور عقل کو بتکلف اپنے ساتھ گھسیٹے لیے چلے جاتے ہیں۔

پس ہمیں توحیدِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ خدا قدیم اور موجود بالذّات ہے۔ وہ موجودات سے خارج میں ہے اور وجودِ کلّی

طبیعی کی طرح ان کے ضمن میں موجود نہیں۔ حق یہ ہے کہ وجودِ باری بنفسِ خود قائم ہے مع اپنی صفات کے جو اس کے کمالات ہیں اور موجوداتِ ممکنہ کے پیدا ہونے سے اس کی ذات میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا نہ ان کے نابود ہونے سے کوئی کمی واقع ہوتی ہے کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَہٗ شَیْئٌ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ [1]

حضرت علامہ محمد یوسف بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۶۲ھ میں علامہ میر محمد یوسف بلگرامی نے "اَلْفَرْعُ النِّھَایَتِ مِنْ اَصْلِ الثَّابِتِ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں مسئلہ وحدت وجود اور وحدت شہود پر گفتگو کی ہے۔ علامہ موصوف اپنی تقریر کی بناء قرآن اور حدیث پر رکھتے ہیں اور وحدت وجود کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کا شہود جس کے صوفیاء وجودیہ مدعی ہیں اسلام کی رُو سے اس زندگی میں محال ہے یہ رسالہ دونوں مسلکوں کے قرآن و حدیث سے ماخوذ ہونے پر ایک سیر حاصل بحث اور تبصرہ ہے۔ بہرکیف اگرچہ رسالہ نہایت عالمانہ ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی اس رسالہ کا ایک ہی نسخہ موجود ہے جو مصنف کے اپنے قلم کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری کے "سبحان اللہ" سیکشن میں محفوظ ہے [2]

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی قدس سرہٗ حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریۂ تطبیق کے مخالفین میں حضرت مرزا مظہر کا نام سرفہرست ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری آپ کے مرید خاص تھے اور آپ ہی کے نام سے اپنی تفسیر بھی منسوب کی ہے۔ مرزا مظہر تین واسطوں سے حضرت امام ربانی مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالمِ ربانی اور صوفی شمار ہوتے تھے آپ اپنے دور

---

[1] علم الکتاب ص۱۸۶ [2] ایضاً ص۴۰۹ تا ۴۱۰

ہیں سلوکِ مجدّدیہ کے سب سے بڑے داعی تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ انہیں قیمِ طریقۂ احمدیہ لکھا کرتے تھے۔

حضرت علاّمہ غلام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ مولانا غلام یحییٰ (متوفی ۱۱۹۵ھ) علومِ عقلیہ و دینیہ کے فاضل تھے۔ پہلے لکھنؤ میں درس دیا کرتے تھے۔ فلسفی اور محقق تھے۔ فلسفہ کی کتابوں کی بہت سی شرحیں اور حاشیے مرتّب فرمائے آخر کار فلسفہ سے دست بردار ہو کر راہِ سلوک اختیار کی اور مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور آپ ہی کے ایماء پر علامہ غلام یحییٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریۂ تطبیق کی تردید پر قلم اٹھایا اور ۱۱۸۴ھ میں رسالہ "کلمۃُ الحق" لکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ وحدت وجود اور وحدت شہود حقیقتِ اشیاء اور حادث و قدیم کے مابین ربط کو ظاہر کرتے ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے سراسر غلط ہے۔ ان دونوں مسئلوں کے درمیان تو کوئی تطابق کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ وحدت وجود کی بنا، عالم اور موجدِ عالم کے مابین عینیّت پر ہے اور وحدت شہود کی رو سے واجب اور ممکن کے درمیان غیریتِ تامہ ہے۔

اَوّلاً یہ کہ حقائق اشیاء وجودیوں کے نزدیک اعیانِ ثابتہ یعنی اسماء و صفات کے تعینّات ہیں اور وحدتِ شہود کی رُو سے جو شیخ مجدّد کا مذہب ہے حقائقِ ممکنات عکوس ہیں اسماء و صفات کے جو ان کے اَعْدامِ متقابلہ میں مُنْتَبِعْ ہو گئے ہیں۔ ان دونوں مذہبوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلے کے اعتبار سے ممکنات اسماء و صفات کے عین ہیں۔ دوسرے کے اعتبار سے وہ اسماء و صفات کے غیر ہیں کیونکہ وہ ظلّ ہیں اسماء و صفات کے اور ظلّ اصل کا عین نہیں ہوتا۔

ثانیاً یہ کہ شاہ ولی اللہ کا کہنا کہ اس باب میں شیخ مجدّد کو تسامح ہوا یہ بھی سراسر غلط ہے کیونکہ شیخ مجدد کو واجب اور ممکن کی غیریّت پر اصرارِ بلیغ ہے اِن کی عینیّت

کو وہ الحاد و زندقہ سمجھتے ہیں اور اس اصرار سے ان کے مکتوبات بھرے پڑے ہیں۔

ثالثاً یہ کہ وحدت وجود کی رو سے خدا کی ذات میں تغیّر واقع ہوتا ہے اور وہی ذات بصورتِ تعینات عالَم بن جاتی ہے اور وحدتِ شہود کی رو سے عالم کی تخلیق سے خدا کی ذات میں کوئی تغیّر واقع نہیں ہوتا اور وہ بحالِ خود موجود رہتا ہے ان دونوں مذہبوں میں اتنا بڑا فرق ہے کہ نہ تو ایک کو دوسرے پر محمول کیا جاسکتا ہے اور نہ ان دونوں میں کوئی مطابقت ممکن ہے۔ علاوہ ازیں مولانا غلام یحیٰی کی تقریر سے متبادر ہوتا ہے کہ انہیں شاہ ولی اللہ پر یہ اعتراض بھی ہے کہ چونکہ وہ وحدت شہود کے متعلق بر بنائے کشف تقریر نہیں کر رہے لہٰذا انہیں حق نہیں کہ وہ وحدت شہود سے انکار کریں یا اس کی نسبت کہیں کہ وہ درحقیقت وحدتِ وجود ہی ہے۔ اس کی تائید ان کے مرشد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے "کلمۃ الحق" کی تقریظ کے طور پر لکھا ہے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ تیرھویں صدی کے مجدّد حضرت شاہ غلام علی دہلوی جو حضرت مرزا مظہر کے جانشین تھے آپ نے فرمایا وحدت وجود اور وحدت شہود کشف کے دو جُدا جُدا مقام ہیں۔ جو اہل سلوک ان مقامات سے گزرے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کی تطبیق محال ہے۔ یعنی شاہ غلام علی کے نزدیک بھی شاہ ولی اللہ مقام وحدت وجود سے آگے نہیں بڑھے اور مقام وحدت شہود تک نہیں پہنچے۔ اس لیے ان کا نظریۂ تطبیق حقیقت کے خلاف ہے [1]

مختلف آراء حضرت مولانا غلام یحیٰی کے جواب میں شاہ ولی اللہ کے چھوٹے صاحبزادے شاہ رفیع الدین دہلوی نے "دمغ الباطل" اور ان کے

---

[1] مقاماتِ مظہری

پوتے اسماعیل دہلوی نے "عبقات" لکھی لیکن ان دونوں کتابوں کی تقریریں کشف و شہود پر مبنی نہیں بلکہ محض حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریۂ تطبیق کی حمایت پر مشتمل ہیں۔

بعد میں شاہ اسماعیل دہلوی نظریۂ وحدت الوجود کے خلاف ہو گئے تھے اور سیّد احمد بریلوی کے گروہ میں شامل ہو کر نظریۂ وحدتُ الشہود کے قائل ہو گئے تھے سیّد احمد بریلوی تو نظریہ وحدتُ الوجود کو ملحدینِ وجودیہ کی بدعت سے تعبیر کرتے تھے انہوں نے بھی نظریہ وحدتُ الشہود کو کشف و شہود کی بناء پر صحیح قرار دیا ہے۔ [۱]

علاّمہ فضل حق خیر آبادی جو اپنے وقت میں فلسفہ کے امام شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے وحدت الوجود کی تائید میں ایک رسالہ "روض المجوّد" لکھا۔ ان کے علاوہ علاّمہ عبد العلی لکھنوی نے بھی وحدتُ الوجود کی حمایت میں ایک رسالہ "وحدت الوجود" لکھا۔ چونکہ دونوں حضرات کی تقریریں کشف و شہود سے خالی اور خالص فلسفیانہ ہیں اس لیے وہ بھی خارج از بحث ہیں۔ علامہ عبد العلی لکھنوی کے رسالہ "وحدتُ الوجود" کا حاشیہ اور خاتمہ نبیرۂ امام ربّانی حضرت زید ابوالحسن فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اس میں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریۂ تطبیق کو ناقابلِ تسلیم قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

"کجا اثبات یک وجود واجبی لاغیر و کجا اثبات دیگر وجود امکانی، کجا قول ہمہ اوست کہ مقام جمع است و کجا گفتار ہمہ از وست کہ مقام فرق است"۔

حضرت علاّمہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال حضرت امام ربّانی کے نظریہ توحید شہودی سے بے حد متاثر تھے۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنے تصوّرِ خودی کی بنیاد حضرت امام ربّانی کے تصوّرِ وحدت الشہود پر رکھی ہے۔

---

[۱] صراط مستقیم

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال اپنے انگریزی خطبات میں تصوّرِ وحدتُ الشہود کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

"سترھویں صدی کا ایک گراں قدر مفکّر..... شیخ احمد سرہندی، ہم عصر تصوّف پر جن کی بے باکانہ تشریحی تنقید نے ایک تکنیک (نظریۂ وحدتُ الشہود) کو جنم دیا۔ صوفیاء کے مختلف سلاسلِ طریقت جو سنٹرل ایشیا اور عرب سے ہندوستان آئے ان میں صرف موصوف کی وہ تکنیک ہے جس نے ہندوستانی حدود و ثغور کو عبور کیا اور آج بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک زندہ قوت ہے۔"

ڈاکٹر قاسم السامرائی

کتاب "سیرتِ مجدد الفِ ثانی" کے مؤلف پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (کراچی) لکھتے ہیں:

حال ہی میں لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے فاضل ڈاکٹر السامرائی نے ایک تنقیدی مقالہ نظرثانی کے لیے راقم کو ارسال فرمایا ہے۔ ڈاکٹر قاسم نے تصوّرِ وحدت الوجود اور نظریۂ وحدتُ الشہود کو ایک ہی حقیقت کی دو مختلف مصطلحات قرار دینے سے اختلاف کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں نظریات اپنی علیحدہ قدر و قیمت رکھتے ہیں ان دونوں میں صرف لفظی اختلاف نہیں بلکہ معنوی اختلاف بھی ہے

◎ ہمارے ملک کے ممتاز دانشور سکالر پروفیسر برہان احمد فاروقی نے اس موضوع پر ایک رسالہ "حضرت امام ربّانی کا نظریۂ توحید" کے نام سے تالیف کیا ہے جس میں وہ رقمطراز ہیں:

جن حضرات نے شیخ مجدّد کی تنقیص یا تائید کی، انہوں نے وحدتِ شہود کا ایک خاص معنیٰ یہ سمجھا کہ وہ بھی وحدتِ وجود کی طرح ایک نظریہ ہے ذات باری اور عالم کے مابین تعلّق کا، مگر یہ صحیح نہیں۔ شیخ مجدّد کے نزدیک وحدت شہود کا مفہوم فقط یہ ہے کہ وحدتِ وجود کا جو شہود سالک کو اپنے ارتقاء روحانی کے دوران میں ایک خاص مقام پر پہنچ کر حاصل ہوتا ہے اور جسے متصوّفین سمجھتے ہیں کہ وہ نفس الامر

کا مشاہدہ ہے اور اس سے وحدتِ وجود ثابت ہوتی ہے وہ محض ان کا شہود ہے یعنی ان کی ایک کیفیتِ نفسی ہے اور حقیقت اس کے خلاف ہے بعبارتِ اُخرٰی وجود ایک نہیں بلکہ سالک کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وجود ایک ہی ہے۔ یعنی جب سالک بالاِرادہ اپنی نظر کو غیرِ خدا سے پھیر کر خدا پر قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ایک منزل پر پہنچ کر اسے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ سوائے خدا کے اور کچھ نہیں سب کچھ وہی ہے۔

جو نظریۂ وجود شیخ مجدّد نے پیش کیا ہے اسے وحدتِ شہود کہنا غلطی ہے۔ اس کا کوئی نام نہیں رکھا گیا لیکن اگر کوئی نام رکھا جائے تو تشبیہ وجود یا وحدتِ وجوب کہنا مناسب ہوگا۔

دوسری بات قابلِ لحاظ یہ ہے کہ وحدتِ وجود سے شیخ مجدّد کا انکار بربنائے عقل و استدلال نہیں بلکہ بربنائے کشف و شہود ہے وہ کہتے ہیں کہ وحدتِ وجود کا شہود ایک مقام ہے جس پر سالک پہنچتا ہے لیکن اگر وہ اس مقام سے ترقی کر جائے اور اعلیٰ تر مقامات پہ پہنچ جائے تو اس پر منکشف ہوجاتا ہے کہ وحدتِ وجود کا شہود محض ایک شہود تھا اور وحدتِ وجود حقیقت نہیں ہے۔ پس شیخ مجدّد کے دعوے کا جواب بربنائے کشف و شہود ہونا چاہیئے تھا یعنی شاہ ولی اللہ اور ان کے متبعین کو یہ بتانا چاہیئے تھا کہ شیخ مجدّد کا یہ بیان غلط ہے کہ وحدت وجود کے شہود سے بالاتر بھی کچھ مقامات ہیں یا یہ کہنا چاہیئے تھا کہ ان اعلیٰ تر مقامات سے (جن پہ شیخ مجدّد فائز ہوئے) بالاتر اور مقامات ہیں جہاں پہنچ کر وحدت وجود کا اذعان پھر مکمل ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ مقام تعجب ہے کہ ان حضرات نے اپنی تقریر کا منبع کشف و شہود کو نہیں بنایا بلکہ عقل و استدلال پہ اس کی بناء رکھی۔ لہٰذا شیخ مجدّد کے مذہب کی تردید اور توحید وجودی سے اس کی تطبیق ایک بے نتیجہ چیز رہ جاتی ہے، نیز یہ کہ شاہ ولی اللہ اور دیگر حضرات نے جو دلائل وحدت وجود کی موافقت

میں بیان کئے ہیں خود ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس قسم کی کوئی دلیل قابل قبول نہیں اور یہ کہ وہ تمام دلائل اس لیے ناقص ہیں کہ ان میں وحدتِ نظری اور وحدتِ مذہبی کو مخلوط کر دیا گیا ہے۔ یہ امر گو شعورِ متصوّفانہ کی خصوصیت ہے جیسا کہ مقدّمہ میں بیان ہوا لیکن شعورِ مذہبی کے بالکل خلاف ہے۔

سب سے پہلی بات قابلِ غور یہ ہے کہ وہ جملہ دلائل مَا بَعْدُ الطبیعات وجودی کے لیے ہیں اور ان کا منشاء یہ ثابت کرنا ہے کہ حقیقت ایک وجود ہے واحد، منفرد اور عین ذاتی۔ لیکن آج کانٹ کے اصول کے مطابق ہم بالیقین جانتے ہیں کہ عالم کی وحدت ایک وضعی تصوّر ہے اور کوئی حقیقت ثابتہ نہیں۔ نیز یہ کہ حقیقت کا حیثیت عین ذاتی کے ہر بیان عقلِ انسانی کی دسترس سے باہر ہے ان دلائل پر بہ تفصیل غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس دعوٰے سے ابتدا کرتے ہیں کہ وحدت وجود ذوقِ صحیح کے نزدیک مسلم ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ انسان کے شعورِ عامہ یعنی غیر سوفسطائی شعور کا یقین تو وحدتیت کے بجائے کثرتیت پر ہے۔ حتیٰ کہ اثنیّت پر پہنچنے کے لیے بھی اسے عقلِ بسیط کی سخت جدوجہد درکار ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے وحدتیّت مطالبہ ہے شعور نظری کا اور شعور نظری کی رسائی بھی وحدتیت تک اتنی آسان نہیں جتنی آسان وہ معلوم ہوتی ہے۔ اور جب شعور نظری وحدتیت پر فائز ہو جاتا ہے تو بھی وہ بسائط کے اخذ کرنے کے لیے شدید جدوجہد کرتا ہے اور اس پر مجبور ہوتا ہے کہ اسے اِذْعَانًا مانے عقلاً یا استدلالاً نہیں خود شاہ ولی اللہ کے باب میں بھی یہ غور طلب ہے کہ وجودِ واحد کیا ہے۔

اَوَّلاً تو وہ احدیت معقولہ ہے یعنی وہ شئے جو مشترک ہے، محسوس اور معقول میں، کلّی اور جزئی میں۔ اب یہ تصوّر کرنے کے لیے کہ دو ایسے متغائر اور متبائن حقائق کے مابین کوئی چیز مشترک بھی ہو سکتی ہے عقلِ بسیط کی سخت جدوجہد درکار ہے حقیقت

یہ ہے کہ وجود اور موجود خارجی کے مابین کسی عنصرِ مشترک کا پالینا ایک ناممکن سی بات ہے
ثانیًا یہ کہ شاہ ولی اللہ وجود کو ذاتِ بحت کہتے ہیں۔ ذاتِ بحت سے مُراد ہے ایسی ذات جو ہر قسم کے تعیّنات سے معرّا ہو۔ پھر ایسے وجود کا نہ تو ادراک ممکن ہے نہ وہ خیال میں لایا جاسکتا ہے۔ "صحت اور واقعیّت" کے درمیان کسی مشترک عنصر کا پالینا قریب ناممکنات سے ہے۔ اس کا تصوّر کرنے کے لیے بھی فکرِ تجرّد کی انتہائی شدید جدّوجہد درکار ہے۔ پھر احدیّتِ معقولہ اور ذاتِ بحت دونوں کا ادراک عقل کرتی ہے یعنی وہ تصوّرات میں تصوّراتِ کلّیہ۔ یہ کیسے ممکن ہوگا کہ اس وجود کو وحدتِ ذاتی یا وحدت عددی سے متصف کیا جائے۔ دراصل یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا اس وجود کو وحدت ذاتی سے متصف کیا بھی جاسکتا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ جب تک وہ تصوّرات کلّیہ ہیں جواب نفی میں ہوگا۔ اس وجود کو وحدت ذاتی سے متصف کرنا جب ہی ممکن ہے کہ جب اس تصوّر کلی کو اس ناقابلِ عبور خلاء کے اُوپر سے جو کلی اور جزئی کے مابین ہے جست کراکے ایک جزئی میں تبدیل کر دیا جائے۔ لیکن کیا کلی کا جزئی ہوجانا ممکن ہے؟ کیا ہم اتنا بھی کہنے کے حقدار ہیں کہ تصوّر کلی کی مثال صرف ایک ہی موجود واحد و منفرد ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ہم یہ حق نہیں رکھتے کیونکہ غور سے دیکھا جائے تو ایسا کوئی ایک وجود موجود نہیں جو اس درجہ کلی کے مصداق ہو۔ گو سرسری نظر سے دیکھا جائے تو ہر وجود واقعی بالکل اس کا مصداق ہے دراصل ہوا یہ کہ وحدت نظری تو محض وحدت نوعی تھی یہ ہرگز وحدت عددی ہونے کی متقاضی نہ تھی۔ لیکن شعورِ مذہبی کے زیر اثر یہ وحدت عددی بن گئی یعنی ایک موجود واحد اور منفرد۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ احدیّتِ معقولہ، ذاتِ بحت، وجودِ منبسط جو کسی نہ کسی طرح ایک منفرد موجود حقیقی ہے یہ کیونکر مُستجمع صفاتِ کمال بن گیا۔ کیونکہ فی نفسہٖ تو وہ موجودِ محض سے زیادہ کچھ بھی نہیں یعنی ہم یہ کیونکر ثابت کرسکتے ہیں کہ وہ تمام کمالات کا حامل ہے؟ یہ تو بلاشک وشبہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں کمالات بالفعل تو موجود

نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں کمالات بِالقوّہ یا بِالاستعداد موجود ہیں اور یہ بھی وجوبِ عقلی کے طور پر نہیں بلکہ محض واقعات محسوسہ کی توجیہ کے طور پر۔ اور یہ کہ وہ بعد میں بالفعل موجود ہو جاتے ہیں۔ مگر جو کچھ بالفعل وجود میں آجاتا ہے وہ کمالات نہیں بلکہ نقائص ہیں۔ پس ہم انہیں نقائص کی استعداد سے متصف کر سکتے ہیں نہ کہ کمالات کی استعداد سے۔ ہوتا یہ ہے کہ مفکر نادانستہ طور پر مقتضیاتِ شعور مذہبی سے متاثر ہو کر بغیر تنقید کے ہر خیر و کمال سے اس غیر متشخّص وجود کو متصف کر دیتا ہے اور اس طرح وہ وجود مستجمع صفاتِ کمال یعنی مذہب کے متشخّص و ممتاز وجود الوہیت میں منقلب ہو جاتا ہے۔

اگر تنزّلات پر غور کیا جائے جن کے ذریعہ سے یہ وجود کامل عالم بنتا ہے تو کوئی وجہ ہی پیش نہیں کی جا سکتی کہ اس وجود میں وہ تنزّلات کیوں واقع ہوتے ہیں۔ اگر اس وجود پر بصحت تمام یعنی بحیثیت تصوّرِ کلی کے غور کیا جائے جیسا کہ وہ ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ حرکت و تغیّر سے قطعاً معرّا ہے۔ لیکن اگر اس پر ایک واقعہ نفسُ الامری کی حیثیت سے غور کیا جائے جو محسوس اور معقول میں عنصر مشترک ہے یعنی بحیثیت موجود فی الخارج یا موجود فِی الذہن ہونے کے تو بھی اس کے واسطے ایسے اصولِ حرکت کا متعیّن کرنا مشکل ہو گا جو اس وجود کی ہر صورت میں مشترک ہو اور اس سے اس وجود کو متصف کیا جا سکے مگر واقعہ یہ ہے کہ شعورِ نظری کا مقتضیٰ ہے کہ عالم کی توجیہ اس حیثیت سے کی جائے کہ وہ وحدتِ مفروضہ کا مظہر ہے اور لہٰذا ایک اصول حرکت کو اس سے وابستہ کر دیا جائے۔ یہ مقتضیٰ پورا کر دیا جاتا ہے۔ اس کی ایک غایت تجویز کی جاتی ہے اور اس امر کا اثبات کیا جاتا ہے کہ وہ وجود اپنے تئیں جاننا چاہتا ہے۔ اس غایت کا مبنیٰ بھی حقیقت میں مذہب ہے مزید برآں اس حرکت کی خصوصیت یہ ہے کہ پہلے وہ علمی ہے پھر عینی یا خارجی۔ یہ کسی طرح شعورِ نظری کا مطالبہ نہیں کہ اگر اس کے علمی اور خارجی ہونے کی کوئی غرض ہو تو

وہ مذہبی ہو۔ دراصل مذہبی غرض ہی برسرِ عمل ہے جس نے منشاءِ نظری کو بدل دیا ہے کیونکہ وحدت اَب خُدا بن کر متصوّر ہو رہی ہے۔ لہٰذا پہلے تو اس میں شعورِ خودی ہونا چاہیئے اور پھر اسے اپنی ذات سے وجودِ خارجی کو پیدا کرنا چاہیئے۔ بہرکیف شعورِ نظری پھر بہ شدّتِ تمام برسرِ عمل آتا ہے اور وجودِ خارجی وجودِ الوہیّت کے مظہر کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ بذاتِ خود اپنی تجلیات میں سے ایک تجلّی کی صورت میں وہی وجود ہے جو تجلّی کا عین ہے۔

اب شعورِ مذہبی اور شعورِ نظری کے مابین جو تضاد ہے وہ بالکل عیاں ہو جاتا ہے شعورِ نظری واحدی ہے اور وجودِ اولیٰ اس کے نزدیک کائنات میں ساری ہے اور اس کا اصول ارتقاء جبراً ہے۔ اگر ایسا ہے تو ظاہر ہے کہ ہم سخت ترین وجوب کے تحت کام کر رہے ہیں۔ تصوّف کو اس سے انکار نہیں۔ پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان میں احتیاج اور اذیّت جو شعورِ مذہبی کا مبنیٰ ہے کہاں سے آئی اور فرض اور ذمہ داری کا سرچشمہ کیا ہے؟ اور اختیار جس کے بغیر کوئی بلند مذہب ایک لمحہ کے لیے باقی نہیں رہ سکتا کہاں سے آیا نیز یہ نظریہ نفسِ انسانی میں ایسا میلان پیدا کرتا ہے جو شعورِ نظری کی خصوصیّت ہے یعنی فکر اور مراقبہ کا میلان۔ ایک متصوّف کا مقصود ہے عرفان وہ اپنی زندگی مراقبہ اور مکاشفہ میں بسر کرتا ہے۔ اس کا منتہائے مقصود "وصل" ہے یعنی فنا، یا وجودِ اولیٰ میں گُم ہو جانا۔ ظاہر ہے کہ یہاں بقاء بعد الموت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، گو وہ شعورِ مذہبی کے تحت میں اکثر اس کا ذِکر کرتا رہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ جستہ جستہ وحدت مذہبی کے شعورِ متصوّفانہ میں بعض اہم عناصر داخل ہو جاتے ہیں لیکن غلبہ شعورِ نظری کا رہتا ہے۔

یہاں یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ تصوّف اپنے تمام پہلوؤں کے لحاظ سے نوَ افلاطونیت سے بہت زیادہ مماثل ہے اور تاریخی حیثیت سے بھی اس سے بہت مستفید ہوا ہے۔ اس کا نظریہ وحدت وجود اور تنزلات یعنی اس کے تعیّنات زندگی

اور اجتماعیّت کی طرف اس کا رویّہ رہبانیّت اور اِنْزِوَاء اور انسان کی غایت قصوٰی کو حاصل عرفان یا ذات اولیٰ میں مدغم یا فنا ہو جانا۔ یہ سب کی سب باتیں ہر اعتبار سے وہی ہیں جو نو فلاطونیّت نے کیں نیز یہ کہ تصوف شعور مذہبی کو شعور نظری میں تبدیل کرنے کی اس سعی پر مبنی ہے جس پر نو فلاطونیّت مبنی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی خالی از معنی نہیں کہ نو فلاطونیّت کا مقصود مذہب بننے سے یہ تھا کہ اس طرح وثنیّت یعنی صنم پرستی کو عیسویّت کی زد سے بچائے۔ اسی طرح تصوّف بھی ایک مذہب بن کر اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا شاہ ولی اللہؒ اس بات میں حق بجانب ہیں کہ شیخ مجدّد کا مسلک حقیقتاً وہی ہے جو ابن عربی کا ہے یعنی وحدت وجود اور وحدت شہود میں فرق صرف استعارہ اور تشبیہ کا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دو مختلف مسلک معلوم ہوتے ہیں اور شیخ مجدّد کو یہ مغالطہ لگا کہ وہ اپنے مسلک کو وحدت وجود کا مظہر سمجھتے ہیں۔ ان پر شیخ مجدّد کا یہ حق ضرور تھا کہ وہ بہ تفصیل وضاحت فرماتے کہ یہ فرق صرف ظاہر ہے اور فی الواقعہ استعارہ بیان پر مبنی ہے۔ مگر شاہ ولی اللہ یہ نہیں کرتے اور اختلاف استعارہ و تشبیہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ شیخ مجدّد اور ابن عربی کے درمیان صرف تشبیہ اور استعارہ کا اختلاف نہیں بلکہ معنیٰ اور حقیقت کا فرق ہے۔ یہ فرق اتنا ہی واقعی اور حقیقی ہے جتنا وحدت نظری اور وحدت مذہبی کا فرق۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کا یہ دعویٰ اس پر مبنی ہے کہ اس سلسلہ بحث میں لفظ "ظلّ" استعمال ہوا ہے۔ "ظلّ" یقیناً ایک استعارہ ہے اسی طرح "عکس، تجلّی اور تلبُّس" استعارات ہیں جو وہ خود اور ابن عربی استعمال کرتے ہیں۔ "ظلّ" بہرکیف "تجلّی یا عکس" سے بہتر استعارہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا مفہوم اصل یا شئے کے مفہوم سے جُدا ہے۔ نیز یہ کہ وہ اصل یا شئے پر مبنی ہے اور اس میں یہ بھی مضمر ہے کہ ظلّ کا وجود بمقابلہ اصل کے ہیچ ہے۔ بخلاف اس کے

تجلّی کا لفظ اس سے بالکل متضاد معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ظلّ اور تجلّی کے متضمّنات میں یہ اختلاف بلاشبہ نہایت ہی اہم ہے اور اگر اس تحقیق میں احتیاط سے کام لیا جاتا تو بالکل واضح ہو جاتا کہ شیخ مجدّد کا مقصود لفظ "ظل" سے صرف یہی ظاہر کرنا نہ تھا کہ وہ اصل یا شئے سے جُدا ہے بلکہ یہ بھی کہ ظلّ محض معلول ہے اصل کا، یعنی یہ کہ فی الحقیقت وہ ایک فعل تخلیقی ہے اللہ کا۔

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مجدّد نے جن معنی میں لفظ ظل استعمال کیا ہے اسکی توضیح کی جائے کیونکہ اس اصطلاح کے غلط تصوّر سے ایک غلط احتمال پیدا ہو گیا ہے۔

بادیٔ النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مجدّد ظلّ کو کم و بیش "عکس یا پرتو" کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں جس سے یہ پہلو نکلتا ہے کہ گویا ظلّ کسی نہ کسی طرح اصل کا جزُ ہے۔ ظلیّت کے مقام پر وہ ظلّ کو اس معنی میں استعمال کرنے کی طرف مائل تھے۔ اگرچہ وہاں بھی ان کے نزدیک ظلّ بمقابلہ عکس یا پرتو کے ایک ادنیٰ تر وجود کو ظاہر کرتا ہے[1]۔

بعد ازاں وہ لفظ ظلّ کو کثرت کے ساتھ اصل سے غیریت ظاہر کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں[2]۔ اور ان کا مقصود اس لفظ کے استعمال سے یہ ہے کہ اصل کے مقابلہ میں کثرت کی بے بضاعتی کا اظہار کیا جائے نیز یہ کہ کثرت کا وجود اصل کے بغیر نہیں ہو سکتا[3]۔

متن

عجب است کہ شیخ محیُ الدّین و تابعانِ او ذاتِ واجب تعالیٰ را مجہولِ مُطلَق میگویند و محکوم علیہ بہ ہیچ حکمے نمے دانند مع ذالک

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۱ [2] دفتر اول مکتوب ۱۶۰ [3] دفتر دوم مکتوب ۱۱

احاطہ ذاتی و قرب و معیّتِ ذاتیہ اثبات می نمایند وَمَا هُوَ اِلَّا حُکْمٌ عَلَى الذَّاتِ تَعَالٰی وَتَقَدَّسَ فَالصَّوَابُ مَا قَالَهُ الْعُلَمَآءُ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ مِنَ الْقُرْبِ الْعِلْمِيِّ وَالْاِحَاطَةِ الْعِلْمِيَّةِ

ترجمہ: تعجّب ہے کہ حضرت شیخ محی الدّین اور ان کے پیروکار حضرات، ذاتِ واجب تعالیٰ کو مجہولِ مطلق کہتے ہیں اور اس کو کسی بھی حکم کے ساتھ محکوم علیہ نہیں جانتے اور اس کے باوجود اس کے لیے احاطہ اور قرب و معیّتِ ذاتیہ ثابت کرتے ہیں حالانکہ یہ حق تعالیٰ کی ذات پر حکم لگانا ہی تو ہے۔ پس درست وہی ہے جو اہلِ سُنّت کے علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قُرب و احاطہ علمی ہے نہ کہ ذاتی۔

شرح

سُطور بالا میں حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدّس سرّہٗ کے کلام میں تناقض و تضاد کی نشاندھی فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ایک طرف تو فرماتے ہیں کہ ذات حق تعالیٰ مجہولِ مطلق ہے اور غیر محکوم علیہ ہے یعنی ہمارے اِدراکات و محسوسات سے برتر و بالا ہے اور اس پر کسی قسم کا کوئی حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا لیکن اس کے باوجود خود ہی اللہ تعالیٰ کے احاطہ اور قُرب و معیّت کو ذاتی بھی ثابت کرتے ہیں (جیسا کہ فصوص الحکم وغیرہ میں موجود ہے) یہ اس کی ذات پر حکم لگانا نہیں تو اور کیا ہے؟ لہٰذا آپ اس امر

پر اظہارِ تعجّب فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کے یہ دو قول متناقض ہیں جب کہ حق وہی ہے جو اہلِ سُنّت و جماعت کے علماءِ متکلّمین کا مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عالمین کے ساتھ احاطہ اور قرب و معیّت ذاتی نہیں بلکہ علمی ہے جیسا کہ آیت قرآنی بھی اس مسلک کی مؤیّد ہے اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ[1] واضح رہے کہ ابن عربی کے کلام میں مزید کئی تناقض و تضاد موجود ہیں لیکن ہم اُن کی جلالتِ شان کے پیش نظر توجیہ و تاویل سے کام لیں گے۔

تناقضات کی توجیہات

یہ امر ملحوظ رہے کہ حضرت ابن عربی قدس سرّہٗ کے کلام میں تناقضات اور اقوال میں کشفی اور نظری تسامحات کے باوجود حق تعالیٰ کے مقرّبین میں سے ہیں۔ طریقت میں ان کی اجتہادی غلطیاں، فقہاء کی اجتہادی غلطیوں کی طرح ہیں۔ لہٰذا ان کو مُصیب ہی سمجھا جائے گا اور ان کے کلام کی توجیہات کی جائیں گی۔

اوّلاً ان کے متناقض اقوال کو تعدّدِ اوقات و احوال پر محمول کیا جائے۔
ثانیاً ان کے سُکریہ علوم و معارف غلبۂ احوال اور سکر وقت کا نتیجہ ہیں۔
ثالثاً ان پر ردّ و طعن کی بجائے ان کے کلام کی تاویل کرنی چاہیئے۔
رابعاً شائد ان کی تصانیف میں بعض الحاقی عبارتیں بھی شامل کر دی گئی ہیں۔

جیسا کہ حضرت امام ربّانی عبدالوہاب شعرانی قدّس سرّہٗ فرماتے ہیں:

وَجَمِیْعُ مَا عَارَضَ مِنْ کَلَامِہٖ ظَاهِرَ الشَّرِیْعَةِ وَمَا عَلَیْهِ الْجُمْهُوْرُ فَهُوَ مَدْسُوْسٌ عَلَیْهِ[2]

(یعنی) ان کا کلام جس قدر ظاہرِ شریعت اور طریقِ جمہور کے خلاف ہے وہ ان کے کلام میں خارج سے داخل کیا گیا ہے۔

---

[1] العنکبوت ۶ [2] الیواقیت والجواہر فصل اوّل ص۲۳ مطبوعہ بیروت

بلینہ نمبرا حضرت ابنِ عربی قدّس سرّہٗ کے نظریۂ وحدت الوجود کے برعکس حضرت امام ربّانی قُدِّسَ سرّہٗ نے جو نظریۂ توحید پیش کیا ہے وہ کتاب وسنّت کی روشنی میں علمائے اہلِ سُنّت کے عقائد کے عین مطابق ہے۔ دونوں نظریات میں تطبیق دینا یا نزاعِ لفظی قرار دینا بعید از حقیقت ہے یہ اختلافات حقیقت پر مبنی ہیں۔

بلینہ نمبر۲ عصرِ حاضر کے بعض حضرات نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت امام ربّانی اور حضرت ابن عربی کے نظریات میں کوئی فرق واختلاف نہیں۔ دونوں وحدت الوجود کے قائل ہیں حَاشَا وَکَلاَّ ان کی یہ کوشش عبث اور حد سے تجاوز کے مترادف ہے اگر مان بھی لیا جائے کہ ابنِ عربی کے کلام میں الحاقی عبارتیں شامل ہیں تو پھر بھی ان کی نشاندہی کرنا ایک ایسا مشکل امر ہے جس پر نہ کوئی تفصیلی حوالہ ملتا ہے اور نہ ہی کوئی دلیل موجود ہے۔ بصورت دیگر اگر متنازعہ عبارتیں الحاقی ہیں تو پھر ان کی تاویلات کرنے کا جواز باقی نہیں رہتا اور تردید کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ)

متن بعضے را کثرتِ مراقباتِ توحید بریں اَحکام می آرد کہ صورتِ آن مراقبات در متخیّلہ نقش می بندد و بعضے دیگر را علم توحید و تکرارِ آن نحوے از ذوق بآن احکام می بخشد و ایں ہر دو صورتِ توحید مَعلول اند و داخلِ دائرۂ علم بحال کارے ندارند و بعضے دیگر را منشاء ایں احکام غلبۂ محبّت است کہ بواسطۂ استیلاءِ حُبِّ محبوب

غیرِ محبوب از نظرِ مُحب می خیزد و جز محبوب ہیچ نمی بیند نہ آنکہ در نفس الامر غیرِ محبوب ہیچ نیست کہ آن مخالفِ حِسّ و عقل و شرع است

ترجمہ: بعض حضرات کو مراقباتِ توحید کی کثرت ان احکام (اتحاد وعینیت وغیرھما) پر آمادہ کردیتی ہے کیونکہ ان مراقبوں کی صورت قوتِ متخیّلہ میں نقش ہوجاتی ہے اور بعض دوسرے لوگوں کو توحید کا علم اور اس کا تکرار ان احکام کے ساتھ ایک قسم کا ذوق بخش دیتا ہے اور یہ دونوں صورتیں کمزور اور فقط دائرۂ علم میں داخل ہیں حال کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اور بعض دوسرے افراد کے لیے ان احکام کے پیدا ہونے کا سبب غلبۂ محبّت ہے کیونکہ غلبۂ محبّت کی بنا پر محبّ کی نظر سے محبوب کے علاوہ سب کچھ اوجھل ہوجاتا ہے اور محبوب کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حقیقت میں محبوب کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیونکہ یہ چیز حسّ، عقل اور شرع (تینوں) کے خلاف ہے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قدس سرہٗ النورانی فرماتے ہیں کہ توحید وجودی کے قائلین ذات اور کائنات کے درمیان اتحاد و عینیت، احاطہ و معیتِ ذاتیہ کی نسبتیں ثابت کرتے ہیں یہ سب وہم وخیال کی پیداوار ہیں۔ حق یہ ہے کہ ذات اور کائنات کے درمیان خالقیت اور مخلوقیت، دالّیت و مدلولیت اور ظاہریت و مظہریت کے تعلّق کے سوا اور کوئی تعلّق یا نسبت ثابت نہیں ہے۔ یعنی مخلوق اپنے خالق کے وجود پر علامت ہے۔ کائنات ذات کے وجود پر دلالت ہے اور خلق حق تعالیٰ

کے اسمائی و صفاتی کمالات کا مظہر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حق اور خلق کے درمیان یہی نسبتیں بعض عوارض کی بنار پر بعض لوگوں کے لیے احکامِ وہمیہ کے حصول کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ ان عوارض و اسباب کی تشریح فرماتے ہیں۔

وہ عوارض جو توحیدِ وجودی کے قول کا سبب ہیں

حضرت امامِ ربّانی قدّس سرہٗ فرماتے ہیں کہ توحید وجودی کا قول کرنے والے سالکین کو تین قسم کے عوارض پیش آتے ہیں۔

عارضِ اوّل بعض سالک توحید کے مراقبوں کی اتنی کثرت کرتے ہیں کہ ان مراقبوں کی صورت ان کی قوتِ خیالیہ پر نقش کالحجر ہو جاتی ہے یعنی کلمۂ نفی اثبات کا تکرار کرتے وقت ذہن میں اس کا معنیٰ ملحوظ رکھتے ہیں اور یہی معنیٰ کثرتِ تکرار کی وجہ سے ان کے قلب و ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ وحدتِ وجود کا قول کرنے پر مُصر ہو جاتے ہیں۔

عارضِ ثانی بعض سالکوں کو توحید وجودی کا ظاہری علم (جو تکرار کی وجہ سے اور فتوحات و فصوص کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے) ایک خاص قسم کا ذوق بخش دیتا ہے جس سے رہائی پانا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ علمی اور ذوقی طور پر توحید وجودی کا قول کرتے ہیں۔

عارضِ ثالث کچھ سالکین ایسے بھی ہوتے ہیں جو غلبۂ محبّت کی بنار پر محبوب کے علاوہ ہر شئے کی نفی پر مجبور ہو جاتے ہیں کیونکہ محبّت کی شدّت غیر محبوب کے وجود کو قبول نہیں کرتی حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے اور توحید وجودی کی یہ قسم پہلی دونوں قسموں کی توحید سے اعلیٰ ہے اور

حال کے دائرہ میں داخل ہے اگرچہ یہ بھی ظاہری حواس، عقل اور شریعت کے موافق نہیں لیکن توحید وجودی کی پہلی دونوں قسمیں ضعیف اور علم و قال کے دائرہ میں داخل ہیں حال سے ان کا کچھ بھی تعلّق نہیں۔ لہٰذا توحید وجودی کے اِن احکامِ وہمیہ کو شریعت و حقیقت کے ساتھ تطبیق دینا بیجا تکلف کے مترادف ہے۔

ارباب توحید وجودی کے تینوں گروہوں کے بارے میں مفصّل گفتگو دفتر اوّل مکتوب ۲۹۱ میں موجود ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ **بلّنیہ**

مشائخ نقشبندیہ کی ان عبارتوں کا جواب جو توحید وجودی پر دلالت کرتی ہیں

اس مکتوب میں آپ نے مشائخ نقشبندیہ اور بعض دوسرے مشائخ کی ان عبارتوں کا جواب دیا ہے جو توحید وجودی پر دلالت کرتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان مشائخ عظام کو یہ احوال و شہود درمیان میں پیش آئے ہوں گے اور اس کے بعد وہ اس مقام سے گزر گئے ہوں گے جیساکہ آپ خود بھی ان احوال سے گزرے تھے۔ نیز ان میں سے بعض مشائخ کے ظاہر کو جو کثرت بین ہیں۔ باطن میں احدیّتِ صرف کی پوری پوری نگرانی حاصل ہونے کے باوجود ان احکام و شہود سے حکمتاً مشرّف فرمایا گیا۔ جیساکہ ابتداءِ مکتوب میں آپ نے اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد قدس سرّہٗ کے حال کی خبر دی۔

وحدتُ الوجود سے انکار حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ نے ابتدائے سلوک میں وحدت الوجود کو قبول فرمایا تھا لیکن بعد میں اس سے انکار فرما دیا اور توحیدِ وجودی پر اصرار کرنے والے بزرگوں کے احوال و اقوال کی تاویل فرماتے رہے۔ آپ کا یہ موقف ترویجِ شریعت کے لیے تجدیدی حکمتوں پر مبنی تھا۔ آپ کا کلام تضادات سے مبرّا ہے لیکن احوال کی تبدیلی کے

پیش نظر بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے حالانکہ ایسا نہیں آپ نے اس مکتوب میں صراحت کے ساتھ فرما دیا کہ

"اگر قبولِ وحدتِ وجود بودہ است از کشف بودہ است نہ از روئے تقلید واگر انکار ست ہم از الہام است"

(یعنی) اگر ابتداء میں اس فقیر کو وحدت الوجود قبول رہا ہے تو وہ کشف کی بناء پر تھا نہ کہ تقلید کے طور پر اور اگر اب وحدت الوجود سے انکار کر رہا ہے تو یہ بھی الہام کی وجہ سے ہے اور الہام میں انکار کی گنجائش نہیں ہے اگرچہ دوسروں کے لیے الہام حجت نہیں۔

آپ کے ارشاد سے واضح طور پر آپ کا وحدت الوجود کی صحت سے انکار ثابت ہو رہا ہے ہمارے ایک ہم عصر مصنف کیپٹن واحد بخش سیال چشتی صابری نے اپنی تصنیف "وحدت الوجود و وحدت الشہود" میں یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ حضرت امام ربانی بھی وحدت الوجود کے قائل تھے انکے اور ابن عربی قدس سرہٗ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ ان کی یہ تحقیق ایک مفروضے سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی اسی طرح دونوں نظریات میں تطبیق دیکر نزاعِ لفظی ثابت کرنے والے حضرات نے بھی تکلفاتِ بعیدہ کا ارتکاب فرمایا ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وحدت الوجود غلبۂ سکر کا نتیجہ ہے اور سکر کا تعلق مقامِ ولایت سے ہے اس سے بالاتر مقام صحو و ارشاد ہے جس کا تعلق مقامِ نبوت سے ہے۔ وحدت الشہود کے معارف علومِ نبوت سے مقتبس ہیں اور یہ امر واقعی ہے کہ حضرت امامِ ربانی قدس سرہٗ کے بعد آج تک آپ جیسا صاحبِ کشف و الہام عارف پیدا نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عربی کے فلسفۂ توحید پر جس طرح آپ نے تبصرہ فرمایا ہے کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے بیان کردہ ایرادات کا شافی جواب دے سکے۔ جن حضرات نے آج تک ان حقائق

کے بارے میں لب کشائی فرمائی ہے وہ علم وعقل اور فلسفہ کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف رہے ہیں۔ کشف وشہود کی بنیاد پہ وہ توحید وجودی اور توحید شہودی پر قلم نہ اٹھا سکے لہٰذا حضرت مجدد کے نظریۂ توحید پہ ان کے اعتراضات سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہیں۔

دفترِ اوّل مکتوب ۳۲

مکتوب الیہ

حضرت مرزا حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

اکابر نقشبندیہ کی نسبتِ خاصہ

حضرت امام مہدی اسی نسبت خاصہ (نقشبندیہ) کی تکمیل فرمائینگے

طبقاتِ مشائخ ۔ معترضین کی غلط فہمی کا ازالہ

مکتوب الیہ

یہ مکتوب گرامی حضرت میرزا حسام الدین احمد بن نظام الدین احمد حنفی نقشبندی بدخشی ثم الدھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام صادر فرمایا۔ مکتوبات شریفہ میں آپ کے نام سولہ مکتوب ہیں۔ آپ مشائخ نقشبندیہ میں سے ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے۔ ۹۷۷ھ میں بدخشاں کے قصبہ قندوز میں پیدا ہوئے تحصیل علومِ متداولہ کے بعد شیخ ابو الفضل بن مبارک ناگوری کی ہمشیرہ سے شادی ہوئی والد ماجد کے انتقال کے بعد حکومت سے منصب وجاگیر پائی۔ اکبر بادشاہ نے آپ کو عبد الرحیم خانخاناں کی زیرِ قیادت لشکر میں شامل کر دیا۔ چونکہ آپ کی طبیعت ترک وتجرید کی طرف مائل ہو گئی تھی اس لیے لشکر اور سلطانی خدمات سے مستعفی ہو گئے اور عزلت وریاضت اختیار کر لی بعد ازاں آپ دہلی میں آ گئے اور بقیہ زندگی حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت و تربیت میں گزار کر معارفِ الٰہیہ میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے۔ ترک وتجرید کے غلبہ کے سبب مسندِ ارشاد کی ذمہ داریوں پر پورے نہ اُتر سکے لہٰذا اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر رہے اور ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادگان کی تربیت وخدمت میں مشغول رہے۔

وفات: یکم صفر ۱۰۴۳ھ اکبر آباد میں وفات پائی وہیں دفن کیے گئے کچھ عرصہ بعد آپ کے جسدِ خاکی کو دہلی لا کر حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی قدس سرہٗ کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ (زبدۃ المقامات ونزھۃ الخواطر)

مکتوب - ۳۲

متن از عدم دریافتِ نسبتِ خاصہ پیرِ دستگیر عَلَیہِ الرَّحمۃ نوشتہ بودند و سببِ آنرا پرسیدہ مخدوما شرح امثالِ این سخنان بطریقِ تحریر بلکہ تقریر ہم مناسب نمے نماید تا در فہمِ کسے چہ در آید و از انجا چہ فرا گیرد حضور بشرطِ حُسنِ ظنّ یا طولِ صُحبت بہر نہج کہ باشد در کار ست و بِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقِتَادِ ۔

آسُودہ شبے باید و خوش مہتابے
تا با تو حکایت کُنم از ہر بابے

ترجمہ: آپ نے حضرت پیرِ دستگیر (خواجہ باقی باللہ دہلوی قدّس سرّہ) کی نسبتِ خاصہ کے دریافت نہ ہونے کے متعلق لکھا تھا اور اس کا سبب پوچھا تھا اے مخدوم! اس قسم کی باتوں کی تشریح اور تفصیل تحریر بلکہ تقریر کے طریقے پر بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ کیا معلوم کسی کی سمجھ میں کیا بات آئے اور وہ اس سے کیا مطلب نکالے اس کے لیے اپنے مُرشد کے ساتھ حُسنِ ظن رکھتے ہوئے عرصہ دراز تک صُحبت میں رہنا ہر لحاظ سے ضروری ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بے فائدہ رنج و مشقّت اٹھانا ہے۔

(شعر کا ترجمہ) ایک پُرسکون اور چاندنی رات ہو تاکہ میں تیرے ساتھ ہر بات کھول

کر بیان کروں۔

شرح

اکابرِ نقشبندیہ کی نسبتِ خاصہ حضرت امام ربانی قدس سرّہٗ کی بارگاہِ عالیہ میں حضرت میرزا حسام الدین احمد نے ایک مکتوب ارسال کیا تھا جس میں تحریر تھا کہ ہمارے پیرِ دستگیر خواجہ باقی باللہ دہلوی قدس سرّہٗ کی نسبتِ خاصہ کے بارے میں آپ نے جو معارف (زبان یا قلم سے) بیان فرمائے ہیں یہ معارف حضرت کے وقت میں سننے میں نہیں آئے تھے حالانکہ ہم دونوں پیر بھائی ہیں۔ لہٰذا آپ ان معارف کی تشریح فرمائیں کہ یہ آپ پر کہاں سے منکشف ہوئے اور اس کا سبب کیا ہے؟ حضرت امامِ ربانی قدس سرّہٗ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ میرے مخدوم! اکابرِ نقشبندیہ کی نسبتِ خاصہ کے معارف دراصل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معارف ہیں جو اس فقیر پر ہزار سال کے بعد الفِ ثانی کے آغاز میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اس قسم کے معارف تحریر و تقریر کے ذریعے معلوم نہیں ہو سکتے ان کی دریافت حُسنِ ظن اور یقینی عقیدت کے ساتھ عرصۂ دراز تک صُحبت و ملازمت اختیار کرنے پر مبنی ہے۔ اس کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ مارنے کے مترادف ہے۔

بیّنہ نمبر ۱ علوم و معارف باطنیہ کا حصول حُسنِ ظن اور دیرپا صحبت کا متقاضی ہے کیونکہ یہ علوم و مُعارف کشف و شہود کی راہ سے آتے ہیں لہٰذا اپنے شیخ اور مُربّی کے معاملے میں قلبی طور پر حُسنِ ظن اور اعتماد لازمی ہے کیونکہ تخمین و ظن سے شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں نیز اُولیاء کرام کی صُحبت اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔

عارفِ رومی نے فرمایا ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(یعنی) اولیاء اللہ کی تھوڑی سی صحبت بھی سو سال کی بے ریا نفلی عبادات سے بہتر ہے۔

متن اما بحکم سوالے را جوابے باید این قدر وامے نماید کہ ہر مقامے را علوم و معارفِ دیگر ست و احوال و مواجید دیگر

ترجمہ: لیکن اس حکم کے مطابق کہ سوال کا جواب ہونا چاہیئے صرف اس قدر ظاہر کرتا ہے کہ ہر مقام کے علوم و معارف مختلف ہوتے ہیں اور احوال و مواجید بھی جُدا ہوتے ہیں۔

شرح

حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ہر مقام کے علوم و معارف جُدا اور احوال و مواجید مختلف ہوتے ہیں مثلاً سالک کے لیے ایک مقام میں ذکر اور توجہ مناسب ہے اور دُوسرے مقام میں تلاوت اور نماز، کوئی مقام جذبہ (سیرِ انفسی) کے ساتھ خاص ہوتا ہے، کوئی مقام سلوک (سیرِ آفاقی) کے ساتھ۔ ایک مقام جذبہ و سلوک دونوں کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے اور ایک مقام ان دونوں جہتوں (جذبہ و سلوک) سے جُدا ہوتا ہے۔ اس مقام میں جذبہ کا سلوک سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور سلوک کا جذبہ کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ مقام نہایت عجیب و غریب ہے اور اس مقام کے ساتھ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ممتاز و مشرف

ہیں۔ اس مقام والوں کو دُوسرے مقامات والوں سے مکمل امتیاز اور انفرادی شان حاصل ہے۔ یہ نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اِن شاء اللہ حضرت امام مہدی علیہ السّلام کی ذاتِ اقدس میں پوری طرح ظاہر ہوگی اور ان کو تصرّفات ظاہری و باطنی بھی پُورے طور پر حاصل ہوں گے۔ یعنی وَلایت (بفتح واؤ) کے ساتھ وِلایت (بکسر واؤ) سے بھی بہرہ یاب ہوں گے کیونکہ وَلایت (واؤ پہ زبر کے ساتھ) کا معنیٰ قُربِ حق ہے اور وِلایت (واؤ کے نیچے زیر) کا معنیٰ تصرّف ہے۔ یہ مقام جذبہ اور سلوک سے بلند تر ہے کیونکہ جذبہ وسلوک کمالاتِ ظلیّہ کیساتھ مخصوص ہیں اور یہ مقام کمالاتِ اصلیہ کے ساتھ ممتاز ہے اور کمالاتِ اصلیہ فقط سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صُحبت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ صحابہ کرام کمالاتِ ظلیّہ (جذبہ وسلوک) کے بغیر براہِ راست کمالاتِ اصلیہ سے مشرّف تھے۔ ان کے علاوہ اکابر اولیاء بھی اگر کمالاتِ اصلیہ سے مشرّف ہوئے ہیں تو وہ بھی کمالاتِ ظلیہ کے حصُول کے بعد ہی اس سعادت سے بہرہ مند ہوئے ہیں (اس میں حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ کا اپنی ذات کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے) یہی کمالاتِ اصلیہ مشائخ نقشبندیہ علیہم الرِضوان کی نسبت خاصہ ہے جو حضرت سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہٗ کی وساطت سے تبعیّت کے طور پر انہیں حاصل ہے۔ باقی سلسلوں کے مشائخ میں سے بہت کم مشائخ نے اس مقام کی خبر دی ہے تو کیسے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس مقام کے علوم و معارف کے متعلق گفتگو کی ہو۔

حضرت امام مہدی علیہ السّلام اسی نسبتِ خاصہ (نقشبندیہ) کی تکمیل فرمائینگے:

حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ نے تحریر فرمایا:

انگارم کہ حضرت مہدی موعود کہ بالکلیتِ ولایت معہود است نیز برین نسبت خواهند بود و تتمیم و تکمیل این

سلسلۂ علیہ خواہد فرمود[1]

(یعنی) میرا خیال ہے کہ حضرت امام مہدی موعود علیہ السّلام جو ولایت کی اکملیت کے لیے مقرر ہیں وہ بھی اسی نسبت کے حامل ہوں گے اور اسی سلسلہ عالیہ (نقشبندیہ) کی تتمیم و تکمیل فرمائیں گے۔

حضرت امامِ ربّانی کے فرمان کا مطلب ظاہر ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السّلام حضرات انبیاء کرام کی نبوّت کے کمالات کے کامل وارث ہوں گے اور ان کا مقام اولیائے کرام کے اِدراک سے بہت بلند ہوگا۔

بیّنہ نمبر ۲ ہر مقام کے علوم و معارف اور احوال و مواجید کا جُدا جُدا ہونا طریقت کے بنیادی اُصول و قواعد میں سے ہے۔ مثلاً ذکر اور توجّہ مُبتدی سالک کے لیے ہے اور ولایتِ صغریٰ میں ذکر اور توجّہ ہی زیادہ مُفید ہیں اور ولایتِ کبریٰ میں جو کہ انبیاء کرام علیہم السّلام کی ولایت ہے نماز کے اندر اور باہر تلاوتِ قرآن زیادہ بہتر ہے اور انبیاء کی نبوّت کے کمالات میں جو کہ انبیاء کی ولایت کے کمالات سے زیادہ بُلند ہیں عُروج اور ترقّی نماز کے ساتھ مربُوط ہے کیونکہ انبیاءؑ کی ولایت کے کمالات کا تعلّق صفات سے ہے اور انبیاء کی نبوّت کے کمالات ذاتِ بحت سے متعلق ہیں، اور وہ مقام جو جذبے کے ساتھ مخصوص ہے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی ابتداء میں درج ہے، اور وہ مقام جو سلوک کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے سلاسلِ طریقت کی ابتداء سے متعلق ہے، اور وہ مقام جو جذبہ اور سلوک دونوں کے ساتھ مخلوط ہے طریقت کے چاروں سلاسل کی انتہاء سے مربُوط ہے اور وہ مقام جو جذبہ اور سلوک دونوں جہتوں سے جُدا ہے انبیاء کی نبوّت اور انبیاء کی ولایت کے کمالات کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ جذبہ و سلوک متعارفہ جو کمالاتِ ظلّیہ کے

---

[1] دفترِ اوّل مکتوب نمبر ۲۵۱

کے ساتھ مخصوص ہے انبیاء کی نبوت اور ولایت کے کمالات سے اس کا کوئی واسطہ نہیں کیونکہ انبیاء کرام کا جذب و اجتباء اور اصطفاء، جذبہ و سلوک کی منازل سے بہت بلند اور وراء الورا ہے ع چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک

متن از مشائخ طبقات رحمہم اللہ سبحانہ کم کسے ازین مقام خبر دادہ است۔

ترجمہ: طبقات (سلاسل) کے مشائخ میں سے کم مشائخ نے اس مقام (نسبت) کی خبر دی ہے۔

شرح

نسبتِ خاصہ (جس کا ذکر سطورِ بالا میں ہو چکا ہے) ایک ایسی نادر الوجود نسبت ہے جس کا جذب و سلوک کی منازل طے کرنے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے صحبتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ کی برکت سے یہ نسبت پہلے قدم میں ظاہر ہو جاتی تھی اور کچھ مدت کے بعد درجۂ کمال تک پہنچ جاتی تھی۔ اسی نسبت کے بارے میں حضرت امامِ ربّانی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ طبقاتِ مشائخ میں سے بہت کم مشائخ نے اس کی خبر دی ہے۔

طبقاتِ مشائخ طبقاتِ مشائخ کی اصطلاح کا اطلاق صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد مشائخِ عظام پر ہوتا ہے طبقاتِ مشائخ پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً محمد بن علی حکیم ترمذی کی کتاب "تاریخ مشائخ یا طبقات الصوفیہ" ابوبکر محمد بن داؤد کی کتاب "اخبار الصوفیہ والزہاد"، ابوسعید احمد بن محمد غزنی کی کتاب "طبقات النساک"، محمد بن احمد مشہور بہ ابوبکر مفید جرجرائی کی کتاب "اللمع"، ابواسحاق ابراہیم بن احمد بن داؤد مستملی کی

کتاب "معجم الشیّوخ" "ابو العباس احمد بن محمّد بن زکریا زاہد نسوی خراسانی کی کتاب "طبقاتُ الصّوفیہ" ابُوسعید نقّاش کی کتاب "طبقات الصّوفیاء" سراج عمر بن علی ابن الملقن شافعی علیہم الرحمۃ و الرضوان نے بھی اسی نام سے کتاب لکھی تھی۔ سب سے زیادہ مشہور کتابیں جو طبقات مشائخ پر لکھی گئی ہیں ان میں حضرت ابو عبد الرحمان سلمی کی کتاب "کتاب الصّوفیہ سلمی" ، حضرت شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری کی کتاب "طبقات الصّوفیہ ھروی" ، اور حضرت مولانا عبد الرحمان جامی کی کتاب "نفحات الاُنس" ہیں۔ مشائخ کے مختلف طبقات ہیں۔

پہلے طبقے میں ابُو ہاشم صُوفی، ذُو النون مصری، فضیل بن عیاض، معروف کرخی، ابراہیم بن اَدھم، بشر بن الحارث الحافی اور بایزید بسطامی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

دُوسرے طبقے میں سہل بن عبد اللہ تستری، ابُو حمزہ خراسانی، ابو سعید الخراز اور ابُو الحسن نوری رحمہمُ اللہُ تعالیٰ۔

تیسرے طبقے میں ظاہر مقدّسی، ابُو یعقوب السوسی، خیر نساج، ابُو العباس بن عطا بغدادی، ابُو عمر الدمشقی اور ابُو الحسین الوراق، ابو بکر الواسطی رحمہمُ اللہ تعالیٰ۔

چوتھے طبقے میں ابُو علی الرودباری، ابو بکر شبلی اور ابراہیم بن الشیبان رحمہمُ اللہ تعالیٰ۔

پانچویں طبقے میں ابُو سعید ابن الاعرابی، عبد اللہ الرازی، ابُو القاسم النصر آبادی اور ابو الحسن الحصری رحمہمُ اللہ تعالیٰ۔

چھٹے طبقے میں ابُو الحسن السیروانی، ابو بکر المظفّر الترمذی اور استاذ ابو علی دقاق رحمہمُ اللہ تعالیٰ زیادہ مشہور رہیں۔

(مزید تفصیلات کے لیے کتب مذکورہ کی طرف رجُوع کیا جائے)

متن درباب میاں شیخ الہ داد خصوصاً نوشتہ بودند، فقیر را ہیچ مضائقہ نیست اما ندامت از تغیّرِ وضع خود مُشار الیہ را درکارست کہ اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ اِستشفاع فرعِ ندامت ست۔

ترجمہ: میاں شیخ اَلہ داد کے متعلق خاص طور پر لکھا تھا اس فقیر کو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن مُشار الیہ (شیخ اَلہ داد) کے لیے لازم ہے کہ اپنی وضع تبدیل کرنے سے نادِم ہو۔ بمطابق حدیث ندامت توبہ ہے، شفاعت طلب کرنا (معافی مانگنا) ندامت کی فرع ہے۔

شرح

حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد بعض مخلصین (مُریدین) نے حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ کے بعض نادِرُالوجُود علوم و معارف (جو حضرت خواجہ باقی باللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ اقدس سے بھی نہ سُنے تھے) پر از راہِ رقابت و نا واقفیّت زبان طعن و اعتراض دراز کی۔ جس سے حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ کو سخت رنج و ملال ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بمطابق حدیثِ قُدسی

تخریجِ حدیث اَلنَّدَمُ تُوبَۃٌ یہ حدیث حضرت امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، ..... ابنِ ماجہ ص ۳۱۳ اور حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی نے شعب الایمان ص ۴۲۷ ج ۵ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی ہے۔ امام مناوی نے اس حدیث کو صحیح اور علّامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اس کو حدیث حسن فرمایا ہے۔

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ[1] آپ کے معترضین کے احوال خراب اور باطن تیرہ و تار ہو گئے اور ان کی نسبت بھی سلب ہو گئی۔ کیوں کہ حضرت امامِ ربّانی صاحبِ وقت اور قطبُ الارشاد و الھدایت تھے۔ چونکہ آپ صاحبِ وقت تھے اور صاحبِ وقت سے اس وقت کے تمام اولیائے کرام اور صالحینِ اُمّت اپنی اِستعداد کے مطابق فیض پاتے ہیں اور اس کے منکر و مُعترِض محرُوم ہو جاتے ہیں۔

حضرت میرزا حسام الدّین احمد (جو امامِ ربّانی کے پیر بھائی تھے) نے اپنے مکتوب میں ان کے لیے عُذر خواہی کی درخواست پیش کی تھی۔ جس کے جواب میں حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ نے فرمایا کہ یہ فقیر ان کی نسبتیں سلب کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوا بلکہ وہ خود بخود (خدا کی طرف سے) سلب ہو گئی ہیں اور یہ لوگ جو اپنے دِلوں کے اندر سے ذکر کی آوازیں سُنتے ہیں یہ اور چیز ہیں اور نسبتوں کا مقام کچھ اور ہے۔ وہ تا ہنوز سلب ہیں یہاں تک کہ وہ اِعتراض کی بے اَدبی سے تائب اور نادِم نہ ہوں کیونکہ حدیثِ پاک کے مطابق ندامت توبہ ہی کا نام ہے۔

میاں شیخ الہ داد

یہ بھی انہی معترضین میں شامل تھے بلکہ حضرت خواجہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جانشینی اور اپنی مشیخیت کے دعویدار ہو گئے تھے۔ حالانکہ حضرت خواجہ دھلوی علیہ الرّحمۃ نے انہیں اپنی ظاہری حیات میں صرف مہمانوں کی خدمت اور لنگر کے انتظامات سنبھالنے کا حکم دیا تھا ان کے متعلق مولانا محمّد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے:

"جس زمانے میں حضرت خواجہ باقی باللہ دھلوی قدّس سرّہٗ لاہور سے ماوراُالنّہر (ترکستان) تشریف لے جانے کی تیاری فرمار ہے تھے۔ شیخ الہ داد حضرت کی خدمت

---

[1] بخاری صـ ۹۶۳ ج ۲، مشکوٰۃ ۱۹۷

میں حاضر ہوئے اور بیعت ہو کر طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا اور سفر سے واپسی پر حضرت خواجہ نے درگاہ کی خدمت اور مہمانوں کے قیام وطعام کا انتظام شیخ کے سپرد کر دیا تھا"۔ [1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ شیخ الہ داد حضرت خواجہ کے حکم اور اس فقیر کی تجویز پر بطورِ سفارت بعض مبتدی یاروں کو ذکر بتانے اور ان کے احوال ہم تک پہنچانے پر مامور تھے۔ ان کا مسندِ مشیخیت پر از خود براجمان ہو جانا خیانت کے زمرے میں آتا ہے۔

مستشرقین کی غلط فہمی کا ازالہ

مزید آپ نے اس مکتوب میں وضاحت فرمائی ہے کہ ہر فن وصنعت کا مکمل ہونا بہت سی فکروں کے ملنے پر موقوف ہے۔ مثلاً سیبویہ (عمر بن عثمان شیرازی) کے علمِ نحو میں اس کے متاخرین نے دس گنا اضافہ کر دیا۔ حضرت خواجہ شاہِ نقشبند اویسی بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خواجۂ جہاں حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کی نسبت میں اپنی طرف سے اضافے کر کے چار چاند لگا دیئے۔

اسی طرح ہمارے خواجہ علیہ الرحمۃ بھی اسی نسبت میں اضافے اور تکمیل کے درپے رہے لیکن ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اگر یہ فقیر اسی نسبت کو اللہ تعالیٰ کی تائیدِ غیبی کے ساتھ تکمیل وترقی کی طرف لے جارہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے فضلِ خاص ہی کی دستگیری ہے اس پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ شیخ الہ داد ان نسبتوں کی حقیقت کو کیا جانے؟ نسبتیں ایک مقام پر ٹھہری نہیں رہتیں بلکہ ان میں دن بدن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ (كَمَا لَا يَخْفىٰ عَلىٰ اَرْبَابِ الْبَصِيْرَةِ)

---

[1] زبدۃ المقامات

دفتر اوّل مکتوب ۳۳

مکتوب الیہ

حضرت ملا حاجی محمّد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

علمائے سوء کی مذمت اور علماء حق کی فضیلت

تزکیہ نفس اور تعلقات دنیا۔ صوفیائے کرام اور حقیقت دنیا

مکتوب الیہ

یہ مکتوب گرامی ملا حاجی محمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف صادر فرمایا گیا۔ آپ کا مختصر تذکرہ مکتوب ۲۶ کی شرح میں ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب ۔ ۳۳

متن عُلمار را محبّتِ دُنیا و رغبت دران کلَفِ چہرہٗ جمالِ شانست خلائق را اگرچہ از یشان حصُولِ فوائدست امّا علم شان در حق ذات ہائے ایشان نافع نیامد ہر چند تائیدِ شریعت و تقویّت مِلّت بر ایشان مُترتّب است امّا گاہست کہ این تائید و تقویّت از اہلِ فجور و اربابِ فتور ہم می آید چنانکہ سیّدِ انبیاء عَلَیہِ وَعَلَیہِم وَعَلیٰ اٰلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسلِیمَاتُ از تائیدِ آن مردِ فاجر خبر دادہ اند و فرمودہ اِنَّ اللہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّینَ بِالرَّجُلِ الفَاجِرِ ☆

ترجمہ: عُلمار کے لیے دُنیا کی محبّت اور اس میں رغبت ان کے جمال کے چہرے پر

☆ **تخریجِ حدیث**: یہاں امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے جو حدیث نقل فرمائی ہے اس کا پورا مضمون حدیثِ پاک میں اس طرح ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ (رَضِیَ اللہُ عَنہُ) قَالَ شَھِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُنَیْنًا فَقَالَ لِرَجُلٍ مِّمَّنْ یَّدَّعِیْ بِالْاِسْلَامِ ھٰذَا مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرْنَا الْقِتَالَ قَاتَلَ الرَّجُلُ قِتَالًا شَدِیْدًا فَاَصَابَتْہُ جِرَاحَۃٌ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ

دھبہ ہے۔ مخلوق کو اگرچہ ان سے فائدے حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کا علم ان کی اپنی
ذات کے حق میں نافع نہیں ہوتا۔ ہرگاہ کہ شریعت کی تائید اور اُمت کی تقویت انہی پر
مرتب ہوتی ہے۔ لیکن کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ دین کی یہ تائید و تقویت فاسق و فاجر قسم
کے لوگوں سے بھی واقع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ سید الانبیاءؑ (آپ پر اور ان پر اور آپ
کی آل پر رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں) نے اس فاجر آدمی کی تائید کے متعلق خبر دی
اور فرمایا کہ "بے شک اللہ تعالیٰ ضرور مدد دے گا اس دین کو ایک فاجر شخص

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ الَّذِیْ قُلْتَ لَہٗ اٰنِفًا اَنَّہٗ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَاِنَّہٗ قَاتَلَ الْیَوْمَ
قِتَالًا شَدِیْدًا وَقَدْ مَاتَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی النَّارِ فَکَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِیْنَ
اَنْ یَّرْتَابَ فَبَیْنَمَا ھُمْ عَلٰی ذٰلِکَ اِذْ قِیْلَ فَاِنَّہٗ لَمْ یَمُتْ وَلٰکِنْ بِہٖ جِرَاحًا شَدِیْدًا
فَلَمَّا کَانَ مِنَ اللَّیْلِ لَمْ یَصْبِرْ عَلَی الْجِرَاحِ فَقَتَلَ نَفْسَہٗ فَاُخْبِرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِذٰلِکَ فَقَالَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ ثُمَّ اَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰی
فِی النَّاسِ اَنَّہٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا نَفْسٌ مُّسْلِمَۃٌ وَاَنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ
بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (بُخاری ۲/۹۶۶ مُسلم ۱/۷۲ واللفظ لہٗ)

ترجمہ: حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگِ حُنین میں شریک تھے۔
ہم میں ایک شخص تھا جو مسلمانوں میں شمار ہوتا تھا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ جہنمی ہے پس جب
قتال شروع ہوا تو وہ شخص بڑی بے جگری سے لڑا اور زخمی ہو گیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا
گیا یارسُول اللہ صلی اللہ علیک وسلم جس شخص کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے وہ آج بڑی بہادری کیساتھ
لڑا اور اب وہ مر چکا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دوزخ میں گیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسُول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔ اتنے میں کسی نے آکر عرض کیا کہ وہ شخص ابھی مرا نہیں تھا لیکن شدید
زخمی تھا رات کو وہ زخم کی تکلیف برداشت نہ کر سکا پس اس نے خودکشی کر لی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر
پہنچی تو آپ کی زبانِ اقدس سے یہ الفاظ نکلے "اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسُول
ہوں" پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بُلوا کر لوگوں میں مُنادی کروا دی کہ صرف مسلمان ہی جنت میں جائیں گے
اور اللہ تعالیٰ اس دین کو فاسق و فاجر کے ذریعے تقویت دیتا رہتا ہے۔
مُعرّبِ مکتوبات حضرت علامہ مُراد مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث امام بخاری و مُسلم نے حضرت سیدنا ابُوہریرہ
رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی ہے اور اس حدیث کو ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے کبیر
میں اور ابُونعیم نے حلیہ میں اور ابنِ عدی نے کامل میں مختلف الفاظ کے ساتھ روایت فرمایا ہے۔

کے ذریعے۔"

شرح

حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ نے اس مکتوب میں علماءِ سوء کی مذمت اور علماءِ حق کی فضیلت میں بعض آیات واحادیث نقل فرمائی ہیں اور دُنیا کی محبّت و رغبت کو ان کے چہرۂ جمال کے لیے ایک بدنما داغ قرار دیتے ہوئے ان کی مثال سنگِ پارس کے ساتھ دی ہے۔ جیساکہ پارس (پتھر) کے ساتھ لوہا اور تانبا رگڑ کھا کر سونا بن جاتا ہے لیکن خود وہ پتّھر ہی رہتا ہے۔ اسی طرح وہ آگ جو پتّھر اور بانس میں موجود ہوتی ہے دنیا کے لوگ اس سے بہت فائدے حاصل کرتے ہیں۔ لیکن خود پتّھر اور بانس اپنے اندر کی آگ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرسکتے۔ ایسے ہی وہ عُلماء جو دُنیا کا مال ومتاع جمع کرنے کے لیے علمِ دین کو پیشہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کی دینی خدمات قبولیّت کے درجے کو نہیں پاسکتیں کیونکہ ان کی نیّتوں میں اخلاص نہیں ہوتا۔ یہی عُلماء سوٗ کی پہچان ہے۔ ظاہری طور پر ان کے ساتھ دینِ اسلام کی رونق اور تقویّت وابستہ نظر آتی ہے لیکن درحقیقت وہ علماءِ دُنیا ہوتے ہیں نہ کہ عُلمائے آخرت۔ کیونکہ انہوں نے اس علم کو کمینی دُنیا یعنی مال وجاہ وریاست کے حاصل کرنے کا وسیلہ بنالیا ہے حالانکہ دُنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل وخوار اور مخلوق میں سب سے بدتر ہے۔ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوات اس امر پر گواہ ہے۔

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَاسَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةً [1]

(ترجمہ) اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُنیا کی قدر وقیمت ایک مچھّر کے پر جتنی بھی ہوتی

---

[1] ترمذی صد ۵۶ ج ۲

تو وُہ کسی کافر کو دُنیا کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

عُلماءِ سُوء کا حشر حضرت امامِ ربّانی قُدِّس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ عُلماءِ سُوء کا علم ان کی اپنی ذات کے لیے بھی مضر ہے کیونکہ اس علم نے ان پر حُجّت تمام کر دی۔ حدیث میں ہے:

اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمًا لَمْ یَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ ☆

(یعنی) بے شک قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب اس عالم کے لیے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے کچھ نفع نہیں دیا۔

قرآن و حدیث کی رُو سے وہ عُلماء جو کمینی دُنیا کی محبّت میں گرفتار ہیں عُلماءِ سُوء ہیں، وہ دین کے چور اور شیطان کا گروہ ہیں۔ حالانکہ اپنے آپ کو دین کا پیشوا جانتے ہیں۔

عُلمائے آخرت کی فضیلت

متن آرے علمائے کہ از دُنیا بے رغبت اند و از حُبِّ جاہ و ریاست و مال و رفعت آزاد از علماءِ آخرت اند و وَرَثۂ انبیاء اند عَلَیْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ و

☆ **تخریجِ حدیث**: علامہ مُرادیکی فرماتے ہیں کہ حدیثِ مذکور کو ابنِ عساکر نے حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کو طبرانی نے صغیر میں اور بیہقی نے شعب میں اور ابنِ عدی و حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی الفاظِ مختلفہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَا یَنْتَفِعُ بِعِلْمِهٖ (دارمی ۱/۸۲)

نیز حدیث میں ہے: اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَآءِ (دارمی ۱/۸۷)

بہترینِ خلائق ایشانند کہ فردائے قیامت سیاہی ایشان را بخُونِ شُہدائے فِی سبِیْلِ اللّٰہ وزن خواہند کرد و پلّۂ این سیاہی خواھد چربید وَنَوْمُ الْعُلَمَآءِ عِبَادَۃٌ☆ در شانِ ایشاں متحقِّق ست۔

ترجمہ: ہاں وہ عُلماء جو دُنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ و مال اور سرداری کی محبّت سے آزاد ہیں، عُلماء آخرت میں سے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السّلام کے وارث ہیں اور بہترینِ خلائق یہی عُلماء ہیں کہ کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے خُون کے ساتھ وزن کریں گے اور اس سیاہی کا پلّہ بھاری رہے گا اور نَوْمُ الْعُلَمَآءِ عِبَادَۃٌ یعنی علماء کی نیند عبادت ہے انہی عُلماء کے حق میں ثابت ہے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قدس سرّہٗ فرماتے ہیں قیامت کے دن عُلماء کے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے وزنی ہو گی۔ علّامہ محمّد مراد مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ

☆ **تخریج حدیث**: علّامہ ابنِ عبد البَرّ نے اس کو سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت ابُو الدّرداءؓ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ علّامہ عراقی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے اور اس کے شارح نے کہا ہے کہ شیرازی اس کو القاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طرق سے لایا ہے نیز ابن الجوزی اور دیلمی نے بھی روایت کیا ہے (انتہیٰ ملخصاً)

نیز نَوْمُ الْعُلَمَآءِ عِبَادَۃٌ سے اس حدیثِ مرفوع کی طرف اشارہ ہے جس کو حضرت امامِ غزالی نے احیاءِ علوم الدّین میں بیان فرمایا ہے اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں نَفَسُہٗ تَسْبِیْحٌ "عالم کا سانس لینا تسبیح ہے۔"

کے اس قول میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے :

قَالَ الْحَسَنُ رَحِمَهُ اللّٰهُ يُوْزَنُ مِدَادُ الْعُلَمَآءِ بِدَمِ الشُّهَدَآءِ فَيَرْجِعُ مِدَادُ الْعُلَمَآءِ بِدَمِ الشُّهَدَآءِ [1]

تزکیۂ نفس اور تعلّقاتِ دُنیا

متن آرے جمعے از مشائخ کہ از خود و بایستِ خود بتمام بر آمدہ اند بواسطۂ بعضے نیاتِ حقّانیہ اختیارِ صورتِ اہلِ دُنیا نمودہ اند و بظاہر راغب مینمایند فی الحقیقت ہیچ تعلّقے ندارند و از ہمہ فارغ و آزاد اند

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

ترجمہ : ہاں بعض مشائخ جو اپنی خواہش اور اپنے ارادے سے باہر نکل چکے ہیں بعض نے درست اور خالص نیتوں کے واسطے سے اہلِ دُنیا کی صورت اختیار کرلی ہے اور بظاہر دُنیا کی طرف راغب معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت دُنیا سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے اور سب سے فارغ و آزاد ہیں۔ انہی لوگوں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے : "یہی وہ لوگ ہیں جن کو تجارت و خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔"

---

[1] احیاء العلوم کتاب العلم باب اوّل

شرح

حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ سطورِ بالا میں ان مشائخِ عظّام و عُلمائے اعلام کا ذکر فرما رہے ہیں جو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کی سعادت سے مشرّف ہو کر قلبی طور پر دُنیا و مَا فیہَا سے فارغ و آزاد ہو چکے ہیں۔ اگرچہ ظاہری طور پر دُنیا کے ساتھ تعلّقات کی بنا پر وہ اہلِ دُنیا معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اہلِ آخرت ہوتے ہیں کیونکہ دُنیا کے ساتھ تعلّق اور عدمِ تعلّق نفس کے تزکیہ اور عدمِ تزکیہ کے ساتھ مربُوط ہے۔ جب تک تزکیۂ نفس نہ ہو جائے قلبی طور پر مَاسوَی اللہ سے قطعِ تعلّق اور ذاتِ حق سے اصلی محبّت محال ہے۔ اس حقیقت کی بُنیاد یہ ہے کہ انسان دو قسم کی محبّتوں سے خالی نہیں ہو سکتا یا تو محبّتِ نفس میں گرفتار ہوگا یا محبّتِ حق سے سرشار ہوگا کیونکہ یہ دونوں محبّتیں ایک دوسرے کی نقیض (ضِدّ) واقع ہوئی ہیں جیسا کہ اسی مکتوب میں کچھ پہلے حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ نے حدیثِ مُبارکہ نقل فرمائی ہے :

مَا الدُّنیَا وَالاٰخِرَۃُ اِلَّا ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِیَتْ اِحْدَاھُمَا سَخِطَتِ الاُخْرٰی [۱] (یعنی دُنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں اگر ان میں سے ایک راضی ہوگی تو دوسری ناراض ہو جائے گی)

واضح رہے کہ نفس کی خلقت اور جبلّت میں اللہ تعالیٰ کی عداوت و مخالفت مرکوز و مضمر ہے۔ جیسا کہ حدیث قُدسی ہے : عَادِ نَفْسَكَ فَاِنَّھَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ [۲]۔ یعنی اپنے نفس سے دشمنی کر کیونکہ وہ میری دشمنی پر قائم ہُوا ہے۔

۱؎ امام احمد نے مسند احمد ج ۲ صہ ۴۱۲ اور امام غزالی نے اَحیاءُ العُلوم (ج ۳ صہ ۲۱۶) میں اس مفہوم کی حدیث مبارک نقل فرمائی ہے

۲؎ شیخ جلال الدّین خجندی علیہ الرحمۃ نے شرحِ قصیدہ میں اسے بطور حدیثِ قُدسی نقل کیا ہے اور اسی مفہوم کی ایک روایت امام غزالی نے احیاءُ العلوم میں اور امام سیوطی نے جامع الصّغیر میں نقل کی ہے (تشیید المبانی صہ ۱۶)

پس معلوم ہوا کہ تزکیۂ نفس کے بغیر ماسوی اللہ سے تعلق اور محبّت کا خاتمہ نہیں ہو سکتا کیونکہ تعلق ماسوی اللہ تعلقِ نفس کی فرع ہے جب تعلقاتِ نفسی زائل ہو جائیں گے تو اس کی تبع میں ماسوی اللہ کے تعلّقات بھی زوال پذیر ہو جائیں گے لہٰذا وہ مردانِ حق جو فنا و بقا کی منزلوں پر فائز ہو کر تزکیۂ نفس کے مقام پر شاد کام ہیں انہیں ماسوی اللہ کے تعلّقات اور دنیاوی مشغولات سے کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا اور ان کے ان ظاہری تعلّقات کو دُنیاوی تعلقات سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

صُوفیاء کرام اور حقیقت دُنیا

ارشاد باری تعالیٰ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ[1] کے مطابق دُنیاوی زندگی ایک فضول کھیل اور تماشے سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اسی لیے صُوفیائے کرام کے نزدیک دُنیا مال و دولت اور اہل و عیال کو نہیں کہا جاتا بلکہ دُنیا، حق تعالیٰ سے غفلت کا نام ہے۔ مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

چیست دُنیا از خُدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

صوفیاء کرام کے نزدیک دُنیا کی تذلیل و تحقیر سے مُراد اسی قسم کی دُنیا ہوتی ہے اور اسی قسم کے دُنیا داروں کے بارے میں عارفِ رُومی فرماتے ہیں ؎

اہلِ دُنیا کافرانِ مطلق اند
روز و شب در چق چق و در بق بق اند

حضرت امامِ ربّانی قُدّس سرّہٗ اسی قسم کے دُنیا دار علماء کی مذمّت اور تزکیۂ نفس کے حامل علماء کی فضیلت اور عظمت بیان فرما رہے ہیں اور آیت کریمہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ[2] میں مؤخر الذکر علماء کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] العنکبوت ۶۴ [2] النّور ۳۷

صوفی وہ ہوتا ہے جو پوشیدہ بھی ہو اور آشکارا بھی یعنی ظاہر میں مخلوق کے ساتھ وابستہ ہو اور باطن میں خالق کے ساتھ پیوستہ بھی، باہمہ بھی ہو اور بے ہمہ بھی۔ حضرت خواجہ عزیزان قُدس سرّہٗ فرماتے ہیں ؎

از دُرون شو آشنا وز برُون بیگانہ وَش
این چنیں زیبا روِش کم می بوَد اندر جہاں

ثابت ہوا کہ اہل اللہ کا شغلِ ظاہری ان کے شغلِ باطنی کے لیے مانع نہیں ہوتا۔ حضرت سیّدنا عمر فارُوقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ فرمایا کرتے: اِنِّیْ لَاُجَهِّزُ جَیْشِیْ وَ اَنَا فِی الصَّلٰوةِ[1] یعنی میں نماز بھی پڑھتا رہتا ہوں اور جہاد کے لیے لشکر بھی ترتیب دیتا رہتا ہوں اور میرا یہ ظاہری شغل نماز کے اندر باطنی عُروجات کے لیے حجاب نہیں بنتا اور میں کامل جمعیّت سے بہرہ ور رہتا ہوں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔

نسبتِ دوامِ حضُور مع اللہ

مشائخِ نقشبندیہ شَکَرَ اللّٰہُ سَعْیَھُمْ کے نزدیک یہی نسبت دوامِ حضُور مع اللہ کہلاتی ہے اور وہ اسی نسبت کی تعمیل و تکمیل پر مامُور ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند اویسی بخاری قُدِّسَ سِرُّہُ السَّارِیْ فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ کے بازار میں ایک ایسے تاجر کو دیکھا جو کم و بیش پچاس ہزار دینار سے خرید و فروخت کر رہا تھا لیکن اس کا دل ایک لحظہ کے لیے بھی خدا تعالیٰ سے غافل نہیں تھا۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَهُوَ یَهْدِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ۔ اَللّٰهُمَّ اٰمِیْن

---

[1] بخاری ص۱۶۳ ج۱

دفتر اوّل مکتوب ۳۴

مکتوب الیہ

شیخ العالم حضرت ملا حاجی محمّد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

عالم امر کے جواہرِ خمسہ ۔ برزخیتِ عرش وقلب
مراتبِ جواہرِ خمسہ

مکتوب - ۳۴

متن فلسفی کہ دیدۂ بصیرتِ او بہ کُحلِ متابعتِ صاحبِ شریعت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ مکحّل نشدہ است از حقیقتِ عالمِ امر نابیناست فَضْلاً عَنْ اَنْ یَکُوْنَ لَہٗ شُعُوْرٌ عَنْ مَرْتَبَۃِ الْوُجُوْبِ تَعَالٰی وَتَقَدَّسَ نظرِ کوتاہِ او مقصور بر عالم خلق ست و در آنجا نیز ناتمام ست جواہرِ خمس کہ اثبات نمودہ اند ہمہ در عالمِ خلق اند نفس وعقل را کہ از مجردات شمردہ اند از نادانی ست

ترجمہ: وہ فلسفی جس کی بصیرت کی آنکھ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کے سُرمے سے محروم ہے، عالمِ امر کی حقیقت (جاننے اور دیکھنے) سے اندھا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو مرتبۂ وجوب حق تعالیٰ کا شعور ہو۔ اس کی کوتاہ نظر صرف عالمِ خلق پر ہی لگی رہتی ہے اور اس میں بھی نامکمل ہے وہ پانچ جواہر جن کو فلسفیوں نے ثابت کیا ہے وہ تمام عالمِ خلق میں (شامل) ہیں نفس اور عقل کو جو انہوں نے مجرّدات (مادہ سے پاک) سے شمار کیا ہے یہ ان کی نادانی کی وجہ سے ہے۔

شرح

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے یہاں حکمائے یونان (اہل فلسفہ) کے بیان

کردہ جواہرِ خمسہ کی تردید فرمائی ہے اور حکمائے ایمان (اہلِ تصوّف) کے متعین فرمودہ جواہرِ خمسہ کی تائید فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جواہرِ خمسہ دراصل وہی ہیں جن کو صوفیائے کرام نے کشف وشہود کی راہ سے ثابت فرمایا ہے اور وہ عرش کے اُوپر ہیں اور عالمِ امر سے تعلق رکھتے ہیں۔ فلسفیوں نے جن کا نام جواہر رکھا ہے وہ خزف ریزے (ٹھیکریاں) ہیں جو مادی الاصل ہیں اور عالمِ خلق سے تعلق رکھتے ہیں۔

اہلِ فلسفہ کی جہالت

اہلِ فلسفہ نے حالّ محلّ اور ان دونوں سے مرکّب اور نفس وعقل (ہیولیٰ، صورت (جسمیہ ہو یا نوعیہ) جسم، نفس، عقل) کو جواہرِ خمسہ کا نام دیا ہے اور نفس وعقل کو مجرّدات سے شمار کیا ہے۔ یہ فلسفیوں کی جہالت اور بے خبری کی وجہ سے ہے کیونکہ نفسِ ناطقہ بھی نفسِ امارہ ہی کو کہا جاتا ہے اور وُہ تزکیہ کا محتاج ہے، اس کی ذات میں پستی اور کمینگی کا غلبہ ہے، عالمِ امر اور تجرّدِ محض سے اس کو کوئی مناسبت نہیں ہے، اسی طرح عقل بھی معقولات میں سے سوائے اُن اُمور کے جو محسوسات کے ساتھ تعلق یا مناسبت رکھتے ہیں کچھ بھی ادراک نہیں کرسکتی۔ اسی وجہ سے اس کی نظر بے چُونی کے احکام معلوم کرنے سے کوتاہ ہے اور اُمورِ غیبیہ کی معرفت میں محض گمراہ ہے اور عقل کی یہی علامت اس کے عالمِ خلق سے ہونے کی گواہ ہے کیونکہ عالمِ امر خود عالمِ قدس ہے۔ اس کا رُخ بے چُونی کی طرف ہے، اس کی طبیعت میں نورانیت اور تجرّدِ محض ہے، وہ جسمانیت ومکانیت سے بَری ہے اور نُورانیت ولامکانیت سے آراستہ ہے لہٰذا عالمِ اَمر کے لطائف ہی جواہر کہلانے کے لائق ہیں۔

بلّینہ نمبر ۱

واضح ہو کہ عالمِ امر کے حقائق پر اطلاع پانا اور ان کے مقاماتِ طبعی کا مشاہدہ کرنا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتّباع کرنے والوں کا خاصہ ہے اور انہی کی آنکھیں متابعت کے سُرمہ سے سُرمگیں ہو کر عالمِ غیب کے رازوں سے آشنا ہوسکتی ہیں۔ فلسفی لوگ جو شرفِ متابعت سے محرُوم

ہیں، عالمِ امر کے متعلق کیا خبر دے سکتے ہیں وہ توظنّ وتخمین کے غلام بن کر بے تمکین ہو چکے ہیں ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اہل فلسفہ کے افکار حقائق کے انکار پر مبنی ہیں جیسا کہ ان کے خیال کے مطابق عرش کے اُوپر نہ خلاؔ ہے نہ ملاؔ۔ حالانکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آسمانوں میں خَرق و اِلتیام نہیں ہے۔ اسی بنیاد پر وہ واقعۂ معراج کا انکار بھی کرتے ہیں اور کسی انسان کا آسمانوں سے گزرنا محال مانتے ہیں لیکن اس کے باوجود عرش سے اُوپر کی باتیں کرتے رہتے ہیں کہ وہاں نہ خلا رہے نہ ملا رہے۔ خُدا جانے یہ عرش کے اُوپر کیسے جاتے ہیں خواب میں یا بیداری میں۔ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا ؎

آں کس کہ نداند و نداند کہ نداند
در جہلِ مرکب ابدُ الدّھر می ماند

عالمِ اَمر کے جواہرِ خمسہ صوفیائے محققین رحمہُم اللہ تعالیٰ نے عالمِ اَمر کے پانچ لطائف کو جواہرِ خمسہ کا نام دیا ہے اور وہ عرش کے اُوپر محلاتِ نور ہیں جن کا تعلق انسان کے جسم کے ساتھ قائم کیا گیا ہے تاکہ انسان مجاہدات و ترقّیات کے ذریعے لطائف کا تزکیہ حاصل کر کے دائرۂ وجُوب کے فیضان اور تجلّیات کا متحمّل ہو سکے۔ (وَھُوَ الْمَقْصُوْدُ) اور وہ قلب، رُوح، سِر، خفی اور اخفیٰ ہیں۔

عالمِ خَلق کے جواہرِ خمسہ صوفیائے کرام نے عالمِ خلق کے لطائف کو عالمِ خلق کے جواہرِ خمسہ سے تعبیر فرمایا ہے اور وہ عناصرِ اربعہ ہوا، پانی، آگ، مٹی اور نفسِ ناطقہ ہیں ان کا مقام عرش کے نیچے ہے۔

متن عرشِ مجید مبدا، این جواہرِ عالمِ کبیرست در رنگِ قلبِ انسان و باین مناسبت قلب را نیز عرش اللہ تعالیٰ گویند و باقی مراتب از جواہرِ پنجگانہ فوق العرش اند

ترجمہ: قلبِ انسان کی مانند عرشِ مجید، عالمِ کبیر کے (مذکورہ) جواہر (خمسہ) کا مَبدا ہے اور اسی مناسبت کی بنا پر قلب کو بھی اللہ تعالیٰ کا عرش کہتے ہیں اور جواہرِ خمسہ کے باقی مراتب عرش کے اُوپر ہیں۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ کے ارشادِ بالا کو سمجھنے کے لیے چند اُمور کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ ہیں:

◎ عالمِ کبیر، عالمِ صغیر اور عالمِ اصغر کیا ہیں؟

◎ عالمِ مثال کس کو کہتے ہیں؟

◎ عقل، نفس اور خیال کیا چیزیں ہیں؟

◎ اِنسان کون سی اشیاء سے مُرکّب ہے؟

◎ عالمِ امر اور عالمِ خلق کیا ہیں اور ان کے مقاماتِ طبیعی کہاں ہیں؟

اب ترتیب وار اِن کا اجمالی بیان ملاحظہ فرمائیں! وَبِاللہِ التَّوفِیق

عالمِ کبیر: تمام ممکنات فوق العرش وتحت العرش کو عالمِ کبیر کہا جاتا ہے۔

عالمِ صغیر: انسان کو عالمِ صغیر کہا جاتا ہے۔

عالمِ اصغر: قلبِ انسان کو عالمِ اصغر کہا جاتا ہے۔

عالمِ مثال: عالمِ اجسام سے لطیف اور عالمِ ارواح سے کثیف ہے۔ عالمِ کبیر

میں اس کا مرکز عالمِ اجسام اور عالمِ اَرواح کے درمیان ہے۔
عالمِ مثال ایک عالمِ موجود و موہُوم نما ہے لیکن وجودِ موہومیّت نما کے باوجود تمام عالمین کا آئینہ و تمثال ہے جس میں تمام اجسام و اَرواح و معانی کے معکوس منقش ہیں اور تمام اشیائے گذشتہ و آئندہ اس میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

عقل نفسِ ناطقہ کے لیے ایک ایسی قوت (عاقلہ مُدرِکہ) کا نام ہے جس کے ذریعے حقائقِ اشیاء کا ادراک ہوتا ہے اس کا محل سَر ہے اور بعض کے نزدیک اس کا محل قلب ہے۔

نفس اِنسان کے جسم میں ایک ایسا جوہر ہے جو حیات، حِس اور حرکتِ اِرادی کا حامل ہے۔ اس کو نفسِ ناطقہ اور رُوحِ حیوانی بھی کہتے ہیں۔

خیال اِنسانی دماغ کے بطن میں ایک قوّتِ متخیلہ جو عالمِ مثال کا ایک نمونہ ہے اس کو خیال کہتے ہیں۔ عُرفاء کا مقولہ ہے لَوْلَا الْخَيَالُ لَسَتَرَ الْحَالُ (اگر خیال نہ ہوتا تو حال مستُور رہتا) بعض عارف (مُراد) جب مرتبۂ خیال سے گزر جاتے ہیں تو مرتبۂ ذات وصفات کے ادراک کی نعمت سے مشرف ہو جاتے ہیں جیسا کہ امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ نے دفترِ سوم کے آخر میں صراحت فرمائی ہے (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ)۔

لطائفِ عشرہ انسان دس اجزاء (لطائف) سے مرکب ہے ان میں پانچ لطائف عالمِ امر کے ہیں اور پانچ لطائف عالمِ خلق کے ہیں۔
ان میں سے ہر لطیفہ مخصوص کمالات کا حامل ہے اور ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ عُروجات اور تجلّیات رکھتا ہے۔ جن خوش نصیب حضرات کے یہ لطائف دُنیاوی اور مادی تعلقات سے آزاد ہو کر اپنی اصل تک پہنچ جائیں وہ اپنے کمالاتِ اصلیہ کی بناء پر تخلیقِ انسانی کے اصل مقصد کو پالیتے ہیں اور وہ اصل مقصد عبادت اور معرفت ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ای

لِیَعْرِفُوْنِ[1]

عالمِ امر اور عالمِ خلق

ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ[2] آگاہ رہو کہ خلق اور امر دونوں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

حضرت علّامہ قاضی ثناء اللہ مجدّدی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیتِ کریمہ کے تحت لکھا ہے :

قَالَتِ الصُّوْفِیَّۃُ الْمُرَادُ بِالْخَلْقِ وَالْاَمْرِ عَالَمُ الْخَلْقِ یَعْنِی الْجِسْمَانِیَّۃَ الْعَرْشَ وَمَا تَحْتَہٗ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَہُمَا وَاُصُوْلُھَا الْعَنَاصِرُ الْاَرْبَعَۃُ النَّارُ وَالْھَوَاءُ وَالْمَآءُ وَالتُّرَابُ وَیَتَوَلَّدُ مِنْھَا النُّفُوْسُ الْحَیَوَانِیَّۃُ وَالنَّبَاتِیَّۃُ وَالْمَعْدَنِیَّۃُ وَھِیَ اَجْسَامٌ لَطِیْفَۃٌ سَارِیَۃٌ فِیْ اَجْسَامٍ کَثِیْفَۃٍ وَعَالَمُ الْاَمْرِ یَعْنِی الْمُجَرَّدَاتِ مِنَ الْقَلْبِ وَالرُّوْحِ وَالسِّرِّ وَالْخَفِیِّ وَالْاَخْفٰی الَّتِیْ ھِیَ فَوْقَ الْعَرْشِ سَارِیَۃٌ فِی النُّفُوْسِ الْاِنْسَانِیَّۃِ وَالْمَلَکِیَّۃِ وَالشَّیْطَانِیَّۃِ سَرَیَانَ الشَّمْسِ فِی الْمِرْاٰۃِ سُمِّیَتْ بِعَالَمِ الْاَمْرِ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَھَا بِلَا مَادَّۃٍ بِاَمْرِہٖ کُنْ قَالَ الْبَغْوِیُّ قَالَ سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَۃَ فَرْقٌ بَیْنَ الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ فَمَنْ جَمَعَ بَیْنَھُمَا فَقَدْ کَفَرَ[3]

ترجمہ : صُوفیاء نے فرمایا کہ خلق اور اَمر سے مُراد عالمِ خلق یعنی عالمِ اجسام ہے

---

[1] رُوح المعانی ص۲۱۴ ج۲۷ [2] الاعراف ۵۴ [3] تفسیر مظہری ص۳۶۰ ج۳

اور وہ عرش اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے نیچے ہے اور ان دونوں کے درمیان ہے اور ان کے اُصول عناصرِ اربعہ یعنی آگ، ہوا، پانی اور مٹی ہیں اور انہی سے نفوس حیوانیہ، نباتیہ اور معدنیہ پیدا ہوتے ہیں اور وہ اجسامِ لطیفہ ہیں جو اجسامِ کثیفہ میں ساری ہیں اور (امر سے مُراد) عالمِ اَمر ہے یعنی مجرّدات اور وہ قلب، رُوح، سِرّ، خفی اور اخفیٰ ہیں جو عرش کے اُوپر ہیں اور نفوسِ انسانیہ، ملکیہ اور شیطانیہ میں اس طرح ساری ہیں جیسے سُورج آئینے میں۔ اس کا نام عالمِ امر اس لیے ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے بغیر مادہ کے اَمرِ کُنْ سے پیدا فرمایا ہے۔ بقول امام بغویؒ سفیان بن عیینہ نے کہا ہے کہ خلق اور اَمر کے درمیان فرق ہے جس نے ان دونوں کو جمع کیا اس نے کُفر کیا۔

متن عرش برزخ ست درمیانِ عالمِ خلق و عالمِ امر در عالمِ کبیر، در رنگِ قلبِ انسان کہ برزخ ست درمیانِ عالمِ خلق و عالمِ امر در عالمِ صغیر قلب و عرش اگرچہ در عالمِ خلق ظاہر اند امّا از عالمِ امر اند نصیبے از بیچونی و بیچگونی دارند اطّلاع بر حقیقت این جواہرِ خمسہ کُمّل افرادِ اولیاء اللہ را مُسلّم ست کہ مراتبِ سُلوک را بہ تفصیل گذرانیدہ بہ نہایت النہایت رسیدہ اند ؎

ہر گدائے مردِ میداں کے شود
پشّۂ آخر سلیماں کے شود

ترجمہ: عرش، عالمِ کبیر میں عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے درمیان برزخ (واسطہ) ہے جیسا کہ قلب، عالمِ صغیر میں عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے درمیان برزخ ہے قلب اور عرش اگرچہ ظاہر میں عالمِ خلق سے ہیں لیکن حقیقت میں عالمِ اَمر سے ہیں۔ بیچونی اور بے چگونی سے حصّہ رکھتے ہیں عالمِ امر کے جواہرِ خمسہ کی حقیقت پر مُطلع ہونا اولیاءُ اللہ میں سے کامل افراد کے لیے مسلّم ہے جو مراتبِ سلوک کو تفصیل کے ساتھ طے کر کے نہایت النّہایت کے مرتبے تک پہنچ چکے ہیں ؎

نہیں ہوتا بھکاری مردِ میداں
کہ مچھر بن نہیں سکتا سلیماں

شرح

حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ سطورِ بالا میں اس حقیقت کو واضح فرما رہے ہیں کہ جس طرح عرش عالمِ کبیر میں عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے درمیان برزخ ہے اس طرح قلب بھی عالمِ صغیر میں عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے درمیان برزخ ہے۔

برزخیّتِ عرش و قلب

عرش کے برزخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عرش کے اُوپر عالمِ اَمر ہے اور اس کے نیچے عالمِ خَلق ہے لہٰذا عرش کو برزخیّتِ مکانی حاصل ہے لیکن قلب کی برزخیّت مکانی نہیں کیونکہ قلب عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے درمیان مکانی طور پر واقع نہیں ہے بلکہ انسان کے وجُود میں عالمِ خلق اور عالمِ اَمر دونوں ملے جُلے ہوئے ہیں لہٰذا قلب کے برزخ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ قلب وصول و ایصالِ فیوضات کا واسطہ ہے اس کی ذرا سی تفصیل یُوں ہے کہ:-

"عالمِ قُدس کے فیوضات سب سے پہلے رُوح کو پہنچتے ہیں۔ چونکہ رُوح عالمِ اَمر سے ہے اور قلب بھی عالمِ اَمر سے ہے اسی مناسبت کی وجہ سے وہ فیوضات رُوح سے قلب کو پہنچتے ہیں۔ قلب کی دو قسمیں ہیں۔ قلبِ نُوری (لطیفۂ نور)

اور قلب صنوبری (مُضغۂ گوشت) چونکہ قلب صنوبری، قلب نوری کا ظرف ہے پس عالمِ قُدس کا وہ فیض بواسطۂ ظرفیّت و مظروفیّت کے قلب نوری سے قلب صنوبری کو پہنچتا ہے اور چونکہ قلب صنوبری عالمِ خلق سے ہے اور نفس بھی عالمِ خلق سے ہے لہٰذا اسی مناسبت کی وجہ سے وہ فیض قلبِ صنوبری سے نفس کو پہنچتا ہے اور نفس چونکہ کُل ہے اور حواس و جوارح اس کے اَجزاء و اَعضاء ہیں اس لیے وہ فیض کل (نفس) سے اس کے اجزاء (حواس) تک پہنچتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قلب کی برزخیت ایصالِ فیض کا واسطہ ہونے کے اعتبار سے ہے نہ کہ مکان کے اعتبار سے۔ (فَافْهَمْ)

قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰهِ[1] (مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کا عرش ہے)

کے ارشاد میں قلب کو عرش قرار دینے کی ایک وجہ تو اس کا عالمِ خلق و اَمر کے درمیان برزخ ہونا ہے جیسا کہ عرش بھی برزخ ہے اسی برزخیت کی مناسبت سے قلب کو عرش کہا جاتا ہے دُوسری وجہ یہ ہے کہ قرآنی آیت اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى[2] کے مطابق عرش تجلّیاتِ ذات وصفات کا مظہر ہے۔ اسی طرح قلبِ عارف بھی فنا و بقا کے بعد انوارِ ذات وصفات کا مظہر ہوتا ہے بلکہ صوفیاء کے نزدیک قلب کو عرش پر فضیلتِ جُزوی حاصل ہے کیونکہ قلب کو عالمِ قُدس کے ساتھ تعلقِ عشقی و حُبّی حاصل ہے اور عرش عشق و محبت کی نعمت سے محروم ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ؎

عرش و غزنین ہر دو یک طبق است
بلکہ غزنین شریف تر طبق است

---

[1] تفسیر یعقوب چرخی صہ ۲۴۹ ، [2] طٰہٰ ۵

یعنی عرش و غزنی دونوں مرتبے میں برابر ہیں بلکہ غزنی کا شرف عرش سے زیادہ ہے۔ کیونکہ غزنی کے اَولیاء کے قلوب میں جو عشقِ الٰہی ہے عرش اس عشق سے بے خبر ہے۔

بیّنہ نمبر۲ واضح رہے کہ عرش کے اُوپر والی طرف بے چوُن و بے کیف ہے اس لیے اس کے اُوپر والا حصّہ عالمِ امر سے تعلّق رکھتا ہے اور نیچے والی طرف چوُن و چند (کَیف وکَم) سے متّصف ہے اس لیے نچلا حصّہ عالمِ خلق میں شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح قلب کی بھی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت سے قلب لطیفۂ نوُر ہے اور دُوسری حیثیت سے مضغۂ گوشت ہے۔ لطیفۂ نوُر کی حیثیت سے قلب کا تعلّق عالمِ اَمر سے ہے اور مضغۂ گوشت کی حیثیت سے قلب کا تعلّق عالمِ خلق سے ہے۔

حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ کے نزدیک عرش و قلب عالمِ اَمر کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتے ہیں لہٰذا ان کو عالمِ اَمر سے ہی شمار کیا جانا چاہیئے۔ صوفیائے محققین کے نزدیک عرش کے اُوپر قلبِ نوری کا مقام ہے۔ قلب نوُری سے اُوپر رُوح کا مقام ہے رُوح سے آگے سِرّ ہے اور اس سے آگے خفی اور خفی سے اُوپر اخفیٰ کا مقام ہے۔ ان کی حقیقت پر اَولیائے کرام میں سے ان خاص اور کامل افراد کو اِطّلاع دی جاتی ہے جو راسخین فی العلم ہوتے ہیں اور وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا[1] کے مصداق ہیں۔

مراتبِ جواہرِ خمسہ

متن باید دانست کہ ابتداءِ آن جواہر از صفاتِ اضافیہ

---

[1] بنی اسرائیل ۸۵

است کہ کالبرازخ اند بین الوجوب والامکان و فوقِ اینہا صفاتِ حقیقیہ کہ رُوح را از تجلیاتِ اینہا نصیب ست و قلب را بصفاتِ اضافیہ تعلّق ست و بتجلیّاتِ اینہا مشرّف ست ..... الخ

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ ان جواہرِ خمسہ کی ابتدا صفاتِ اضافیہ سے ہے جو کہ وجُوب اور امکان کے درمیان برزخوں (واسطوں) کی طرح ہیں اور ان کے اُوپر صفاتِ حقیقیہ ہیں جن کی تجلیات سے رُوح کو حِصّہ حاصل ہے اور قلب کو صفاتِ اضافیہ کے ساتھ تعلّق ہے اور وہ ان کی تجلیّات سے مشرّف ہے۔

شرح

سطُورِ بالا میں حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ نے جواہرِ مقدّسہ علیّہ (لطائف خمسہ عالمِ اَمر) کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے اس کا اجمالی بیان ہدیۂ قارئین ہے۔

جواہرِ خمسہ کی اصل اور ابتداء اللہ تعالیٰ کی صفاتِ اضافیہ ہیں اور عالمِ خلق و عالمِ امر کا وجود انہی صفات کا اثر ہے اور صفاتِ اضافیہ سے مُراد، تخلیق (پیدا کرنا)، ترزیق (رِزق دینا)، اِماتت (مارنا) اِحیاء (زندہ کرنا) وغیرہا ہیں اور یہی صفات عالمِ وجُوب اور عالمِ امکان کے درمیان برازخ (واسطے) ہیں ان کے اُوپر صفاتِ حقیقیہ (ثمانیہ) ہیں اور وہ ارادہ، قُدرت، سمع، بصر، کلام، علم حیات اور تکوین ہیں۔

قلب صفاتِ اضافیہ کی تجلیات سے مشرّف ہے اور رُوح کو صفاتِ حقیقیہ کی تجلیّات سے حِصّہ حاصل ہے اور باقی جواہر یعنی سِرّ، خفی اور اخفیٰ کا تعلّق

صفاتِ حقیقیہ سے اُوپر کے مراتب سے ہے ۔ یعنی ان کا مبدا فیض صفاتِ حقیقیہ سے اُوپر ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ جواہر خود صفاتِ حقیقیہ سے بلند ہیں کیونکہ خود یہ لطائف عالمِ امکان سے ہیں اور صفاتِ حقیقیہ عالمِ وجُوب سے ہیں ۔ البتہ ان لطائف کے مبادئ فیوض (جو شیونات ذاتیہ و صفاتِ سلبیہ اور شانِ جامع سے عبارت ہیں) صفاتِ حقیقیہ ثمانیہ سے اُوپر ہیں ۔ اسی لیے ان تینوں جواہر (لطائف) کی تجلّیات کو تجلّیاتِ ذاتیہ کہتے ہیں۔

تجلّیاتِ ذاتیہ کے دو معنیٰ ہیں

تجلیاتِ ذاتیہ کے دو معنیٰ ہیں :
اوّل، تجلّیاتِ ذاتیہ بمعنیٰ اَعَم
دوم، تجلّیاتِ ذاتیہ بمعنیٰ اَخَص ۔

تجلّیاتِ ذاتیہ بمعنیٰ اَعَم کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تجلّیات صفاتِ زائدہ نہ ہوں اور تجلّیاتِ ذاتیہ بمعنیٰ اَخص کا مفہوم یہ ہے کہ وہ تجلّیات فقط ذاتِ بحت تعالیٰ کی ہوں اس مقام میں عارف کے سامنے شیونات و اعتبارات کی تجلّیات بھی ملحوظ نہیں ہوتیں یہاں تجلّیاتِ ذاتیہ سے تجلّیاتِ شیونات و اعتبارات بمعنیٰ اَعَم مُراد ہیں کیونکہ شیونات و اعتبارات کا وجود انتزاعی ہوتا ہے ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

آخر میں آپ نے فرمایا ہے کہ ان حقائق کا اظہار خلافِ مصلحت ہے اور یہ بحث معانیٔ مکنونہ اور اسرارِ غامضہ سے ہے ۔ اسی لیے عالمِ اَمر اور حقیقتِ رُوح پر بحث و تحیص سے روک دیا گیا ہے ۔ حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ کا یہ فرمانا کہ حقائقِ عالمِ اَمر کا اظہار خلافِ مصلحت ہے اس اَمر کا غماز ہے کہ آپ پر یہ حقائق ظاہر کر دیئے گئے تھے اور آپ اُن راسخین فی العلم میں سے ہیں جن کے متعلق قرآن میں فرمایا گیا : وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا[1]

---

[1] بنی اسرائیل ۸۵

دفتر اوّل مکتوب ۳۵

مکتوب الیہ

شیخ العالم حضرت ملا حاجی محمّد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

سیر و سلوک سے مقصود تزکیۂ نفس ہے

فنائے مطلق اور محبت ذاتی

مکتوب ۔ ۳۵

متن مقصود از سیر و سلوک تزکیۂ نفسِ امّارہ است وتطہیرِ آن تا از عبادتِ آلہۂ باطلہ کہ ناشی است از وجودِ ہوائی نفسانی نجاتے میسّر شود و بہ حقیقت جُز یک معبودِ بَرحق تعالیٰ و تقدّس قبلۂ توجّہ نماند و ہیچ مقصدے بروے نہ گُزینند چہ از مقاصدِ دینی و چہ از مطالبِ دنیاوی

ترجمہ: سَیر و سلوک سے مُراد نفسِ امّارہ کا تزکیہ اور اس کی تطہیر ہے تاکہ ان باطل معبُودوں (جھُوٹے خداؤں) کی عبادت (پُوجا) سے نجات حاصل ہوجائے جو کہ اس خواہشاتِ نفسانی کے وجُود سے پیدا ہوتے ہیں اور حقیقت میں ایک معبُودِ برحق (بلند اور پاک) کے سوا کوئی توجّہ کا قبلہ نہ رہے اور اس پر کسی بھی مقصد کو اختیار نہ کرے خواہ وہ دینی مقاصد میں سے ہو یا دُنیاوی مطالب میں سے ۔

شرح

سیر وسُلوک سے مُراد تزکیۂ نفس ہے

حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام کے سیر و سلوک سے مقصُود یہ ہے کہ عبادات و ریاضات اور مُراقبات کے ذریعے نفسِ امّارہ کا تزکیہ اور تطہیر ہوجائے تاکہ سالک معبودانِ باطلہ کی عبادت اور

خواہشاتِ نفسانی کی شرارت سے نجات حاصل کرے اور اس کی توجہ کا قبلہ سوائے معبودِ برحق کے اور کوئی نہ رہے۔

نفس عالمِ خلق سے ہے اور اپنی ذات کے اعتبار سے نجس اور خبیث ہے لہٰذا اس کی طہارت لازمی ہے۔ عالمِ امر اپنی ذات کے اعتبار سے پاکیزہ اور لطیف ہے لیکن جسمِ انسانی میں ان دونوں عالموں کے لطائف ایک دُوسرے کے قریب واقع ہیں۔ جب مجاورت کی وجہ سے عالمِ خلق کی کثافتیں عالمِ امر کے لطائف کو غبار آلود کر دیتی ہیں تو عالمِ امر کے لطائف کا تصفیہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی لیے صوفیائے کرام لطائف عالمِ امر کے لیے تصفیہ کا لفظ بولتے ہیں اور لطائف عالمِ خلق کے لیے تزکیہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

فنائے مطلق اور محبّتِ ذاتی

متن ہر چند از حَسنات ست اَمّا کارِ اَبرار ست مُقرّبین آن را سیّئہ میدانند و جز یکے را مقصود نمے شمارند این دولت وابستہ بحصولِ فنا ست و تحقُّقِ محبّتِ ذاتی کہ در آن موطن اِنعام و اِیلام متساوی ست۔

ترجمہ: دینی مقاصد اگرچہ حسنات (نیکیوں) میں سے ہیں لیکن یہ کام اَبرار کا ہے مقرّبین ان کو سیّئات (بُرائیاں) جانتے ہیں اور سوائے ایک ذاتِ حق کے کسی کو اپنا مقصود خیال نہیں کرتے یہ دولت حصُولِ فنا اور محبتِ ذاتی کے تحقق کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ اس مقام میں اِنعام (نعمت دینا) و اِیلام (رنج دینا) برابر ہے۔

شرح

عارف وہی ہوتا ہے جو ذاتِ حق تعالیٰ کو اپنا قبلۂ توجہ اور مقصودِ حقیقی جانے اور کوئی مقصد اس کے پیشِ نظر نہ ہو خواہ وہ مقصد دینی ہو یا دُنیاوی۔ واضح رہے کہ دینی مقاصد اگرچہ حسنات میں سے ہیں لیکن یہ مقام ان لوگوں کا ہے جو ابرار کے زُمرے میں شامل ہیں مقربین کا مقام اَبرار کے مقام سے بلندتر ہے بقولہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ کے مطابق جو مقاصد ابرار کے نزدیک نیکیوں میں شمار ہوتے ہیں وہ مُقربین کے نزدیک گناہوں میں شامل سمجھے جاتے ہیں اور یہ دولت جو مقربین کو حاصل ہے فنائے مطلق اور محبّتِ ذاتی کے ساتھ مربُوط ہے۔ فنائے مطلق کے بعد عارف کو محبت ذاتی کے مقام تک رسائی ہوتی ہے۔ اس مقام میں عارف کی نظر کسی نعمت یا زحمت پر نہیں ہوتی وہ لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰه کی منزل میں گم ہوتا ہے۔

وُہ ایذا و عذاب میں بھی وہی لذت پاتا ہے جو نعمت و راحت میں پاتا ہے حتیٰ کہ انعام و ایلام مساوی ہو جانے کی بِنا پر جنّت اور دوزخ سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں یہ حضرات اگر جنّت کے طالب ہوتے ہیں تو فقط اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام ہے اگر دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں تو وہ بھی اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مقام ہے۔

غرضیکہ ان حضرات کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ جنّت کی طلب، راحتِ نفس کے لیے نہیں کرتے اور دوزخ سے پناہ زحمتِ نفس کی وجہ سے نہیں مانگتے بلکہ وہ رضائے الٰہی میں فنائے مطلق کے بعد محبّت ذاتی کا مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں اور کُلُّ مَا یَفْعَلُہُ الْمَحْبُوْبُ مَحْبُوْبٌ (محبوب کا ہر کام محبوب ہوتا ہے) کے مطابق کلمۂ توحید اور اخلاص کی حقیقت پا لینے کا یہی مقام ہے (وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق)

اس محبّت ذاتی کے بغیر جو بے ملاحظۂ اسماء وصفات اور بے توسّلِ انعام و

ایلام ہو مقصود کا حاصل ہونا بہت محال ہے کیونکہ شرکتِ سوزِ محبت کے بغیر فنائے مطلق بھی ہاتھ نہیں آتی ؎

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت
ہر چہ جُز معشوق باقی جُملہ سوخت
(مثنوی)

؎
جبکہ روشن عشق کا شُعلہ ہُوا
ماسوا معشُوق کے سب جل گیا

دفتر اوّل مکتوب ۳۶

مکتوب الیہ

شیخ العالم حضرت ملا حاجی محمد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

شریعت کے اجزائے سہ گانہ: علم عمل اور اخلاص

مقام رضا کی ترغیب ۔ تجلیات سہ گانہ

حقیقت و طریقت سے مراد شریعت کی حقیقت ہے

مکتوب - ۳۶

متن شریعت را سہ جُزو است علم و عمل و اِخلاص تا این ہر سہ جُزو مُتحقِّق نشوند شریعت مُتحقِّق نشود وچُون شریعت مُتحقِّق شد رضائے حق سُبحانہٗ وتعالیٰ حاصل گشت کہ فوقِ جمیع سعاداتِ دُنیویہ و اُخرویہ است وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔

ترجمہ: شریعت کے تین اجزاء ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تینوں اجزاء ثابت نہ ہوں اس وقت تک شریعت ثابت نہیں ہوتی اور جب شریعت ثابت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگئی جو کہ دُنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں سے اُوپر ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی سعادت ہے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے اس مکتوب میں شریعتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰت والتّسلیمات کی جامعیّت وکاملیّت بیان فرمائی ہے اور دو قسم کے گروہوں کو خصوصی طور پر تنبیہ فرمائی ہے۔

اوّلاً ان صُوفیائے خام کو متنبہّ فرمایا ہے جو شریعت کو کامل نہیں سمجھتے اور طریقت و حقیقت کو مغز اور شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور ان کا جو یہ گمان

ہے کہ ہم حضور علیہ السّلام کے زیادہ محبوب ہیں اس لیے مغز ہمیں دیا ہے اور پوست علماء وغیرھم کو دیا ہے محض باطل قرار دیا ہے۔

ثانیاً ان علمائے ظواھر کو انتباہ فرمایا ہے جو طریقت اور تصوّف کو خلاف شریعت سمجھتے اور بدعت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ تصوّف احسان و اخلاص کا دُوسرا نام ہے اور احسان و اخلاص دونوں مامورات شرعیّہ میں سے ہیں جیسا کہ حدیث احسان اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ[1]۔ اور آیتِ اخلاص مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ[2]۔ اس امر کی مؤید ہیں۔

علم، عمل اور اخلاص

حضرت امام ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے فرمایا کہ شریعت کے تین جزو ہیں۔ اوّلاً علم، ثانیاً عمل اور ثالثاً اخلاص۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ علم و عمل عُلماء سے حاصل ہوتا ہے اور اخلاص صُوفیائے کرام کی صُحبت پر منحصر ہے۔

وہ عُلماء جو بغرضِ جاہ و ریاست و حصُولِ منفعت علم و عمل میں مشغول ہیں، گو صورتِ اخلاص کے حامل ہیں لیکن حقیقت اخلاص سے غافل ہیں وُہ طریقت اور حقیقت کو جو حقیقتِ اخلاص کے حصُول کا سبب ہیں، لایعنی شمار کرتے ہیں اور تزکیۂ نفس سے محرُوم اور بے نصیب ہیں۔ صورتِ اخلاص سے بھی کبھی کبھی حصّہ یاب ہوتے ہیں اور اکثر طور پر اُس سے بھی خالی رہتے ہیں۔ انہی کو عُلمائے دُنیا یا عُلمائے ظاھر کہا جاتا ہے اور وُہ علماء جو حقیقتِ اخلاص سے متحقق ہیں، عُلمائے دین یا عُلمائے آخرت کہلاتے ہیں۔

صُورتِ اخلاص

صُورتِ اخلاص یہ ہے کہ اپنے اعمالِ حسنہ کی تشہیر و تعریف پسند کی جائے اور عزّت، شہرت اور رفعت کو

---

[1] صحیح بخاری صہ ۱۲ ج ۱، [2] البیّنہ ۵

مقصود سمجھا جائے ایسے لوگوں کے اعمال کبھی رضائے نفس کے تابع اور کبھی رضائے الٰہیہ کے تابع ہوتے ہیں۔

حقیقتِ اخلاص حقیقتِ اخلاص یہ ہے کہ سالک کو تزکیۂ نفس حاصل ہو جائے۔ عزت، شہرت اور رفعت و منصب کے ترک کا اہتمام کیا جائے اور ہر وقت اپنے تمام اعمالِ حَسَنہ کو رضائے الٰہی کے لیے مخصوص سمجھا جائے اور اخلاص پر استقامت نصیب ہو جائے۔

حقیقت و طریقت سے مُراد شریعت کی حقیقت و طریقت ہے

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں:

حقیقت عبارت از حقیقتِ شریعت است نہ آنکہ حقیقت از شریعت جُدا است۔ طریقت عبارت از طریقِ وصول است بہ حقیقتِ شریعت نہ اَمرے مبائن از شریعت و حقیقت پس پیش از تحقق بہ حقیقتِ شریعت حصُولِ صُورتِ شریعت است فقط و حصُولِ حقیقتِ شریعت در مقامِ اطمینانِ نفس است و وصُول بدرجۂ ولایت"[1]

ترجمہ: حقیقت سے مُراد شریعت کی حقیقت ہے نہ کہ حقیقت شریعت سے الگ کسی چیز کا نام ہے۔ طریقت سے مُراد حقیقتِ شریعت تک پہنچنے کا طریقہ ہے شریعت حقیقت سے الگ کوئی اور چیز نہیں ہے شریعت کی حقیقت حاصل ہونے سے پہلے صرف شریعت کی صورت کا حصُول ہوتا ہے اور شریعت کی حقیقت کا حصُول اطمینانِ نفس کے مقام میں ہوتا ہے جبکہ آدمی کو درجۂ ولایت میں رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔

---

[1] معارفِ لدنیہ معرفت ۲۵

آپ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ وہ صوفیاء جو اپنے کمالات کو شریعت کے کمالات سے اعلیٰ جانتے ہیں مغرور اور مفتون ہیں اور وہ علماء جو طریقت اور حقیقت کو شریعت سے بیگانہ سمجھتے ہیں، بے خبر اور نورِ فراست سے محروم ہیں۔

مقامِ رضا کی ترغیب

متن اَحوال و مَواجید و عُلوم و مَعارِف کہ صُوفیاء را در اثنائے راہ دست می دہند نہ از مقاصد اند بَلْ اَوْهَامٌ وَّخَيَالَاتٌ تُرَبّٰى بِهَا اَطْفَالُ الطَّرِيْقَةِ۔ از جمیع اینہا گذشتہ بمقامِ رضا باید رسید کہ نہایتِ مقاماتِ سُلوک و جذبہ است چہ مقصود از طیِّ منازلِ طریقت و حقیقت ماورائے تحصیلِ اخلاص نیست کہ مُستلزمِ مقامِ رضا است۔

ترجمہ: اَحوال و مواجید اور عُلوم و معارف جو کہ صُوفیاء کرام کو راہِ سلوک طے کرنے کے دوران حاصل ہوتے ہیں مقاصد میں سے نہیں بلکہ وہم و خیالات میں سے ہیں جن سے طریقت کے بچوں (طلباء) کی تربیت کی جاتی ہے۔ ان تمام سے گزر کر مقامِ رضا تک پہنچنا چاہیئے جو کہ سلوک اور جذبہ کے مقامات میں سے آخری مقام ہے کیونکہ طریقت و حقیقت کی ساری منزلیں طے کرنے سے اس کے سوا اور کچھ بھی مقصود نہیں کہ اخلاص حاصل ہو جائے جو کہ مقامِ رضا حاصل ہونے کے

لیے لازم ہے۔

شرح

سطورِ بالا میں حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ سالک کو مقامِ رضا کی ترغیب دلا رہے ہیں اور اس حقیقت سے پردہ اُٹھا رہے ہیں کہ صوفیاء کو اثنائے راہ میں جو وَجد و حال اور علوم و معارف حاصل ہوتے ہیں وہ مقاصد نہیں ہوتے بلکہ اوھام و خیالات ہوتے ہیں جن سے طریقت کے طالب علموں کو بہلایا جاتا ہے تاکہ ان کے شوق میں اضافہ ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ سالکین کو ان کھلونوں سے آگے گزر جانا چاہیئے اور مقامِ رضا تک پہنچنا چاہیئے جو کہ سلوک وجذبہ کے مقاماتِ عشرہ میں سے آخری مقام ہے واضح ہو کہ مقاماتِ عشرہ میں پہلا مقام توبہ ہے اور آخری مقام رضا ہے۔

بیّنہ حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے وَجد وحال کے رنگین کھلونوں کو مقاصد شمار کرنے والوں کو کوتاہ اندیش اور وہم وخیال کے قیدی قرار دیا ہے۔ وہم وخیال سے مُراد ان کا یہ ناقص گمان ہے کہ ظلال کو مطالب سمجھتے ہیں اور مطالب سے غافل رہتے ہیں۔ آپ کے نزدیک ظلال (وَجد وحال) کی زیادہ سے زیادہ حیثیّت یہ ہے کہ وہ مُعِدّات (اسباب و وسائل) مطلوب ہیں نہ کہ خود مطلوب کیونکہ مطلوب وہم وخیال کے آئینوں سے ماوَرا رہے۔

تجلّیاتِ سہ گانہ

متن از تجلّیاتِ سہ گانہ و مُشاھَداتِ عارِفانہ
گزرانیدہ از ہزاران یکے را بدولتِ اخلاص

ومقامِ رضا میرسانند۔

ترجمہ: تینوں قسم کی تجلّیات اور عارفانہ مشاھدات سے گزار کر ہزاروں سالکوں میں سے کسی ایک کو اخلاص اور مقامِ رضا کی دولت سے سرفراز فرماتے ہیں۔

شرح

تجلّیاتِ سہ گانہ سے مُراد تجلّیٔ افعال، تجلّیٔ صفات اور تجلّیٔ ذات ہے[1]۔ حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ سالک کو ان تجلّیات سے گزار کر مقامِ اخلاص و رضا تک پہنچاتے ہیں یہاں پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ سالک جب تجلّیاتِ ذاتیہ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو تزکیۂ نفس کی تکمیل ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ بمطابق آیتِ کریمہ یَاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِيٓ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً[2] تزکیۂ نفس کا نام ہی مقامِ رضا ہے۔ لیکن حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ تجلّیاتِ سہ گانہ کے بعد مقامِ رضا حاصل ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی یہاں تجلّیات سہ گانہ سے مُراد ظلالِ تجلّیاتِ سہ گانہ ہیں نہ کہ اصل تجلّیات اور یہ اَمر ظاہر ہے کہ ظلال سے گزرنے کے بعد ہی اصل تک رسائی ممکن ہے۔ لہٰذا ظلالِ تجلّیات کے بعد ہی مقامِ رضا میّسر ہوسکتا ہے۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ)

---

[1] تجلّیاتِ سہ گانہ کی تفصیلی شرح کے لیے دفترِ سوم مکتوب ۷۵ کا مطالعہ فرمائیں۔

[2] الفجر ۲۷، ۲۸

دفتر اوّل مکتوب ۳۷

مکتوب الیہ

حضرت شیخ محمد چتری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

نسبت نقشبندیہ سنت نبویہ پر مبنی ہے

احیائے سنت کا ذوق

نماز اوّل وقت میں ادا کرنا افضل ہے

مکتوب ۔ ۳۷

متن طریقِ ایشان کبریتِ احمرست و مبنی بر متابعتِ سُنّت علیٰ مَصْدَرِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ این فقیر از نقدِ وقتِ خود می نویسد کہ مُدّتہا از علوم و معارف و از احوال و مقامات در رنگِ ابرِ نیسان ریختند و کارے کہ باید کرد بعنایت اللہ سُبحانہٗ کردند و الحال آرزوئے نماندہ است اِلّا احیائے سُنّتے از سُنَنِ مُصطفویّہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰت و التّسلیمات نمودہ آید و احوال و مواجید مَر اربابِ ذوق را مُسلّم باشد می باید کہ باطن را بہ نسبت خواجہا قُدّس اللہ تعالےٰ اَسرارھُم معمُور داشتہ ظاہر را بکُلّیّت بمتابعت سُنَنِ ظاہرہ مُتجلّی و مُتزیّن دارند ۔

ترجمہ : ان بُزرگوں (خواجگانِ نقشبندیہ) کا طریقہ سُرخ گندھک یعنی اکسیر ہے جو سُنّتِ نبویّہ علیٰ مَصدرِھَا الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام پر مبنی ہے۔ یہ فقیر اپنے موجودہ حال کے متعلّق لکھتا ہے کہ بہت مُدّت عُلوم و معارف اور احوال و مقامات ماہِ ساون کے بادلوں کی طرح مُسلسل دار دہوتے رہے اور کام جو کرنا چاہیئے تھا اللہ تعالیٰ کی عنایت

سے ہوگیا۔ اب اس کے سوا کوئی آرزو نہیں رہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنتوں میں سے کوئی سُنت زندہ کی جائے اور احوال و مواجید اہلِ ذوق کے سپرد رہنے دیئے جائیں اور چاہیئے کہ اپنے باطن کو خواجگان کی نسبت سے آباد رکھا جائے اور اپنے ظاہر کو پورے طور پر ظاہری سُنتوں کی تابعداری سے آراستہ بنایا جائے۔

شرح

نسبتِ نقشبندیہ سُنّتِ نبوی پر مبنی ہے

اس مکتوب میں حضرت امامِ ربّانی قُدّس سرّہٗ نے نسبتِ نقشبندیہ کو سُنّتِ نبویہ پر مبنی قرار دیتے ہوئے اس کے حصول کی ترغیب دلائی ہے اور اس نسبت کو سُرخ گندھک کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیمیا گروں کے نزدیک سُرخ گندھک تانبے کو سونا بنانے والی اکسیر کا جزوِ اعظم ہے اور سُرخ گندھک نہایت نایاب ہے۔ آپ نے سالکین کو تاکید فرمائی ہے کہ باطن کو نسبتِ نقشبندیہ سے اور ظاہر کو سُنّتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت سے آراستہ رکھنے کی پوری کوشش کریں تاکہ مقصود حاصل ہو جائے۔

احیائے سُنّت کا ذوق

واضح ہو کہ سلسلہ نقشبندیہ میں خلافِ سُنّت ریاضتوں اور مجاہدوں کی بجائے سنّتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت کے مطابق اعمال و عبادات کا التزام ہے۔ نقشبندی فقرا احوال و مواجید میں گرفتار نہیں ہوتے کیونکہ وجد و ذوق، اَبرار کا طریقہ ہے اور یہ مقربین کے طریق پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرتے ہیں اور حضور اکرم علیہ السّلام کی سُنّتوں کے احیاء پر مامور رہتے ہیں جیسا کہ حضرت امامِ ربّانی قُدّس سرّہٗ زندگی بھر سُنّتیں زندہ کرنے کی آرزو میں مچلتے رہے اور آپ نے حتّی المقدور تمام سنّتوں کو زندہ کیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ۔

بیّنہ حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ بہت مدّت کے بعد یہ راز معلوم ہوا کہ احوال و مواجید تو بس راستے میں رہ جانے والی چیزیں ہیں مطلوب اصلی احوال و مواجید سے وراءُالوراء ہے اور سُنّتوں پر عمل کے سوا مطلوب تک جانے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

نماز اوّل وقت میں ادا کرنا افضل ہے

متن نمازِ پنجگانہ را در وقتِ اوّل ادا نماید اِلّا عشاء زمستان کہ تا ثُلُثِ شب تاخیر دران مستحب است درینِ امر فقیر بے اختیار ست نمی خواہد کہ سَرِ مُو تاخیر را در ادائے صلوٰۃ گُنجائش باشد و عجزِ بشریّت مُستثنیٰ است۔

ترجمہ: پانچوں وقت کی نماز کو اوّل وقت میں ادا کیا کریں سوائے سردیوں میں عشاء کی نماز کے کہ اس میں تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے۔ اس معاملے میں فقیر بے اختیار ہے۔ نہیں چاہتا کہ نماز کے ادا کرنے میں بال کے برابر تاخیر ہو لیکن کسی بشری تقاضے کی وجہ سے تاخیر ہو جانا اس سے مُستثنیٰ ہے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ نے احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں رسُولِ اکرم علیہ السّلام کی سُنّت کے تقاضوں کے مطابق پانچوں نمازیں اوّل وقت میں ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ رسُولِ اکرم علیہ السّلام

سے پوچھا گیا اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ یعنی کون سا عمل افضل ہے۔ قَالَ الصَّلٰوۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِہَا[1] آپ علیہ السّلام نے فرمایا اوّل وقت میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔ نیز آپ نے حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائی ہے کہ سردیوں کے موسم میں عشاء کی نماز ادا کرنے میں تہائی رات تک تاخیر مُستحبّ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ ...... لَاَخَّرْتُ صَلٰوۃَ الْعِشَاءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ اَوْ نِصْفِ اللَّیْلِ[2] یعنی اگر مجھے اپنی اُمّت کے مشقت میں پڑ جانے کا خیال نہ ہوتا تو عشاء کی نماز کو تہائی رات یا نصف رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا (کیونکہ یہ افضل اور مستحب ہے) آپ فرماتے ہیں کہ یہ فقیر اس امر میں بے اختیار ہے کہ نماز کی ادائیگی میں سر کے بال کے برابر بھی تاخیر ہو لیکن کسی بشری تقاضے کا حائل ہو جانا ایک استثنائی امر ہے۔

---

[1] ترمذی صہ ۲۴ ج ۱ مسند احمد صہ ۳۷۴ ج ۶ ، [2] ابن ماجہ صہ ۵

دفتر اوّل مکتوب ۳۸

مکتوب الیہ

حضرت شیخ محمّد چتری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

حق تعالیٰ کی صفات لاھو ولا غیرہ ہیں

اقسام معرفت وفنا مقامات عشرہ کی تفصیل

مکتوب ۔ ۳۸

متن وہرچہ ما دونِ ذات بحت است تعالیٰ شانہٗ مُعبَّر بغیر است اگرچہ اَسماء وصفات باشد وآنکہ متکلّمین صفات را لَا ھُوَ وَلَا غَیْرُہٗ گُفتہ اند معنیٰ دیگر دارد واز غیر، غیرِ مُصطلح خواستہ اند وبآن معنیٰ نفی کردہ اند نہ بمعنیٰ مطلق ونفیِ خاص مُستلزمِ نفیِ عام نیست۔

ترجمہ: اور جو کچھ ذاتِ محض حق تعالیٰ کے سوا رہے اس کو غیرِ حق سے تعبیر کیا گیا ہے اگرچہ وہ حق تعالیٰ کے اسماء وصفات ہی ہوں اور یہ جو متکلّمین نے صفاتِ باری تعالیٰ کو لَا ھُوَ وَلَا غَیْرُہٗ کہا ہے اس کا معنیٰ کچھ اور ہے اور غیر سے ان کی مراد اصطلاحی غیر ہے اور انہوں نے اس معنیٰ کی نفی کی ہے، مطلق طور پر نفی نہیں کی اور نفیٔ خاص، نفیٔ عام کو مستلزم نہیں۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ عارفین کے نزدیک ہر مَاسِوَی اللہ کو غیرِ حق کہا جاتا ہے حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات بھی اس کی ذات کا غیر ہیں۔ اس ارشاد سے سالک کو یہ سبق سکھانا مطلوب ہے کہ اس کا مقصود فقط

ذات ہے نہ کہ صفات۔ لہٰذا سالک کو بلند ہمّت ہو کر عُروج کی منازل طے کرنی چاہییں اور ظلال وصفات پر قناعت نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ گرفتارِ صفات بھی گرفتارِ غیر ہے۔

صفاتِ حق لَا هُوَ وَلَا غَيْرُهٗ ہیں

عُلمائے متکلّمین اہلِ سُنّت قدّس اللہ تعالیٰ اَسرارھُم نے صفاتِ حق تعالیٰ کو جو لَا هُوَ وَلَا غَيْرُهٗ قرار دیا ہے اس کا یہ معنیٰ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ انہوں نے صفات کو ذات کا غیر ماننے سے انکار کیا ہے انہوں نے مطلق طور پر غیر کی نفی نہیں فرمائی بلکہ ان کی مُراد اصطلاحی غیر ہے یعنی ایسا غیر جو نہ ذات کا عین ہو اور نہ ذات سے قائم ہو۔ لہٰذا لَا هُوَ میں عینیّت و اتّحاد کی نفی کا معنی پایا جاتا ہے اور لَا غَيْرُهٗ میں ذات پر زائد نہ ہونے اور ذات کے ساتھ قائم نہ ہونے کی نفی کا مفہوم موجُود ہے۔

غیریّت کی دو قسمیں ہیں

غیریّت دو قسم پر ہے۔

۱۔ غیریّتِ مُطلقہ ۲۔ غیریّتِ مُصطلحہ

غیریّتِ مُطلقہ یہ ہے کہ دو چیزوں کے درمیان مفہوم اور مصداق کے اعتبار سے مُغایرت ہو۔

غیریّتِ مُصطلحہ یہ ہے کہ دو چیزوں کے درمیان حقیقی و ذاتی طور پر مغایرت موجود ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں اگرچہ مغایرتِ مفہُومی و مصداقی موجود ہے لیکن مغایرتِ حقیقی ذاتی موجود نہیں ہے کیونکہ صفات اسی ذات کے ساتھ ہی قائم ہیں لہٰذا ذات وصفات کے درمیان غیریّتِ مُطلقہ ہے نہ کہ غیریّتِ مُصطلحہ پس ثابت ہوا کہ متکلّمین نے کلمہ لَا هُوَ کے ساتھ غیریّتِ مُطلقہ کا اثبات کیا ہے اور

کلمہ لاغیرُہٗ کے ساتھ غیریتِ مُصطلحہ کی نفی فرمائی ہے۔

حقیقتِ معرفت

متن و بعضے اربابِ سلوک بہ نہایتِ کار نارسیدہ
چون را بے چون تصوّر کردہ اند و شہود و معرفت را بُود
راہ دادہ اند اربابِ تقلید بمراتب ازینہا بہتر اند

ترجمہ: بعض سالک جو مقصد کی انتہا تک نہیں پہنچے انہوں نے چُون کو بے چُون تصور کرلیا ہے اور اس کو شہود و معرفت سمجھ بیٹھے ہیں، اہلِ تقلید ان سے کئی درجے بہتر ہیں۔

شرح

بعض غیر پُختہ سالکین جو سیرِ عُروجی کے دوران عالمِ وجوب کے مشاہدات میں امتیاز نہیں کرسکتے لامحالہ ایسے ناقص سالکین، تجلیاتِ عالمِ اَرواح یا ظلالِ اسمار وصفات (یا خود صفات) کو عینِ مقصود و مطلوب قرار دے لیتے ہیں اور اس طرح چُون کو بے چُون اور غیرِ مطلوب کو مطلوب سمجھ لیتے ہیں اور اسی کو شہود و معرفت کا نام دے کر ظلال پر قناعت کرلیتے ہیں۔ تقلید والے لوگ ان سے کئی درجے بہتر و افضل ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے کشف کی بجائے مشکوٰۃِ نورِ نبوّت سے حاصل ہونے والے علوم کی تقلید کرتے ہیں جس میں سہو و خطا کو ہرگز دخل نہیں۔ ذات بے چُون ایسے تمام تصوّرات سے بلند و بالا ہے اور علم و شہود و معرفت کو اس کی طرف کوئی راہ نہیں اور لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ [1] اس کی شان کے لائق سب (حاشیہ برصفحہ آئندہ)

سے بہتر تعبیر ہے اور جو کچھ کہ دیکھا، جانا اور پہچانا جاتا ہے سب اس کا غیر ہے اور ان کے ساتھ تعلق قائم کرنا غیر کے ساتھ گرفتار ہونا ہے۔ سب کو کلمہ لَآ اِلٰـهَ کے نیچے لاکر ان کی نفی کرنی چاہیئے اور کلمہ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ فقط ذات بے چون کا اثبات کرنا چاہیئے۔ سالک کو چاہیئے کہ ابتدا میں یہ اثبات تقلید کے طور پر کرتا رہے اور آخر میں تحقیق کے طور پر کرنا خود آسان ہو جائے گا اور اس ضمن میں اکابرین کے اس فرمان کو ملحوظ رکھنا چاہیئے سُبْحَانَ مَنْ لَمْ يَجْعَلْ لِلْخَلْقِ اِلَيْهِ سَبِيْلًا اِلَّا بِالْعِجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِهٖ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے نہیں بنایا مخلوق کے لیے اپنی طرف کوئی راستہ سوائے عجز کے اپنی معرفت سے۔

امامِ اعظم اور معرفت

امامُ الائمہ، امامِ اعظم ابُوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا ہے سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَلٰكِنْ عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ[1] یعنی اے اللہ تو پاک ہے ہم نے تیری عبادت نہیں کی جیسا کہ اس کا حق ہے لیکن ہم نے تیری معرفت کا حق ادا کر دیا ہے۔

اس عبارت میں معرفت کا حق ادا کرنے سے یہی مُراد ہے کہ معرفت کی انتہا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم اس بے چُون و بے چگُون کو نہیں پہچان سکتے۔

حضرت امام ربّانی قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ ہمارے اس قول سے کوئی نادان شخص یہ گمان نہ کرے کہ اس معرفت میں تو خاص و عام سب برابر ہیں کیونکہ معرفت اور علم میں فرق ہے۔ عوام کو اس امر کا علم حاصل ہے اور خواص کو اس کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور معرفت کا مرتبہ علم سے آگے ہے کیونکہ علم ہر خاص و عام

حاشیہ صفحہ گذشتہ [1] الشوریٰ ۱۱ [1] مکتوباتِ سعدیہ

کو حاصل ہو سکتا ہے اور معرفت فنا کے بغیر میسّر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ علم سببِ ادراک ہے اور معرفت میں ادراک نہیں۔ اسی لیے اس معرفت کا نام ادراکِ بسیط ہے یعنی وہ ادراک جس میں مُدرِک، مُدرَک کی تعبیر سے عاجز ہو ادراکِ بسیط کہلاتا ہے۔

اقسامِ معرفت و فنا واضح ہو کہ معرفت، فنا کے بعد میسّر آتی ہے چونکہ فنا کئی قسم کی ہوتی ہے اس لیے معرفت بھی کئی اقسام پر مشتمل ہو گی۔ اگر فنا کامل ہو گی تو معرفت بھی کامل ہو گی اور اگر فنا ناقص ہو گی تو معرفت بھی ناقص ہو گی۔

فنائے اوّل پہلی فنا، صفاتِ اضافیہ کے مرتبے میں ہوتی ہے۔ جب سالک ممکنات سے گزر کر ظلالِ صفات تک پہنچ جاتا ہے یہ فنا کی صورت ہے، حقیقت نہیں۔ کیونکہ صفاتِ اضافیہ، برزخِ وجوب و امکاں ہیں۔

فنائے دوم: یہ دُوسری فنا ہے جو صفات کے مرتبے میں ہوتی ہے۔

فنائے سوم: تیسری فنا شیونات و اعتبارات کے مرتبے میں ہوتی ہے

فنائے چہارم: چوتھی فنا مرتبۂ ذات میں ہوتی ہے جس کو فنائے ذاتی کہتے ہیں اور یہ معرفت کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔

مقاماتِ عشرہ مقدّماتِ فنا ہیں

متن وچون مامور باخلاص است و آن بے فنا صورت نمی بندد و بے محبتِ ذاتیہ متصوّر نمی شود

لاجرم تحصیلِ مقدّمات فنا کہ مقاماتِ عشرہ است می باید کرد اگرچہ فنا مَوہبت محض است امّا مقدمات و مبادئ آن بہ کسب تعلّق دارد اگرچہ بعضے باشند کہ بہ حقیقتِ فنا ایشان را مُشرّف سازند بے آنکہ کسب مقدّمات آن نمایند و بریاضات و مجاہدات حقیقتِ خود را مُصفّا سازند۔

ترجمہ: اور چونکہ انسان کو اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اور وہ بغیر فنا کے میسّر نہیں آتا اور محبّتِ ذاتیہ کے بغیر متصوّر نہیں ہوتا۔ اس لیے لازماً فنا کے مقدّمات یعنی مقاماتِ عشرہ (دس مقامات) کو حاصل کرنا چاہیئے۔ اگرچہ فنا محض عطیۂ خداوندی ہے لیکن اس کے مقدّمات و مُبادی (ابتدائی اُمور) کسب سے تعلّق رکھتے ہیں اگرچہ بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو کسب کے بغیر اور اپنی حقیقت کو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے صاف کیے بغیر حقیقتِ فنا سے مشرّف کر دیتے ہیں۔

شرح

چونکہ انسان شرعاً اخلاص کے حکم کے ساتھ مکلّف ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ[1] اور وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ حُنَفَآءَ[2] نیز حدیث میں ہے: اَسۡعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ مَنۡ قَالَ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خَالِصًا مِّنۡ قَلۡبِہٖ[3]

---

[1] الزمر ۳ [2] البیّنہ ۵ [3] صحیح بخاری صفحہ ۲۰، ج ۱، مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۹

لٰہذا اخلاص ہی ہر عمل کی قبولیت کے لیے رُوحِ رواں کا درجہ رکھتا ہے صوفیائے کرام کے نزدیک اخلاص ہی کا دوسرا نام فنا ہے اور محبتِ ذاتیہ کے بغیر فنا کا تصوّر بھی محال ہے۔ لٰہذا ضروری ہوا کہ فنا کے ابتدائی اُمور (مقدّمات و مبادی) حاصل کیے جائیں اور وہ دس مقامات ہیں جن کو اصطلاحِ صوفیائ میں اُصولِ عشرہ یا مقاماتِ عشرہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ بعض صوفیاء نے انہی مقامات کو طُرقِ وصول الی اللہ کے نام سے بھی تعبیر کیا ہے۔ اکثر طور پر صوفیاء کے تجربہ میں آیا ہے کہ ان دس مقامات کا حصول فنائے کامل کا سبب بنتا ہے لیکن بعض اوقات مقاماتِ عشرہ کو حاصل کیے بغیر بھی محض فضلِ خداوندی سے فنائے کامل عطا ہو جاتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ[۱]

داد حق را قابلیّت شرط نیست
بلکہ شرطِ قابلیّت داد اُوست

مقاماتِ عشرہ کی تفصیل

راہِ وصُول کے حسب ذیل دس اُصول یا دس مقام ہیں:

توبہ، زُہد، قناعت، توکّل، صبر، شکر، خوف، رجا، فقر اور رضا۔

توبہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[۲]

حدیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: یٰاَیُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ فِی الْیَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ[۳] یعنی اے لوگو! اللہ کی طرف توبہ کرو بے شک میں بھی روزانہ اللہ کے حضور سَو بار توبہ کرتا ہوں۔

عربی لغت میں توبہ کے حقیقی معنی "رجُوع کرنے" کے ہیں۔

---

[۱] الشوریٰ ۱۳، [۲] النور ۳۱، [۳] صحیح مسلم ص ۳۴۶ ج ۲

اَلتَّوْبَۃُ رُجُوْعٌ عَمَّا کَانَ مَذْمُوْمًا فِی الشَّرْعِ اِلٰی مَا هُوَ مَحْمُوْدٌ فِیْہِ ؎[1]

(یعنی) شریعت میں جو کچھ مذموم (بُرا کام) ہے اس سے لوٹ کر محمود (اچھا کام) کی طرف آجانے کا نام توبہ ہے۔

سچی توبہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب بنا لیتا ہے اور انہیں مندرجہ ذیل انعامات سے نوازتا ہے۔

اوّل: مغفرت عطا فرماتا ہے۔

دوم: آسمان سے بارشیں نازل فرماتا ہے۔

سوم: مال، اولاد، باغات و انہار جیسی مختلف نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے، جیساکہ قرآنِ حکیم میں وعدہ فرمایا ہے فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ط اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ○ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا ○ وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ...... ؎[2]

بزرگانِ دین نے فرمایا اگر گناہ کے بعد آٹھ کام کیے جائیں تو گناہ کا کفارہ ہو جاتے ہیں ان میں سے چار کاموں کا تعلق دل سے ہے اور چار کا تعلق بدن سے۔

دل سے متعلق یہ ہیں ۱۔ سچی توبہ کرنا ۲۔ آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم ۳۔ گناہ کی وجہ سے خوفِ عذاب کا غلبہ ۴۔ معافی کی اُمید

بدن سے متعلق یہ ہیں ۱ دو نفل نمازِ توبہ ۲ ستر یا سو بار اِستغفار ۳ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ ۴ ایک دن کا نفلی روزہ رکھ کر صدقہ کرے اور آئندہ بُری صحبت ترک کر دے۔

واضح رہے کہ توبہ وصُول الیٰ اللہ کے لیے پہلی شرط ہے۔ سالک مقامِ توبہ میں

؎[1] کتاب التعریفات ص ۳۲ ؎[2] نوح ۱۰ تا ۱۲

سیر کرتا ہوا خدا تک پہنچتا ہے فَمَنْ لَا تَوْبَةَ لَهُ لَا سَيْرَ لَهُ، پس جس کی توبہ نہیں اس کی سیر نہیں۔

زُھد ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ[1] یعنی نہیں ہے دنیوی زندگی مگر کھیل اور تماشا۔

حدیثِ نبوی علی صاحبہا الصلوات میں ہے:

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ[2] یعنی دُنیا میں غریب (اجنبی) یا مُسافر کی طرح رہو۔ قَالَ الْاِمَامُ الْجُنَيْدُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الزُّهْدُ اِسْتِصْغَارُ الدُّنْيَا وَمَحْوُ آثَارِهَا مِنَ الْقَلْبِ[3] یعنی حضرت امام جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دُنیا کو حقیر جاننا اور دل سے اس کے نشانات محو کرنا زُھد ہے۔

زُھد ایک مرتبۂ قلبیہ ہے اس مرتبے میں سالک کے قلب سے دُنیا کی محبّت نکل جاتی ہے اور وہ قلبی طور پر دُنیا کی طرف التفات نہیں رکھتا۔ اس کے لیے فقر و غنا اور اخذ و عطا کی دونوں حالتیں برابر ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ قلبی طور پر طلبِ دُنیا اور خواہشاتِ نفس سے فارغ ہوچکا ہوتا ہے۔ زھد کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ بندہ کا ہاتھ دُنیا کے مال سے خالی ہوجائے اور کسبِ حلال چھوڑ کر محتاجی کی زندگی گزارے۔

حضرت سیّدنا صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ یُوں دُعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ ابْسُطْ لِيَ الدُّنْيَا وَ زَهِّدْنِيْ عَنْهَا[4] حضرت علاّمہ المناوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا فَلَيْسَ الزُّهْدُ تَجَنُّبَ الْمَالِ بِالْكُلِّيَّةِ بَلْ تَسَاوِيْ وُجُوْدُهٗ وَ عَدَمُهٗ، وَعَدَمُ تَعَلُّقِهٖ بِالْقَلْبِ اِلَيْهِ[5]

یعنی زُھد، مالِ دنیا سے مکمل طور پر اجتناب کرنے کا نام نہیں بلکہ زُھد یہ ہے

---

[1] العنکبوت ۶۴ [2] صحیح بخاری ص۹۴۹ ج۲ مشکوٰۃ ص۱۳۹ [3] رسالہ قشیریہ، [4] کشف المحجوب [5] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ص۶۲، ج۴

کہ دنیا کے مال کا ہونا اور نہ ہونا سالک کے لیے برابر ہو جائے اس طرح کہ اس کا مال کے ساتھ قلبی تعلق نہ رہے تاکہ آفاتِ دنیا سے محفوظ رہے۔

زھد کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کے لیے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل واضح صورت میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام الزّاھدین ہو کر بھی گوشت، حلوہ اور شہد استعمال میں لاتے اور ازواجِ مطہرات، خوشبو اور اچھے لباس کو پسند فرماتے تھے۔ بعض کم فہم لوگوں نے اسلام میں زُہد کے وجود سے انکار کیا ہے اور اس کو رہبانیّت سمجھ کر بدعت قرار دیا ہے۔ درحقیقت وہ لوگ حقیقتِ اسلام سے جاہل ہیں انہوں نے صُوفیاءِ کرام پر زبانِ طعن دراز کر کے زُھد کے بارے میں صوفیاءِ کرام کے اصل مؤقف سے بے خبری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اگر یہ لوگ کتاب و سنّت کی طرف رجُوع کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زُھد کی تعلیم و ترغیب دی ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ[1] (یعنی تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے غافل رکھا۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے) کے علاوہ متعدد آیاتِ قرآنیہ اس امر پر روشن دلیل ہیں اور مختلف احادیثِ مُقدّسہ میں بھی زُھد کی صراحتاً ترغیب و تعمیل کا حکم موجود ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل حدیث پر غور کرنا چاہیئے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِنِ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهٗ اَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَاَحَبَّنِيَ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ

---

[1] التکاثر ۱، ۲

وَازْهَدْ فِیْمَا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ یُحِبُّوْكَ[۱]

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ مجھے ایسا عمل بتایا جائے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے میرے ساتھ محبت کیا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں زُہد اختیار کر، اس سے اللہ تعالیٰ اور لوگ تیرے ساتھ محبت کریں گے۔

قناعت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً[۲]

◎ صاحبِ رسالہ قشیریہ نے تحریر فرمایا ہے کہ بہت سے اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ اس آیت میں حیاتِ طیبہ سے مُراد دنیا میں قناعت ہے۔ دُوسری آیت میں فرمایا گیا لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا[۳] اس آیت کی تفسیر میں بھی بعض نے فرمایا ہے کہ رزقِ حسن سے مُراد قناعت ہے۔

◎ حضرت سلیمان علیہ السّلام کی دُعا هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ[۴] کی تفسیر میں بعض نے لکھا ہے کہ مُلک سے مراد قناعت کا مقام ہے۔

◎ حدیث میں ہے اَلْقَنَاعَةُ مَالٌ لَا یَنْفَدُ وَكَنْزٌ لَا یَفْنٰی[۵] یعنی قناعت نہ ختم ہونے والا مال اور خزانہ ہے۔

◎ حضرت ابُوعبد اللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مفقود چیز کی اُمید کو ترک کرنے اور موجود چیز کے ساتھ استغناء کا نام قناعت ہے۔

◎ حضرت محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو رزق کسی انسان کی قسمت

---

[۱] ابن ماجہ صــ ۳۱۱ [۲] النحل ۹۷ [۳] الحج ۵۸ [۴] صٓ ۳۵ [۵] المقاصد الحسنۃ صــ ۳۱۵

میں لکھا جاچکا ہے اس پر راضی رہنے کا نام قناعت ہے۔

توکّل

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[1] نیز فرمایا: وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ[2]
ان آیات میں توکل کو ایمان کے ساتھ مربوط ومشروط فرمایا گیا ہے لہٰذا توکل ایمان کے نتائج وثمرات سے ہے۔

حدیث میں ہے: لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْا خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا[3]

اس حدیث میں توکل کی اہمیت کے ساتھ ساتھ یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ توکل، اسباب سے متعارض نہیں کیونکہ پرندہ بھی صبح سے شام تک رزق کی تلاش میں کوشش و محنت کرتا رہتا ہے اور اپنے رزق دینے والے پر اعتماد اور توکل کی برکت سے بھوکا پرندہ شام کو سیر ہو کر واپس لوٹتا ہے۔ ایک حدیث میں اُمّت مسلمہ کو توکل کی یوں ترغیب دی گئی ہے: اِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَيْتِهٖ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ يُقَالُ حِيْنَئِذٍ هُدِيْتَ وَكُفِيْتَ وَوُقِيْتَ فَيَتَنَحّٰى لَهُ الشَّيْطَانُ فَيَقُوْلُ شَيْطَانٌ اٰخَرُ كَيْفَ لَكَ بِرَجُلٍ قَدْ هُدِيَ وَكُفِيَ وَوُقِيَ[4]

اس حدیث میں مذکورہ دُعا کو گھر سے نکلتے وقت پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے اور شیطان اس سے دُور بھاگ جاتا ہے اس کی وجہ توکل علی اللہ ہے۔

---

[1] المائدة ۲۳ [2] المائدة ۱۱ [3] جامع ترمذی صفحہ ۵۷ ج ۲ [4] ابوداؤد صفحہ ۳۳۹ ج ۲

توکّل کی تعریف کچھ یوں ہے : اَلتَّوَکُّلُ هُوَ الثِّقَةُ بِمَا عِنْدَ اللّٰهِ وَالْيَأْسُ عَمَّا فِيْ اَيْدِى النَّاسِ[1] یعنی توکّل یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس پر اعتماد ہو اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوسی ہو۔

◎ توکّل ایک مرتبۂ قلبیہ ہے جس میں متوکّل بندہ اپنے اُمور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے اور تمام احوال میں اسی پر اعتماد کرتا ہے اور اپنی کوشش اور محنت کے بعد نتیجہ مُسَبِّبُ الاسباب پر چھوڑ دیتا ہے۔ لہٰذا توکّل اور اسباب کے درمیان کسی قسم کا تعارض نہیں کیونکہ توکّل کا محل قلب ہے اور اسباب کا محل بدن ہے۔

◎ بعض جُہلاء کے نزدیک توکّل، ترکِ اسباب، ترکِ علاج اور ترکِ جُہد کا نام ہے (معاذ اللہ) توکّل کا یہ مفہوم خلافِ کتاب و سُنّت ہے۔

◎ توکّل علی اللہ سے دِلوں میں سکون و اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ خاص کر مصائب اور مُشکلات کے وقت توکّل عَلَی اللہ بندے کے لیے آخری سہارا ثابت ہوتا ہے۔

◎ اہلِ توکّل کا وظیفہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام جب آگ میں پھینکے گئے تو آپ نے یہی وظیفہ پڑھا تھا[2] اور حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثرت کے ساتھ یہی وظیفہ پڑھا کرتے تھے۔

صبر

اللہ ربّ العزت جلّ جلالہٗ کا ارشاد ہے : اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ[3] اس آیت میں صبر والوں کے لیے بغیر حساب کے اجر وجزا ملنے کی خبر دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں مُتعدد مقامات پر صبر کی اہمیت اور صابرین کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔

---

[1] التعریفات صہ ۳۱ [2] صحیح بخاری صہ ۶۵۵ ج ۲ [3] الزمر ۱۰

حدیثِ پاک میں ہے: اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا کَانَ یُخَالِطُ النَّاسَ وَیَصْبِرُ عَلٰی اَذَاھُمْ خَیْرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِ الَّذِیْ لَا یُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا یَصْبِرُ عَلٰی اَذَاھُمْ[1]۔ اس حدیث میں لوگوں کی اذیتوں پر صبر کرنے والے کو صبر نہ کرنے والوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔

◎ صاحبِ کتاب التعریفات لکھتے ہیں: اَلصَّبْرُ ھُوَ تَرْکُ الشَّکْوٰی مِنَ اَلَمِ الْبَلْوٰی لِغَیْرِ اللّٰہِ[2] یعنی ابتلاء کے وقت لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکوہ نہ کرنے کا نام صبر ہے۔

◎ علماء نے صبر کی بہت سی اقسام بیان فرمائی ہیں ان تمام اقسام کا خلاصہ تین اقسام پر مشتمل ہے۔ (۱) اَلصَّبْرُ عَلَی الطَّاعَاتِ (عبادات پر صبر) (۲) اَلصَّبْرُ عَلَی الْمَصَائِبِ (مصائب پر صبر) (۳) اَلصَّبْرُ عَنِ الْمَعَاصِیْ (گناہوں سے صبر) غرضیکہ صبر انبیاء کی صفت ہے، اولیاء کی زینت ہے، فقراء کی خلعت ہے، حسنات کی کلید ہے، خیرات کی نوید ہے اور صابروں کی عید ہے۔

شکر فرمانِ باری تعالیٰ ہے: وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ[3] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور ناشکری کرنے سے روکا ہے۔ نیز فرمایا: لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ[4] اس آیت میں وعدہ فرمایا گیا ہے کہ شکر کرنے والوں کے لیے نعمتوں میں اضافہ کیا جائے گا۔ حدیث میں ارشاد فرمایا: اَلطَّاعِمُ الشَّاکِرُ مِثْلُ الصَّائِمِ الصَّابِرِ[5] یعنی اللہ کا دیا ہوا رزق کھا کر شکر کرنے والا صبر کرنے والے روزے دار کی طرح ہے۔

---

[1] ترمذی ص۷۳ ج ۲ ، [2] کتاب التعریفات ص۵۷ ، [3] البقرہ ۱۵۲ ، [4] ابراہیم ۷ ، [5] صحیح بخاری ص۸۲۰ ج ۲

◎ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کریں۔ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ[1]۔

◎ حضرت علامہ ابن علان الصدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے شکر کی تعریف میں فرمایا اَلشُّکْرُ الْاِعْتِرَافُ بِالنِّعْمَۃِ وَالْقِیَامُ بِالْخِدْمَۃِ فَمَنْ کَثُرَ ذَالِکَ مِنْہُ سُمِّیَ شُکُوْرًا وَمِنْ ثَمَّ قَالَ سُبْحَانَہٗ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ[2] یعنی نعمت کے اعتراف اور خدمت کے ساتھ قیام کا نام شکر ہے اگر کوئی شخص اس میں اضافہ کی توفیق پائے تو اس کو شکور کہا جاتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے شکور (شکر گزار) بندے تھوڑے ہیں۔

◎ صاحب کتاب التعریفات فرماتے ہیں اَلشُّکْرُ الْعُرْفِیُّ ھُوَ صَرْفُ الْعَبْدِ جَمِیْعَ مَا اَنْعَمَہُ اللّٰہُ بِہٖ عَلَیْہِ مِنَ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَغَیْرِھِمَا اِلٰی مَا خُلِقَ لِاَجْلِہٖ[3] یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو اسی مقصد کے لیے صرف کرنا جس کے لیے وہ نعمتیں پیدا کی گئی ہیں شکر کہلاتا ہے شکر کی اجمالی طور پر تین اقسام ہیں۔ شکر اللسان (زبان سے شکر ادا کرنا) شکر الارکان (اعمال کے ذریعے شکر کرنا) اور شکر الجنان (دل سے شکر کرنا کہ یہ نعمت اللہ کی طرف سے ہے)

شکر اللسان تحدیثِ نعمت کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ[4]

شکر الارکان عملِ خالص کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا اِعْمَلُوْٓا اٰلَ

---

[1] ابوداؤد ص۲۱۳ ج۱ [2] دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج۲ ص۳ [3] کتاب التعریفات ص۵۶ [4] الضحیٰ ۱۱

دَاوٗدَ شُكْرًا [1]

شُکرالجنان شہادتِ قلبی کو کہتے ہیں۔ جیساکہ فرمایا وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ [2] (کمافی حقائق عن التصوف للشیخ عبدالقادر عیسیٰ)

خوف اللہ ربُّ العزّت کا ارشاد ہے: وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى [3] اس آیت میں خوفِ خدا رکھنے والے اور نفس کو ناجائز خواہشات سے روکنے والے کے لیے جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔ نیز فرمایا وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [4] اس آیت میں خوف کو ایمان کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكٰى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ [5] اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والے کے لیے عذابِ دوزخ سے رہائی کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

◎ امام غزالی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں قَدْ يَكُوْنُ الْخَوْفُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِمَعْرِفَةِ صِفَاتِهٖ یعنی بندے کو کبھی اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت خوف کے درجے پر پہنچا دیتی ہے۔ اسی مرتبے والوں کے حق میں فرمایا گیا اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا [6] یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے عُلماء (معرفت والے) ہی اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتے ہیں۔

◎ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کے لیے مناسب یہی ہے کہ خوفِ خدا کے سوا کوئی اور چیز اس پر غالب نہ ہو۔ نیز فرمایا صُوفیاء کو خوف

---

[1] السبا، ۱۳ [2] النحل ۵۳ [3] النازعات ۴۰، ۴۱ [4] آل عمران ۱۷۵
[5] جامع ترمذی ص۱۹۶ ج ۱ [6] الفاطر ۲۸

ہی کی بدولت بلند مرتبے ملے ہیں اگر اسے کھو دیتے ہیں تو نیچے اتر آتے ہیں۔[1]

◎ حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوف اور رجا، نفسوں کے لیے دو لگاموں کا کام دیتے ہیں تاکہ نفوس رعونت و تکبّر اختیار نہ کریں۔

◎ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت رابعہ عدویہ البصریہ، رحمہا اللہ زیادہ رونے اور غم کرنے والی تھیں۔ جب عذاب دوزخ کا ذکر سنتی تھیں تو ڈر کے مارے بے ہوش ہو جاتی تھیں آپ کے سجدوں کی جگہ آنسوؤں کی کثرت سے چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑ جاتے تھے گویا آپ یہ سمجھتی تھیں کہ آگ صرف میرے لیے بنائی گئی ہے۔[2]

رجا

قرآن حکیم میں ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ[3] اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان والوں اور اپنی راہ میں ہجرت اور جہاد کرنے والوں کو اپنی رحمت کا امید وار قرار دیا ہے۔ نیز فرمایا: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ[4] یعنی میری رحمت سے ناامید مت بنو۔

حدیث میں ہے: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِکُمْ وَلَجَآءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ فَیَغْفِرَ لَهُمْ[5] اس حدیث میں گناہ گاروں کو توبہ کرنے کی برکت سے مغفرت کی امید دلائی گئی ہے۔

---

[1] رسالہ قشیریہ [2] حقائق عن التصوّف للشیخ عبد القادر عیسیٰ [3] البقرہ ۲۱۸ [4] الزمر ۵۳ [5] صحیح مسلم ص ۳۵۵ ج ۲

رجاء کے بارے میں صوفیاء کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ سے اس کے کرم کی اُمید کا نام رجاء ہے۔ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ کے جلال کو جمال کی آنکھوں سے دیکھنے کا نام رجاء ہے بعض نے کہا اللہ تعالیٰ کی مہربانی پر خوشی کا اظہار کرنا رجاء ہے بعض نے کہا جس نے اپنے نفس کو صرف رجاء پر رکھا اس نے عمل چھوڑ دیا اور جس نے اپنے نفس کو صرف خوف پر رکھا وہ مایوس ہو گیا لہٰذا انسان کو خوف و رجاء دونوں رکھنے چاہئیں کیونکہ ایمان خوف اور اُمید کی درمیانی (ملی جُلی) کیفیّت کا نام ہے۔

فقر فرمانِ باری تعالیٰ ہے: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ[1] اس آیت میں فقراء کی تعریف میں فرمایا گیا ہے کہ فقیر وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں رُکے ہوئے ہیں۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا: اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ[2] یعنی فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے۔ نیز فرمایا فقراء مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنّت میں جائیں گے[3]

بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب سے افضل مقام یہ ہے کہ انسان قبر تک فقر پر صبر کرنے کا عزم بالجزم کر لے۔ ذُوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے پر اللہ کی ناراضگی کی علامت یہ ہے کہ بندہ فقر سے ڈرتا ہو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک نہ سمجھنا اور کسی بھی صفت کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا فقر ہے۔ ابوبکر مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا فقیر وہ ہے جو نہ کسی کا مالک ہو اور نہ مالک ہونے کی خواہش کرے[4]۔

غرضیکہ صوفیاء کرام کے نزدیک اپنے وجُودِ اضافی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے فنا کر کے مخلوق سے بے نیاز ہو جانے کا نام فقر ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا گیا ہے:

---

[1] البقرہ ۲۷۳ [2] الاسرار المرفوعہ ص۱۶۶، المقاصد الحسنہ ص۳۰۷، [3] جامع ترمذی ج۲ ص۵۸ [4] رسالہ قشیریہ

اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْہِ فِی الدَّارَیْنِ[1] یعنی دونوں عالم میں سَوادُ الوجہ (رُوسیاہ) ہوجانا فقر ہے۔ سَوادُ الوَجہ سے مُراد دونوں عالم کے علائق سے پاک ہوکر ذات اُحدیّت صرفہ میں محو اور فنا ہوجانا ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے قول اَلْفَقِیْرُ لَا یَفْتَقِرُ اِلٰی نَفْسِہٖ وَلَا اِلٰی غَیْرِہٖ (فقیر نہ اپنا محتاج ہوتا ہے نہ غیر کا) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

فقر سے مُراد وہ فقر ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فخر قرار دیا ہے نہ کہ فقرِ مُکِبّ (ذلیل کرنے والا) جس سے پناہ مانگی گئی ہے۔

رضا قرآنِ عظیم میں ہے: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ[2] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کو تمام نعمتوں سے بڑی نعمت قرار دیا ہے۔ نیز فرمایا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ[3] اس آیت میں رضا کو متبادل قرار دیا گیا ہے کیونکہ حقیقی رضا کا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہوجائے اور بندہ اللہ سے راضی ہوجائے تاکہ دونوں رضائیں مُتلازِم اور مُترابِط ہوجائیں اور بندہ اللہ سے کبھی راضی نہیں ہوسکتا جب تک اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہ ہو۔

حدیث میں ہے: ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ تَعَالٰی رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا[4]

اس حدیث میں اہلِ رضا کے لیے ایمان کی حلاوت (مٹھاس) ثابت کی گئی ہے۔ کیونکہ جو شخص لذّتِ ایمان سے محرُوم رہ جاتا ہے اس کے لیے دُنیا و آخرت میں قلق و اضطراب کے سِوا کچھ نہیں ہوتا۔

حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مرتبۂ رضا حاصل کرنے

---

[1] مکتوباتِ سعیدیہ [2] التوبہ ۷۲ [3] التوبہ ۱۰۰ [4] صحیح مسلم ص۴۷ ج ۱

کی تلقین فرمایا کرتے تھے اور درج ذیل دُعا کے تکرار کا حکم فرمایا کرتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مَنْ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ وَاِذَا اَمْسٰی رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّرْضِیَہٗ [1] یہ دُعا پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عُمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابُوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا : "سلام وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ بھلائی ہمہ تن رضا میں ہے اگر تم اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی رہ سکو تو بہتر ہے ورنہ صبر اختیار کرو۔"

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا : بندے کے اپنے اختیار کا اُٹھ جانا رضا ہے۔ حضرت ابُوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں دُنیا کی قدر و منزلت ہو وہ رضا کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ نے فرمایا : بندہ اس وقت تک راضی برضا کہلانے کا حق دار نہیں ہو سکتا جب تک وہ مصیبت میں اسی طرح خوش نہ ہو جس طرح آرام میں خوش تھا۔[2]

---

[1] ابُوداؤد ص ۳۳۶ ج ۲ [2] رسالہ قشیریہ

دفترِ اوّل مکتوب ۳۹

مکتوب الیہ

حضرت شیخ محمّد چتری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

اعمال واحوال کا دار و مدار قلبِ سلیم پر ہے

اقسامِ قلب۔ امراضِ قلب۔ خطراتِ قلب

مکتوب ۔ ۳۹

متن مدارِ کار بر قلب ست اگر دل بغیرِ اُو سُبحانہٗ گرفتار ست خراب و اَبتر ست از مجرّدِ اعمالِ صوری و عباداتِ رسمی کارے نمی کشاید سلامتیٔ قلب از التفات بما سوائے اُو تعالیٰ و اعمالِ صالحہ کہ ببدن تعلّق دارند و شریعت باتیانِ آن امر فرمودہ ہر دو درکارست، دعویٔ سلامتِ قلب بے اتیانِ اعمالِ صالحۂ بَدنیّہ باطل ست ہم چنانکہ درین نشأۃ روح بے بدن غیر مُتصوّر ست احوالِ قلبی بے اعمالِ صالحۂ بَدنی مُحالست بسیارے از ملحدان این وقت باین قسم دعویٰ اِدّعا می نمایند۔

ترجمہ: کام کا دارو مدار دِل پر ہے اگر دل اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے غیر کے ساتھ گرفتار ہے تو برباد اور بُرا ہے صرف ظاہری عملوں اور رسمی عبادتوں سے کام نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف توجّہ کرنے سے دل کو محفوظ رکھنا اور وہ اعمالِ صالحہ جو بدن سے تعلّق رکھتے ہیں اور شریعت نے ان کی ادائیگی کا حکم دیا ہے یہ دونوں کام درکار ہیں اعمالِ صالحہ بدنیہ کی ادائیگی کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ باطل ہے جس طرح کہ اس دنیا میں بدن کے بغیر رُوح کا ہونا متصوّر نہیں اسی طرح اعمالِ صالحہ بُدنیّہ کے بغیر احوالِ قلبیّہ کا حصُول محال ہے۔ آج کل کے بہت سے بے دین لوگ اس قسم کے

دعوے کرتے ہیں

شرح

حضرت امام ربّانی قدس سرّہٗ نے اس مکتوب میں ان لوگوں کو تنبیہہ فرمائی ہے جو عبادات کو ظاہرِ شریعت میں منحصر سمجھتے ہیں اور حضورِ قلبی و اخلاصِ عمل کو عبادت میں شمار نہیں کرتے اور اسی طرح ملحد اور بے دین لوگ جو ظاہرِ شریعت (اعمالِ بدنیہ) کے بغیر سلامتیٔ قلب کا دعویٰ کرتے ہیں اور عبادات کی ادائیگی کو ضروری نہیں جانتے آپ نے ان کی بھی مذمت بیان فرمائی ہے۔

اعمال و احوال کا دار و مدار قلب پر ہے حقیقتُ الامر یہ ہے کہ قرآن و سُنّت سے اعمالِ ظاہری اور احوالِ باطنی (دونوں اُمور) کا تلازُم ثابت ہوتا ہے۔ سلامتیٔ قلب کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے: یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ[1] یعنی قیامت کے دن مال اور بیٹے نفع نہ دیں گے مگر جو شخص اس کے سامنے قلبِ سلیم لے کر حاضر ہوا۔

اور اعمالِ ظاہری کے متعلق فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا[2]

یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بجا لائے ان کی منزل جنّتُ الفردوس ہے۔

بلکہ اگر اعمالِ ظاہری میں ریا کا عُنصر شامل ہو جائے تو عند الشّرع بھی وہ عمل

---

[1] الشعراء ۸۸، ۸۹ [2] الکہف ۱۰۷

باطل و فاسد ہو جاتا ہے جس طرح کفر و شرک تمام اعمالِ صالحہ کو برباد کر دیتا ہے اسی طرح ریا بھی (جو کہ شرکِ خفی ہے) اعمالِ صالحہ کے فساد کو مستلزم ہے۔

معلوم ہوا کہ ظاہری اعمال کی قبولیت بھی حضورِ قلب پر منحصر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ[1] یعنی حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ[2] کے مطابق نماز مومن کی معراج اسی صورت میں ہے جب نماز حضورِ قلب سے ادا کی جائے اور حضورِ قلب ان لوگوں کا حصہ ہے جو سلیم القلب ہیں اور قلب کی سلامتی ماسوی اللہ کی گرفتاری سے آزادی کا نام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ[3] یعنی شعائر اللہ کی تعظیم دل کا تقویٰ ہے۔

معلوم ہوا کہ دِل کا تقویٰ عند الشرع مطلوب ہے اور اعمال و احوال کی صحت کا نام ہی تقویٰ ہے۔

حدیث میں ارشاد ہے:

---

[1] صاحب تشیید المبانی رقمطراز ہیں قَالَ الْمُخَرِّجُ لَمْ اَجِدْہُ بِھٰذَا اللَّفْظِ اِنْتَھٰی قُلْتُ ھٰذَا حَدِیْثٌ مَشْھُوْرٌ فِیْ کُتُبِ الصُّوْفِیَۃِ (تشیید المبانی ص۴۲)

اس حدیث کا مفہوم درج ذیل حدیث کے مطابق ہے لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ اِلٰی صَلٰوۃٍ لَا یُحْضِرُ الرَّجُلُ فِیْھَا قَلْبَہٗ مَعَ بَدَنِہٖ (احیاء العلوم ص۱۱۰ ج۱)

[2] صاحب تشیید المبانی تحریر فرماتے ہیں قَالَ الْمُخَرِّجُ لَمْ اَجِدْ لَہٗ اَصْلًا اِنْتَھٰی قُلْتُ اَلْحَدِیْثُ مَشْھُوْرٌ فِیْ کُتُبِ الصُّوْفِیَّۃِ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ (تشیید المبانی ص۵۴)

[3] الحج ۳۲

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ[1]

یعنی خبردار جسم کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے خبردار اور وہ قلب ہے۔

معلوم ہوا کہ قلب کی اصلاح سے سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور جسم عبادات و طاعات پر مستقیم اور راغب ہو جاتا ہے۔ نیز ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِلٰی اَجْسَادِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ[2]

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صُورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ مزید ارشاد فرمایا: اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا[3]۔ تقویٰ یہاں ہے (تین مرتبہ دِل کی طرف اشارہ فرمایا۔)

معلوم ہوا کہ دل اور عمل دونوں متلازم ہیں جس سے احوال و اعمال کا تلازم ثابت ہوتا ہے۔ (وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ)

اسی طرح اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ[4] سے بھی اعمال کا دار و مدار دل پر ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ نیّت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔

اقسامِ قلب

قرآن کی رُو سے قلب کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ قلبِ منیب ۲۔ قلبِ شہید ۳۔ قلبِ سلیم

---

[1] صحیح بخاری ص۱۳ ج۱، [2] صحیح مسلم ص۳۱۷ ج۲، [3] صحیح بخاری ص۔، [4] صحیح بُخاری ص۲ ج۱

قلبِ مُنیب قلبِ مُنیب وہ ہے جس سے خطراتِ رُوحی اور نیک کام ظاہر ہوں مثلاً تقویٰ، مجاھدہ، عبادت اور ریاضت وغیرہ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ [1]

قلبِ شہید قلبِ شہید وہ ہے جس کو عرش اللہ کہا گیا ہے۔ قلبِ شہید کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ [2]

قلبِ سلیم قلبِ سلیم وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت سما جائے اور ماسوی اللہ سے فارغ ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ [3]

اَمراضِ قلب صوفیائے کرام کے نزدیک قلب کی بیماریاں بھی تین ہی ہیں جن سے سالک کو بچنا چاہیئے۔ قلبِ مریض کو قلب سقیم بھی کہتے ہیں۔

حدیثِ نفس: اپنے ارادہ و اختیار سے دل میں باتیں کرتے رہنا۔

خطرہ: بغیر ارادہ و اختیار کے دل میں باتوں کا گزرتے رہنا۔

نظر بہ غیر: اشیائے متکثرہ کو دیکھنے سے مختلف چیزوں کے علوم و خیالات حاصل ہوتے رہنا۔

خطراتِ قلب انسان کے دل پر مختلف قسم کے خطابات وارد ہوتے رہتے ہیں جن سے سالک کو آگاہ رہنا چاہیئے وہ چار قسم کے ہیں:

---

[1] قٓ ۳۳، [2] قٓ ۳۷، [3] الشعراء ۸۸، ۸۹

خطرۂ نفسانی: اگر خطاب نفس کی طرف سے وارد ہو تو اس کو خطرۂ نفسانی کہتے ہیں۔ اس کو ہواجس بھی کہا جاتا ہے۔

خطرۂ شیطانی: اگر خطاب شیطان کی جانب سے ہو تو خطرۂ شیطانی کہتے ہیں اس کو وسواس بھی کہتے ہیں۔

خطرۂ ملکی: اگر فرشتے کی جانب سے ہو تو خطرۂ ملکی یا الہام کہتے ہیں۔

خطرۂ رحمانی: اگر حق تعالیٰ کی جانب سے ہو تو خطرہ رحمانی کہا جاتا ہے۔

بیّنہ خطرۂ نفسانی میں شہوت ولذّتِ نفس کا شوق اُبھرتا ہے اور یہ دیر پا ہوتا ہے۔ خطرۂ شیطانی میں دل کے اندر معصیت کی خواہش چٹکیاں لیتی ہے۔ یہ جلدی چلا بھی جاتا ہے۔ خطرہ ملکی میں اذکار و عبادت کا شوق پیدا ہوتا ہے لیکن یہ خطرہ بھی عارضی ہوتا ہے سالک کو چاہیئے کہ اس کی طرف فوراً عملی رجُوع کرے تاکہ غائب نہ ہو جائے۔ خطرۂ رحمانی میں محبتِ الٰہی اور مشاھدۂ حق کا شوق پیدا ہوتا ہے یہ خطرہ مُبارکہ سالک کے دل میں مستقل قیام کر لیتا ہے اور جانے کا نام نہیں لیتا اور دِل کو غیر کی جانب متوجّہ نہیں ہونے دیتا۔

دفترِ اوّل مکتوب ۴۰

مکتوب الیہ

حضرت شیخ محمّد چتری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

منازلِ سلوک طے کرنے سے مقصود حصولِ اخلاص ہے

علم کی اقسام

مکتوب - ۴۰

متن مخدوما بعد از طیِ منازلِ سلوک وقطعِ مقاماتِ جذبہ معلوم شد کہ مقصود ازین سیر وسلوک تحصیلِ مقامِ اخلاص ست کہ مربوط بفنائے آلہۂ آفاقی وانفسی ست۔

ترجمہ: اے میرے مخدوم! سلوک کی منزلیں اور جذبہ کے مقامات طے کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس سیر وسلوک سے مقصود مقامِ اخلاص کا حاصل کرنا ہے جو آفاقی وانفسی معبودوں کی فنا پر موقوف ہے۔

شرح

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ منازل سلوک طے کرنے اور مقامات جذبہ حاصل کرنے کے بعد یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ سیر وسلوک سے مقصود مقامِ اخلاص کا حصول ہے جو کہ آفاقی (بیرونی) اور انفسی (اندرونی) خداؤں کی نفی کے ساتھ مربوط ہے اور مقامِ اخلاص، اجزاء شریعت میں سے تیسرا جزء ہے جیسا کہ آپ نے ایک دوسرے مکتوب میں فرمایا کہ شریعت کے تین اجزاء ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ [1] اور اسی طرح دوسری جگہ ہے

---

[1] البینہ ۵

اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ[1] نیز حدیثِ مبارکہ میں ہے اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِہٖ[2]

وہ علماء جو اخلاص کے مقام سے غافل ہیں اور فنا و بقا سے مشرّف نہیں ہوئے اخلاص کو شریعت سے الگ سمجھتے ہیں اور امرِ زائد خیال کرتے ہیں، دراصل وہ علمائے ظواہر ہیں اور اُمورِ شرعیہ سے جاہل و بے خبر ہیں۔ اسی طرح وہ علماء جو علمی طور پر لفظ فنا و بقا سے واقف ہیں لیکن حالی طور پر حقیقتِ فنا و بقا سے مشرّف نہیں ہیں اور شریعت کو پوست خیال کرتے ہیں اور طریقت و حقیقت کو مغز سمجھتے ہیں وہ مغرور اور مفتون ہیں۔ اگر فنا و بقا کی حقیقت سے فیض یاب ہوتے تو اس قسم کی باتیں نہ کرتے اور اس راز کو پا لیتے کہ حقیقت، درحقیقت شریعت کی حقیقت کا نام ہے اور طریقت و حقیقت دونوں شریعت کے خادم ہیں۔

عِلم کی اقسام

حدیث کی رُو سے عِلم کی دو قسمیں ہیں۔ اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمُ الْاَدْیَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ

صُوفیاءِ کرام کے نزدیک بھی علم دو طرح کا ہے۔ ایک علم وُہ ہے جس سے مقصود عمل ہے جس کا مُتکفِّل علمِ فقہ ہے۔ دُوسرا علم وُہ ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور دِل کا یقین حاصل ہونا ہے یعنی علمِ کلام (عقائد کا علم)۔

حضرت امام ربّانی قُدِّس سرُّہ النُّورانی علم کی مُندرجہ ذیل دو قسمیں بیان کرتے ہیں۔

۱ عِلمِ حصُولی ۲ عِلمِ حضُوری

---

[1] الزمر ۳ [2] صحیح بخاری صہ۲۰ ج ۱

عِلمِ حُصُولی شئے کی صورتوں میں سے کسی صورت کا علم ہونا۔ درحقیقت یہ نفسِ شئے کا علم نہیں ہوتا بلکہ اس میں نفسِ شئے کی نسبت، جہل ثابت ہوتا ہے۔

عِلمِ حُضُوری وہ علم جہاں نفسِ شئے مُدرکہ کے نزدیک موجود ہو اور کوئی ظِلّ وصورت اس کے درمیان حائل نہ ہو۔ لہٰذا اس علم میں معلوم، نفسِ شئے ہوئی۔ عِلمِ حصولی آفاق سے متعلق ہے اور عِلمِ حضوری اَنفس سے متعلق ہے۔

بیّـنـہ یہاں جس علم کو شریعت کا جزو قرار دیا گیا ہے وہ عِلمِ حصُولی ہے۔ شریعت کا دوسرا جزو اس علم پر عمل کرنا ہے اور شریعت کا تیسرا جُزو یہ ہے کہ اس علم اور عمل میں اخلاص کا جذبہ کار فرما ہو جائے۔

حضُور امامِ ربّانی قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ علم اور عمل یہ دونوں چیزیں عُلماء کی صُحبت سے ملتی ہیں جبکہ اخلاص صوفیاء کی صُحبت و خدمت سے میسّر آتا ہے۔

اخلاص احادیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ کی روشنی میں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم سَأَلْتُ جِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنِ الْاِخْلَاصِ مَا ھُوَ قَالَ سَأَلْتُ رَبَّ الْعِزَّۃِ عَنِ الْاِخْلَاصِ مَا ھُوَ قَالَ ھُوَ سِرٌّ مِّنْ سِرِّیْ اسْتَوْدَعْتُہٗ قَلْبَ مَنْ اَحْبَبْتُہٗ مِنْ عِبَادِیْ [1]

یعنی رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت جبرئیل علیہ السّلام سے اخلاص کی حقیقت کے بارے میں دریافت فرمایا تو جبرئیل علیہ السّلام نے

---

[1] رسالہ قُشیریہ

عرض کیا کہ میں نے رب العزت سُبحانہٗ وتعالیٰ سے اخلاص کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اخلاص میرا راز ہے جسے میں اپنے محبوب بندوں کے قلب میں ودیعت فرماتا ہوں۔

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَخْلِصْ فِیْ دِیْنِكَ یَكْفِیْكَ قَلِیْلًا مِنَ الْعَمَلِ[1] یعنی دین میں اخلاص پیدا کرلو تو تمہارا تھوڑا عمل بھی کفایت کرجائے گا۔

حضرت جُنید بغدادی اور اخلاص

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی قُدِّس سرہٗ فرماتے ہیں اَلْاِخْلَاصُ سِرٌّ بَیْنَ اللہِ تَعَالیٰ وَبَیْنَ الْعَبْدِ لَا یَعْلَمُہٗ مَلَكٌ یَكْتُبُہٗ وَلَا شَیْطَانٌ فَیُفْسِدُ وَلَا ھَوٰی فَیُمِیْلُہٗ[2] (یعنی) اخلاص اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان راز ہے جس کا نہ کسی فرشتے کو علم ہے کہ وہ اسے لکھے، نہ شیطان کو کچھ خبر ہے کہ وہ اسے فاسد کرسکے اور نہ ہی خواہش (نفس) کو کوئی اطلاع ہے کہ مخلص بندہ اس کی طرف مائل ہوسکے۔

صُورتِ اخلاص

صورتِ اخلاص یہ ہے کہ اپنے اعمالِ حسنہ کی تشہیر و تعریف پسند کی جائے اور عزت، شہرت اور رفعت کو مقصود سمجھا جائے ایسے لوگوں کے اعمال، کبھی رضائے نفس کے تابع اور کبھی رضائے الٰہیہ کے تابع ہوتے ہیں۔

حقیقتِ اخلاص

حقیقتِ اخلاص یہ ہے کہ سالک کو تزکیۂ نفس حاصل ہوجائے۔ عزت، شہرت اور رفعت و منصب کے ترک کا اہتمام کیا جائے اور ہر وقت اپنے تمام اعمالِ حسنہ کو رضائے الٰہی

---

[1] رسالہ قشیریہ [2] رسالہ قشیریہ

کے لیے مخصوص سمجھا جائے اور اخلاص پر استقامت نصیب ہو جائے۔ خلاص ہی کا دوسرا نام فنا ہے اور فنا محبتِ ذاتیہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہی اصل کام ہے۔ وَهُوَ الْمُرَادُ

دفتر اوّل مکتوب ۴۱

مکتوب الیہ

حضرت شیخ درویش رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

محبوبیتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت۔ مقام صدیقیت

شریعت طریقت اور حقیقت کا مفہوم

صوفیائے وجودیہ کے اقوالِ سکریہ۔ وحی اور الہام میں فرق

مکتوب الیہ

حضرت شیخ درویش قُدِّسَ سِرُّہٗ کی طرف تین مکتوبات صادر فرمائے گئے۔ دفتر اوّل مکتوب ۱۴۱، ۲۴۲ اور ۹۷۔ آپ سلطنت کے ارکان میں سے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ تینوں مکتوبات میں پند و نصیحت کے بعد مستحقین کے لیے امداد کی سفارش فرمائی گئی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

مکتوب - ۱۴۱

متن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ ربّ العالمین است ہر چیز کہ خوب و مرغوب است از برائے مطلوب و محبوب ست ۔

ترجمہ : حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے رب کے محبوب ہیں وہ چیز جو اچھی اور پسندیدہ ہوتی ہے وہ مطلوب اور محبوب کے لیے ہوتی ہے

شرح

حضرت امام ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ اپنے ظاہر و باطن کو حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور شریعت کی پیروی سے مزیّن و آراستہ کرنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کو بندے کا یہ عمل بہت زیادہ محبوب ہے کیونکہ صاحب سنّت و شریعت علیہ التحیۃ والثناء اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور اُصولِ محبت یہ ہے کہ محبوب کو محبوب چیز دی جاتی ہے ۔ لہٰذا آپ کو کتاب و سنّت اور قوانین شریعت عطا فرمائے ۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید صحائفِ آسمانی میں اور شریعتِ محمدیہ شرائع ربّانی میں سب سے زیادہ بہتر اور محبوب ہیں ان پر عمل کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے ۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا : قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] جس سے معلوم ہوا کہ اِتّباعِ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم محبوبیت کی ضمانت ہے ۔

---

[1] آل عمران ۳۱

عاشقانِ اُو زخُوباں خُوب تر
خوش تر و زیبا تر و محبُوب تر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کے

محبُوبیّت مُحمّدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰت

اس مقامِ محمود پر فائز ہیں جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی خاص حصّہ ہے اور دُوسرا کوئی اس مرتبۂ محبوبیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک و ہمسر نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی محبوبیّتِ مُطلقہ اور محبوبیتِ صرفہ کے مسند نشین ہیں۔

ع مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ فضائل، احسن خصائل اور اکمل شمائل سے نوازا ہے اور قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اُمّت کے لیے اُسوۂ حسنہ[1] قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کو خُلقِ عظیم کہا[2]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کو "صراطِ مستقیم" قرار دیا اور اس پر چلنے کا حکم دیا[3]۔ احادیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو خیر الہدیٰ[4] (سب ہدایتوں سے بہتر) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کو اَحسن تادیب[5] (سب سے اچھا ادب) قرار دیا ہے۔ چونکہ محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے لہٰذا محبُوب کی اداؤں کو اپنانے والے بھی مقامِ محبوبیت سے سرفراز کیے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیّت جمال اور کمال دونوں جہتوں کے اعتبار سے کامل اور مکمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صورت میں بے مثال اور سیرت میں لاجواب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں خَلق اور خُلق کی دونوں خوبیاں علیٰ وجہِ الکمال والامتیاز موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت خالق اور مخلوق دونوں کے محبُوب ہیں۔

---

[1] الاحزاب ۲۱ ، [2] القلم ۴ ، [3] الانعام ۱۵۳
[4] مُسلم ص ۲۸۵ ج ۱ ، [5] کنز العمّال ص ۴۰۶ ج ۱۱

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّفِیْ خُلُقٍ
وَلَمْ یُدَانُوْہُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمٍ[۱]

حضرت امامِ ربّانی قُدِّس سِرّہٗ فرماتے ہیں :

حضرتِ یُوسف ہر چند بصباحتے کہ داشت محبوبِ حضرت یعقوب بودہ است عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْھِمَا الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اما حضرت پیغمبر ما کہ خاتم الرسل ست بملاحتے کہ دارد محبوب خالق زمین وآسمان ست عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ وزمین وزمان را بطفیلِ اُو خلق فرمودہ است کَمَا وَرَدَ[۱]

(یعنی) حضرت یُوسف علیہ السّلام اگرچہ اس صباحت (سفید حُسن) کی وجہ سے جو وہ رکھتے تھے حضرت یعقوب علیہ السّلام کے محبوب ہوئے ہیں لیکن ہمارے پیغمبر جو کہ خاتم الرُّسل ہیں اس ملاحت (نمکین حُسن) کی وجہ سے جو وہ رکھتے ہیں خالق زمین وآسمان کے محبُوب ہیں اور زمین وزمان کو آپ صَلَّی اللہُ علیہ وسلّم کے طفیل پیدا فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے

اَنَا حَبِیْبُ اللہ

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے رسُول اللہ صَلَّی اللہُ علیہ وسلّم نے فرمایا : اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللہِ وَلَا فَخْرَ[۲] یعنی آگاہ رہو کہ مَیں اللہ کا حبیب (محبُوب) ہوں اور میں یہ بات فخر سے نہیں کہتا۔

آیتِ کریمہ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ[۳] میں تمام مومنین کو محبوب کہا گیا ہے مگر آپ صَلَّی اللہُ علیہ وسلّم محبوبیّت کے سب سے اعلیٰ اور اکمل درجے پر فائز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ آپ صَلَّی اللہُ علیہ وسلّم کی محبّت ذاتی ہے نہ کہ عرضی۔ فَافْھَمْ

---

[۱] دفتر سوم مکتوب ۱۲۲... [۲] ترمذی ص ۲۰۲ ج ۲ [۳] المآئدہ ۵۴

شریعت طریقت و حقیقت کا مفہوم

متن وباطن مُتمّم ظاہر است و مُکمّل آن سرِ مُوی بایک دیگر مُخالفت ندارد مثلاً دروغ بزُبان ناگُفتن شریعت است و از دِل نفی خاطر کذب نمُودن طریقت و حقیقت است اگر این نفی بہ تکلُّف و تعمّل است طریقت ست و اگر بے تکلّف مُیسر است حقیقت پس فی الحقیقت باطن کہ طریقت و حقیقت است مُتمّم و مُکمّل ظاہر آمد کہ شریعت است۔

ترجمہ: اور باطن ظاہر کو پُورا اور مکمل کرنے والا ہے دونوں بال برابر بھی مخالفت نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کے خیال کی بھی نفی کر دینا طریقت و حقیقت ہے اور اگر یہ نفی (جھوٹ کا خیال نہ آنے دینا) تکلّف اور محنت سے ہے تو طریقت ہے اور اگر تکلّف کے بغیر حاصل ہے تو حقیقت ہے پس درحقیقت باطن جو طریقت و حقیقت کہلاتا ہے ظاہر (شریعت) کو پُورا اور کامل کرنے والا ہے۔

شرح

شریعت: احکام و اسرار و اوامر و نواھی کے مجموعے کا نام شریعت ہے۔

طریقت : اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب طریقت ہے۔
حقیقت : مصداقاتِ مسائلِ شرعیہ کے انکشاف و مشاہدے کو کہتے ہیں۔
یعنی حقیقت تک وصول کے بعد تمام احکام و مسائل شرعیہ کشفاً مشہود ہو جاتے ہیں اور معاملہ استدلال سے کشف تک اور ظن سے یقین تک پہنچ جاتا ہے یہی تزکیۂ نفس کا اصلی مقام ہے۔

طریقت اور حقیقت کا فرق

طریقت اور حقیقت کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر احکامِ شرعیہ پر تکلّف کے ساتھ عمل جاری ہو تو اس کو طریقت کہتے ہیں اور اگر بغیر تکلّف کے عمل جاری ہو جائے اور سالک اس میں ایک حظِّ بے کیف محسوس کرے اس کو حقیقت کہتے ہیں اسی مرتبے میں سالک کو ایمانِ حقیقی میسر آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا[۵] ...... الخ میں ایمانِ صوری سے ایمانِ حقیقی تک پہنچنے کا حکم ہے

صوفیائے وجودیہ کے اقوالِ سکریہ

متن مثلاً جمعے از سکر باحاطۂ ذاتی قائل گشتہ اندو بالذّات حق را تعالیٰ وتقدّس محیطِ عالم می دانند این حکم مخالف آرائے عُلمائے اہلِ حق است ایشان باحاطۂ علمی قائل اند فی الحقیقت آرائے عُلَماء بصواب اقرب است۔

ترجمہ : مثال کے طور پر صوفیاء میں سے کچھ لوگ سُکر کی وجہ سے احاطۂ ذاتی کے

---

۵ النسآء ۱۳۶

قائل ہو گئے ہیں اور حق تعالیٰ کو بالذات عالم کا محیط جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ حکم عُلمائے اہلِ حق (متکلمین اہلسنت) کی آراء کے مخالف ہے کیونکہ وہ احاطۂ علمی کے قائل ہیں۔ درحقیقت علماء (اہلِ حق) کی آراء دُرستی کے بہت قریب ہیں۔

شرح

حضرت امامِ ربانی قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ طریقت و حقیقت کی راہ پر چلنے والوں کو اس راہ میں بعض اوقات ایسے اُمور پیش آجاتے ہیں جو بظاہر شریعتِ مطہرہ سے خلاف ہوتے ہیں ایسے اُمور دراصل سُکرِ وقت اور غلبۂ احوال کے باعث رُونما ہوتے ہیں۔ اگر ان کو اس مقامِ سُکر (مستی) سے نکال کر صحو (ہوش) میں لے آئیں تو یہ مخالفت بالکل رفع ہو جاتی ہے اور متضاد علوم دُور ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ بعض صوفیاء غلبۂ سکر و حال کے باعث ذات حق تعالیٰ کو محیطِ عالَم جانتے ہیں اور احاطۂ ذاتی مانتے ہیں۔ حالانکہ عالَم کے ساتھ حق تعالیٰ کا احاطہ علمی ہے نہ کہ ذاتی، کیونکہ واجب تعالیٰ کو ممکن کے ساتھ وہی نسبت ہے جو نُقطۂ جوالہ کو دائرۂ موہومہ کے ساتھ ہے۔ اگرچہ دائرے کا کوئی حصہ نقطے سے خالی نظر نہیں آتا لیکن اس کے باوجود ہم نہیں کہہ سکتے کہ نقطہ محیط دائرہ میں ہے یا داخل دائرہ ہے یا خارج دائرہ ہے کیونکہ جس جگہ نقطہ ہے دائرہ نام کی کوئی چیز وہاں نہیں ہے۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ نقطہ خارج میں موجود ہے اور دائرہ وہم میں لیکن یہ وہم، وہمِ متقن ہے نہ کہ وہم سوفسطائیہ۔

بیّنہ صوفیائے وجودیہ اپنے اس قول کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ذات حق تعالیٰ سے ان کی مراد علمِ حق تعالیٰ ہے اور علم کو عینِ ذات جانتے ہیں کیونکہ وہ صفات کو عینِ ذات قرار دیتے ہیں۔ اسی لیے وہ احاطہ علمی کو احاطۂ ذاتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ صفاتِ ثمانیہ کے وجود خارجی کا بھی انکار کرتے

ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم وجودِ خارجی نہیں رکھتا بلکہ وجود صرف ایک ہے اور وہ وجودِ حق تعالیٰ ہے جو اقسامِ مختلفہ اور انواع متبائنہ کے ساتھ ظہور فرما ہے اور ذاتِ حق تعالیٰ اوّلاً بصورتِ علمِ اجمالی پھر بصورتِ علمِ تفصیلی پھر بصورتِ عالمِ ارواح پھر بصورتِ عالمِ مثال پھر بصورت عالمِ اجسام ظاہر ہوئی ہے اور ان مرتبوں کو مراتب پنجگانہ، تنزّلاتِ خمسہ اور حضراتِ خمسہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور علم اجمالی کو تعیّنِ اوّل، علمِ تفصیلی کو تعیّنِ ثانی، عالمِ ارواح کو تعیّنِ ثالث، عالمِ مثال کو تعیّنِ رابع، عالمِ اجسام کو تعیّنِ خامس کا نام دیتے ہیں اور ذاتِ حق تعالیٰ کو مرتبۂ لاتعیّن اور احدیّت مجرّدہ کہتے ہیں جبکہ علمآء متکلّمین اہلسنّت ان تمام صورتوں اور تعیّنات کو ذاتِ حق تعالیٰ کے لیے ثابت نہیں کرتے اور صفاتِ ثمانیہ کو ذاتِ حق تعالیٰ سے جُدا اور زائد جانتے ہیں اور صفاتِ ثمانیہ اور عالم کو موجودِ خارجی سمجھتے ہیں اور صفات کو داخلِ ماسویٰ کہتے ہیں حضرت امام ربّانی قُدّس سرُّہٗ کے نزدیک علماءِ متکلّمین کا مؤقف درست ہے اور صوفیائے وجودیہ کے یہ اقوال سکریہ ہیں اور قابلِ تاویل ہیں۔ اسی طرح قُربِ ذاتی اور معیّتِ ذاتی کا مسئلہ بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے کہ علماءِ اہلسنّت قُرب و معیّتِ علمی کے قائل ہیں نہ کہ قُرب و معیّتِ ذاتی کے کیونکہ صوفیاء کے یہ تمام اقوال شرع شریف کے خلاف واقع ہوئے ہیں لیکن ان کو صوفیاء کا بیانِ احوال سمجھنا چاہیئے نہ کہ بیانِ عقیدہ۔ (فافہم)

مقامِ صدّیقیّت

متن

وموافقت معارف باطن باعُلومِ شرعیہ ظاہر بتمام وکمال بحدّیکہ درحقیر ونقیر مجالِ مخالفت نماند درمقامِ صدیقیّۃ ست کہ بالاتر مقاماتِ ولایت

ست وفوقِ مقامِ صدّیقیّہ مقامِ نبوّت ست ۔

ترجمہ: اور معارفِ باطنیہ کی شریعت کے ظاہری علوم کے ساتھ اس حد تک پُوری موافقت کا ہونا کہ چھوٹی سے چھوٹی چیزوں میں بھی مخالفت کی مجال باقی نہ رہے مقامِ صدّیقیّت میں حاصل ہوتا ہے جو ولایت کے مقامات میں سب سے بلند مقام ہے اور صدّیقیّت کے مقام کے اُوپر مقامِ نبوّت ہے ۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سرُّہ فرماتے ہیں کہ مقامِ صدّیقیّت ایک ایسا مقام ہے جس میں شریعتِ مُطہرہ اور عُلوم ومعارفِ باطنیہ میں ذرا بھر بھی تضاد یا مخالفت کی مجال نہیں ہوتی اور یہ مقام ولایت کے تمام مقامات سے اُونچا ہے ۔ چنانچہ آپ رقم طراز ہیں :

باید دانست کہ در ہر مقامے از مقاماتِ ولایت و شہادت وصدیقیّت علوم ومعارف جُدا است کہ مناسب آں مقام است در مرتبۂ ولایت علومِ سکر آمیز بسیار است کہ سکر غالب است وصحو مغلوب، و در مرتبۂ شہادت کہ ثانی درجہ است از درجاتِ ولایت سکر مغلوبیّت پیدا می کند وصحو غالب می آید امّا زوالِ سُکر بالکلّیّہ نیست و درجۂ صدّیقیّت کہ ثالث مرتبہ است از مراتبِ ولایت ومنتہائے درجاتِ ولایت است وفوقِ آں درجۂ ولایت نیست بلکہ مرتبۂ نبوّت است عُلومِ آں درجہ از سُکر بتمام برآمدہ اند ومطابقِ عُلومِ شرعیّہ گشتہ، صدّیق ہمیں عُلومِ شرعیّہ را بطریقِ الہام اخذ می کند چنانکہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بطریقِ وحی اخذ می نماید[1]

(1 حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ ولایت، شہادت اور صدّیقیت کے مقامات میں سے ہر مقام کے علوم و معارف جُدا جُدا ہیں جو اسی مقام سے مناسبت رکھتے ہیں۔ مرتبۂ ولایت میں علوم زیادہ تر سُکر آمیز ہوتے ہیں کیونکہ اس مرتبے میں سُکر غالب ہے اور صحو (ہوش) مغلوب اور مرتبۂ شہادت میں جو درجاتِ ولایت میں سے دُوسرا درجہ ہے سُکر مغلوب ہو جاتا ہے اور صحو غالب آجاتا ہے۔ لیکن سُکر کلّیتاً زائل نہیں ہوتا اور درجۂ صدّیقیت جو مراتبِ ولایت میں سے تیسرا مرتبہ ہے اور درجاتِ ولایت کی آخری حد ہے کہ اس کے اُوپر ولایت کا کوئی درجہ نہیں ہے بلکہ اس کے اُوپر نبوّت کا مرتبہ ہے۔ اس درجہ کے علوم سُکر سے بالکل آزاد ہوتے ہیں اور علومِ شریعت کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ صدّیق انہی علوم شرعیہ کو الہام کے ذریعے سے حاصل کرتا ہے جنہیں کہ نبیٔ کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام وحی کے ذریعے سے حاصل فرماتے ہیں۔

◎ صِدّیق، صُدُوق سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس کا لفظی معنیٰ ہے بہت بڑا سچّا۔ عارف باللہ حضرت قاضی ثناءُ اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:
اَلصِّدِّیْقُوْنَ وَهُمُ الْمُبَالِغُوْنَ فِی الصِّدْقِ[1] یعنی سچّائی میں مبالغے کی حد تک پہنچے ہوئے صدّیق کہلاتے ہیں۔

تفسیرِ مدارک میں ہے: اَلصَّادِقُ الْمُسْتَقِیْمُ فِی الْاَعْمَالِ وَالصِّدِّیْقُ الْمُسْتَقِیْمُ فِی الْاَحْوَالِ[2] یعنی صادق وہ ہے جو اعمال میں راست کردار ہو اور صدّیق وہ ہے جو اعمال کے ساتھ ساتھ احوال میں بھی راست اور مستقیم ہو۔

◎ صُوفیاء کرام کے نزدیک صدّیقیت، ولایتِ کبریٰ کا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے

---

[1] حاشیہ گذشتہ صفحہ، معارفِ لدنیہ معرفت ۳۶

[1] تفسیر مظہری صہ ۱۶۱ ج ۲ [2] مدارک مع الخازن صہ ۲۳۶ ج ۳

جس میں ولایتِ انبیاءِ عظام کا فیض آتا ہے۔ اس مرتبے کے معارف انبیاء کرام کے معارف کے مشابہ ہوتے ہیں اور اس مقام میں کوئی کشف خلافِ شریعت رونما نہیں ہوتا۔ آیۃ کریمہ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ[1] الخ۔ میں مفسرین کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب سے اعلیٰ ترین مرتبہ صدیقیت کا وارث قرار دیا ہے۔ اسی طرح آیت مقدسہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ[2] الخ میں صَدَّقَ بِهٖ کا اوّلین مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی قرار دیا ہے۔ آیۃ کریمہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ[3] کی تفسیر میں اَلصِّدِّيْقُوْنَ کے متعلق یوں تصریح فرمائی گئی ہے۔ قَالَ الضَّحَاكُ هُمْ ثَمَانِيَةُ نَفَرٍ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَبَقُوْا اَهْلَ الْاَرْضِ فِيْ زَمَانِهِمْ اِلَى الْاِسْلَامِ اَبُوْبَكْرٍ وَعَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَعُثْمَانُ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَسَعْدٌ وَحَمْزَةُ (رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ)[4]

ترجمہ: حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ اس اُمت کے آٹھ افراد ہیں جو اپنے زمانہ میں تمام اہلِ زمین سے پہلے اسلام لائے اور یہ ابوبکر، علی، زید، عثمان، طلحہ، زُبیر، سعد اور حمزہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

وَتَاسِعُهُمْ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اَلْحَقَهُ اللّٰهُ بِهِمْ لَمَّا عُرِفَ مِنْ صِدْقِ نِيَّتِهٖ[5]

اور ان کے نویں حضرت عُمر رضی اللہ عنہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے صدقِ نیّت کی وجہ سے ان کے ساتھ لاحق فرما دیا۔

---

[1] النساء ۶۹ [2] الزمر ۳۳ [3] الحدید ۱۹

[4] تفسیر مظہری ص ۱۹۹ ج ۹، قرطبی ص ۲۵۴ ج ۹ [5] تفسیر مظہری ص ۱۹۹/۹، خازن ص ۲۳۰/۴

اس اُمت کے تمام صدّیقین کے سردار حضرت سیّدنا ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور اس پر اجماعِ اُمت ہو چکا ہے جس کا منکر ضالّ و مُضلّ اور بے دین ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے:

وَلَا شَكَّ رَأْسُ الصِّدِّيقِيْنَ وَرَئِيْسُهُمْ اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

یعنی اس امر میں کوئی شک نہیں کہ حضرت اُبوبکر رضی اللہ عنہ صدّیقوں کے سردار اور رئیس ہیں۔

حضرت اُبوبکر رضی اللہ عنہ کے صِدّیق ہونے پر متعدد احادیث شاہد ہیں مثلاً ایک مرتبہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُبوبکر صدّیق، عُمر فاروق اور عُثمان غنی رضی اللہ عنہم اُحد پہاڑ پر تشریف فرما ہوئے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ نے فرمایا اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ [1]

یعنی اے اُحُد ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدّیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔

مزید برآں یہ حدیث تین طریقوں سے مروی ہے۔ دیلمی نے حضرت اُمّ ہانی سے روایت نقل کی ہے کہ رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَا اَبَا بَكْرٍ اِنَّ اللّٰهَ سَمَّاكَ الصِّدِّيْقَ [2] یعنی اے اُبوبکر اللہ تعالیٰ نے تیرا نام صدّیق رکھا ہے۔

وحی و اِلہام میں فرق

متن درمیان این دو علم غیر از فرق وحی و الہام نسیت

---

[1] صحیح بُخاری ص ۵۱۹ ج ۱، [2] مُسند فردوس للدیلمی ص ۳۰۷ ج ۵

ترجمہ : اِن دونوں علموں (علمِ نبی وعلمِ صدّیق) کے درمیان وحی اور الہام کے فرق کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ عُلومِ نبوّت اور عُلومِ صدّیقیّت سراسر عُلومِ شرعیہ ہی ہیں لہٰذا دونوں میں مخالفت کا شائبہ بھی محال ہے۔ ان دونوں علموں میں صرف وحی اور الہام کا فرق ہے یعنی طریقِ اخذ میں فرق ہے۔ ماخذ دونوں کا ایک ہے۔ جیسا کہ آپ نے ارقام کیا۔

وصدّیق ونبی را تفاوُت در طریقِ اخذ است نہ در مآخذ، ہر دو از حق تعالیٰ اخذ می کنند امّا صِدّیق بہ تَبَعیّت نبی بایں درجہ می رسد، نبی اصل است و صدّیق فرعِ اُو نیز علومِ نبی قطعی است و عُلومِ صدّیق ظنّی و نیز عُلومِ نبی بر غیر حجّت است و عُلومِ صدّیق بر غیر حجّت نیستؔ[1]۔

ترجمہ : اور صدّیق و نبی کا فرق طریقِ حصُول میں ہے نہ کہ مقامِ حصُول میں، دونوں حق تعالیٰ سے ہی حاصل کرتے ہیں لیکن صدّیق، نبی کی اِتباع (پیروی) کی وجہ سے اس مرتبہ تک پہنچتا ہے، نبی اصل ہے اور صدّیق اس کی فرع، نیز نبی کے عُلوم قطعی ہوتے ہیں اور صدّیق کے عُلوم ظنّی، نیز نبی کے عُلوم دُوسروں پر حجّت ہوتے ہیں اور صدّیق کے عُلوم دُوسروں پر حجّت نہیں ہوتے۔

---

[1] معارف لدنیہ معرفت ۳۶

دفتر اوّل مکتوب ۴۲

مکتوب الیہ

حضرت شیخ درویش رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس اتباعِ سنّت سے مربوط ہے

اربابِ تفرقہ و اربابِ جمعیّت ۔ ریاضت و سنت کا فرق

مکتوب - ۴۲

متن آدمی تا زمانیکہ بدنس تعلّقاتِ پراگندہ مُتلوّث است محروم و مہجور است تصقیل مرآت حقیقتِ جامع از زنگ محبّتِ مادونِ اُو عزّ وجلّ لابدّ است وبہترین مصقلہا در ازالۂ آن زنگ اتباعِ سنّت سنّیہ مُصطفویّہ است علیٰ مَصْدَرِہَا الصّلٰوۃُ وَالسّلَامُ وَالتّحِیَّۃُ کہ مدارِ این بر رفعِ عاداتِ نفسانی و دفعِ رُسُومِ ظلمانی است۔

ترجمہ: آدمی جب تک پراگندہ تعلّقات کی میل کچیل سے آلودہ ہے محروم اور جُدا ہے حقیقتِ جامع (قلبِ نوری) کے آئینے کو دُون اللہ یعنی اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ کے مخالفوں کی محبّت کے زنگ سے صاف کرنا لازم ہے اور اس زنگ کو دُور کرنے کے لیے سب سے بہتر مصقلہ (زنگ دُور کرنے والی چیز) مصطفٰے کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روشن سنّت کی پیروی کرنا ہے اس لیے کہ اتباعِ سنّت کا دار و مدار نفسانی عادتوں کے ہٹانے اور بُری رسموں کے مٹانے پر ہے۔

شرح

حضرت امام ربّانی قدس سرّہ فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے قُرب اور وصل کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ دُون اللہ (اللہ کی رضا کے مخالفین) کے ساتھ حُبّی تعلّقات ہیں جو اس قلب و رُوح کو کثیف اور میلا کر دیتے ہیں۔ قلبِ نوُری (جس کو صوفیائے کرام حقیقتِ جامع کہتے ہیں) کو اللہ کے دشمنوں کی محبّت کے زنگ اور پراگندہ تعلّقات کے گرد و غبار سے صاف رکھنا لازمی اَمر ہے اور یہ چیز فنائے مطلق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی جیسا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

بے فنائے مطلق و جذبِ قوی
کے حریمِ وصل را محرم شوی

تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی منزل تک پہنچنے کے لیے اپنے دل کو اغیار کی گرفتاری سے آزاد رکھنا ضروری ہے

اربابِ تفرِقہ و اربابِ جمعیّت

صوفیائے کرام صاحبانِ قلبِ گرفتار کو اربابِ تفرِقہ میں شمار کرتے ہیں اور صاحبانِ قلبِ آزاد کو اربابِ جمعیّت قرار دیتے ہیں۔ صاحبِ قلبِ آزاد کو ہی اہلِ دِل و روشن دِل کہا جاتا ہے جن کی صُحبت اور توجّہ مُردہ دِلوں کو زندہ دِل بنا دیتی ہے۔ ؎

صُحبتِ روشن دِلاں یک دَم دو دَم
آں دو دَم سرمایۂ بُود و عدم

شیخ الاسلام حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج بیت اللہ شریف سے فارغ ہو کر حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمتِ اقدس میں زیارت کے لیے حاضر ہوا تو آپ نے اپنی کمالِ فراست و بصیرت کشفی سے مجھے دیکھتے ہی میری اِستعدادِ باطنی کا ادراک کرتے ہوئے فرمایا: "بیا از دریائے تفرقہ بگشتن جمع" یعنی تفرقے کے دریا سے نکل کر جمعیّت کی وادی میں آجا اور اس جملے کا آپ نے تین بار تکرار فرمایا۔

اہلِ دل جس شخص کا دل عشقِ خدا اجل وعلا اور عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادکام ہو اور مقامِ شہود و مراتب وجوب پر فائز المرام ہو اس کو اہلِ دل کہا جاتا ہے۔ بزرگانِ دین کے نزدیک دُنیا میں مشغولیّت یہ ہے کہ قلب غیرِ خدا کے ساتھ مشغول رہے اور ترکِ دُنیا یہ ہے کہ قلب غیرِ خدا سے فارغ رہے جیسا کہ فارسی مقولہ ہے:

اشتغالِ دُنیا چیست شغلِ قلب و ثقلِ حساب
ترکِ دُنیا چیست فراغتِ قلب و خفّتِ حساب

اِتّباعِ سُنّت کتاب وسُنّت کی رُو سے اِتّباعِ سنّت و شریعت ایک بنیادی اَمر ہے۔ آیتِ قرآنی فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ[1] اس کی اصل ہے اور اتّباعِ رسالت کا صلہ مقامِ محبوبیّت و مُرادیّت کا حصُول ہے

شریعت وطریقت کے تمام مراتب میں تزکیۂ نفوس کو بنیادی حیثیّت حاصل ہے اور تزکیۂ نفوس براہِ راست تعلیماتِ سُننِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ سے مربوط ہے جو انسان سرچشمۂ سُننِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ سے جتنا سیراب ہوگا اتنا ہی تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس سے بہرہ اندوز ہوگا۔

واضح ہو کہ تصوّف اپنی اصلی اور خالص صورت میں اسلام کے مرتبۂ احسان سے عبارت ہے تصوّف اور طریقت کے متعلق یہ عام خیال پھیلایا گیا ہے کہ

---

[1] آل عمران ۳۱

تصوّف وطریقت دینِ اسلام سے الگ ایک مستقل مذہبی یا خانقاہی نظام ہے اس خیال کے پھیلانے والوں میں یورپ کے مستشرقین بھی شامل ہیں اور اسلام کے مُدّعی بعض فِرَق ضالّہ بھی جیسے غیر مقلدین اور منکرینِ حدیث وغیرہ۔

تمام اکابرینِ طریقت اس امر پر متفق ہیں کہ تصوّف وطریقت قولاً و فعلاً و حالاً ہر حیثیّت سے اتباعِ سنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا نام ہے۔ وَبِدُوْنِہٖ خَرْطُ الْقَتَادِ اتباعِ سنّت پر مداومت سے جب اہلِ تصوّف کے قلوب صافی اور نفوس مُزکّی ہوجاتے ہیں، حجابات اُٹھ جاتے ہیں، عالمِ غیب کے اَسرار کھل جاتے ہیں اور ہر عمل میں اتباعِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کا بے تکلّف مظاہرہ ہونے لگتا ہے تو وہ بارگاہِ خداوندی سے انعامات و نوازشات سے مشرّف ہوکر درجۂ محبُوبیّت پر فائز المرام ہوجاتے ہیں۔ احادیثِ نبویّہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں اتباعِ سنّت کی تاکید و ترغیب ارشاد فرمائی گئی ہے اور تعمیل کرنے والوں کو بلند مرتبوں کی بشارتیں سنائی گئی ہیں جیساکہ فرمایا؛

◎ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ[1] یعنی میری سُنّت کو لازم پکڑو۔

◎ مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحْیَانِیْ وَمَنْ اَحْیَانِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ[2] یعنی جس نے میری سُنّت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کر دیا اور جس نے مجھے زندہ کردیا وہ میرے ہمراہ جنّت میں ہوگا۔

◎ نیز فرمایا مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَہٗ اَجْرُ مِائَۃِ شَہِیْدٍ[3] یعنی جس نے میری سنّت کو زندہ کیا فسادِ اُمّت کے زمانے میں اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہوگا۔

دراصل ان بشارتوں کے اہل حضراتِ صُوفیائے صافیہ ہی ہیں اور یہی

---

[1] ابن ماجہ ص۵، [2] جامع ترمذی ص۹۲ ج۲ [3] مشکوٰۃ ص۳۰

لوگ ہیں جنہوں نے اتباعِ شریعت اور احیائے سُنّت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ع

خُدا رحمت کُند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت امامِ ربّانی قُدّس سرّہٗ بھی اِنہی پاک طینت، پاک سیرت نفوسِ قدسیّہ میں سے ہیں آپ نے تعمیلِ شریعت و تکمیلِ سنّت کو انتہائی درجے تک پہنچایا اور طریقت نقشبندیہ کی مانند سلوکِ مجدّدیہ کو بھی اتباعِ سنّت پر ہی استوار فرمایا جس کی تفصیلات آپ کی سوانح حیات و تعلیمات سے عیاں ہیں، وعیاں راچہ بیاں۔

ریاضت و سُنّت کا فرق

عیسائی پادریوں، ہندو برہمنوں جوگیوں اور حکمائے یونان نے جو چلّے، دھیے اور مجاہدے انجام دیئے ہیں وہ قُربِ خداوندی کا ذریعہ نہیں بن سکتے کیونکہ قُربِ ولایت کے لیے ایمان اور تقویٰ بنیادی شرط ہے۔ ارشادِ باری تعالےٰ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ[1] اس پر شاھد ہے۔

اھلِ کُفر و ضلالت کی ریاضتیں تصفیۂ نفس کا سبب تو بن سکتی ہیں لیکن تزکیہ و تطہیرِ نفس کا ذریعہ ثابت نہیں ہوسکتیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو کشفِ مکوّنات تو ہوسکتا ہے کشفِ عالمِ وجوب نہیں ہوسکتا۔ کشفِ عالمِ وجُوب کے لیے تزکیۂ نفس لازم ہے اور تزکیۂ نفس اتباعِ سُنّت و شریعت کے بغیر متصوّر نہیں۔ اسکی مثال یوں سمجھیں کہ اھلِ کُفر و شرک کو ریاضتوں کے ذریعے جو صفائیٔ نفس حاصل ہوتی ہے وہ تانبے پر سونے کا پانی چڑھانے کے مترادف ہے اور اھلِ تصوّف وطریقت کو اتباعِ سنّت کے ذریعے جو تزکیۂ نفس حاصل ہوتا ہے وہ عملِ کیمیا کے ذریعے تانبے کو خالص سونا بنانے کی مانند ہے۔

---

[1] یونس ۶۳

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ دنیا کی مشغولی اور گرفتاری کا زنگ اُتارنے والی چیز اتّباعِ سُنّت ہی ہے اور ہر وہ عمل جو اتباعِ سنّت کے قبیل سے ہے مثلاً ذکر کی کثرت، صُحبتِ شیخ، معیّتِ صادقین اور محبّتِ صالحین وغیرھم کا بھی یہی ثمرہ ہے۔ فَافْہَمْ وَتَدَبَّرْ۔

دفتر اوّل مکتوب ۴۳

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

توحید وجودی اور توحید شہودی ۔ مراتب یقین

حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہما

حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے ناقدین

مکتوب ۔ ۴۳

توحیدِ وجودی و شہودی اور مراتبِ یقین

متن توحیدیکہ دراثنایِ راہ ایں طائفہ علیہ را دست می دہد دو قسم است توحیدِ شہودی و توحیدِ وجودی، توحیدِ شہودی یکے دیدنست یعنی مشہودِ سالک جز یکے نباشد و توحیدِ وجودی یک موجود دانستن است وغیرِ اُو را معدوم انگاشتن و با وجودِ عدمیت مجالے و مظاہرِ آن یکے پنداشتن پس توحید وجودی از قبیلِ علم الیقین آمد و شہودی از قسم عین الیقین۔

ترجمہ: جو توحید کہ راہِ سلوک طے کرنے کے دوران اس بلند جماعت (صوفیاء) کو حاصل ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ توحیدِ شہودی اور توحید وجودی۔ توحیدِ شہودی ایک ہی ذات کو دیکھنا ہے یعنی سالک کو ایک ذات کے سوا کچھ مشہود نہیں ہوتا اور توحید وجودی ایک ہی ذات کو موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم (نیست و نابود) سمجھنا اور ذات کے سوا باقی سب کو معدوم سمجھنے کے باوجود اس کی جلوہ گاہیں اور مظاہر سمجھنا ہے۔ پس توحیدِ وجودی علم الیقین کی قسم سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے ہے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدّس سرّہٗ نے توحید کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں اور توحید وجُودی کو علمُ الیقین اور توحیدِ شہودی کو عین الیقین کے قبیل سے شمار فرمایا ہے نیز فرمایا ہے کہ توحید شہودی ایک ذات کو ہی دیکھنے کا نام ہے اور توحید وجُودی ایک ذات کو ہی موجود جاننے کا نام ہے یعنی دونوں میں دیدن اور دانستن کا فرق ہے۔

گویا توحید شہودی یہ ہے کہ سالک اپنے محبوب کے سوا کسی چیز کو نہیں دیکھتا اور اشیائے کائنات کی نفی اور اثبات کے ساتھ کوئی کام نہیں رکھتا اور توحیدِ وجودی یہ ہے کہ سالک اپنے محبوب کو ہی موجُود جانتا ہے اور اس کے ماسوا کو معدوم سمجھتا ہے لیکن معدوم سمجھنے کے باوجود اُن اشیائے کائنات کو تجلّیٔ محبوب کا مظہر بھی سمجھتا ہے کیونکہ صوفیائے وجودیہ ماسوی اللہ (اشیائے کائنات) کو معدُوم مطلق نہیں مانتے بلکہ ماسویٰ کو موجُود علمی اور معدُوم خارجی جانتے ہیں لہٰذا وہ ماسویٰ کو اللہ تعالیٰ کے علم میں مظہرِ تجلّی جانتے ہیں نہ کہ خارج میں۔ فَافْهَمْ وَتَدَبَّرْ

معارفِ یقین توحید وجودی کی اکثر اقسام علم الیقین کے مرتبے میں ہیں کہ اس مرتبے میں سالک ماسویٰ کو بعنوان وجُوب دیکھتا ہے اور اس کو ماسویٰ کا شہُود نہیں ہوتا بلکہ صرف علم ہوتا ہے۔ جبکہ توحیدِ شہودی میں عارف ماسویٰ کے شہُود سے گزر کر مراتبِ وجُوب کے شہود تک پہنچ جاتا ہے۔

یوں سمجھئے کہ توحید وجُودی کے دوران سالک ماسویٰ کو معدُوم جانتا ہے اور اس کی نفی کا حکم کرتا ہے اور توحیدِ شہودی کے وقت میں عارف مقامِ حیرت میں ہوتا ہے اور اشیاء کی نفی و اثبات کے متعلق لب کشائی نہیں کرتا۔

حضرت امامِ ربّانی قُدّس سرُّہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

"علم الیقین عبارت از شہودِ آیات ست کہ افادۂ یقین علمی نماید"[1]

یعنی علم الیقین سے مُراد شہودِ آیات (حق تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ) ہے جو یقین علمی کا فائدہ دیتا ہے۔

بعض مشائخ کے نزدیک صوفیاء کرام علم الیقین کے مرتبے میں توحیدِ وجودی تک پہنچتے ہیں اور یہ شہودِ ممکنات کا مقام ہے اور عین الیقین کے مرتبے میں توحیدِ شہودی سے مشرف ہوتے ہیں اور یہ شہودِ مراتبِ وجُوب کی منزل ہے اور حق الیقین کے مرتبے میں متخلّق باخلاقِ اللہ ہو جاتے ہیں اور یہاں ان کو شہودِ ممکنات اور شہودِ مراتبِ وجوب کی دونوں سعادتیں میسّر آتی ہیں (وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ)

مثال صاحبِ توحیدِ وجودی اس شخص کی مانند ہے جو دن کے اوقات میں ستاروں کے وجود سے انکار کرتا ہے کیونکہ اس کو دن کے وقت ستارے نظر نہیں آتے۔ صاحبِ توحیدِ شہودی اس انسان کی مثل ہے جو اگرچہ دن کے اوقات میں ستاروں کو نہیں دیکھتا لیکن ستاروں کے وجود سے انکار بھی نہیں کرتا۔

صاحبِ حق الیقین بمنزلہ اس شخص کے ہے جو نہایت حدیدُ البصر (تیز بین و دُور بین) ہو اور دن کے اوقات میں سُورج کی شعاعوں کے غلبہ کے باوجود ستاروں کو بھی دیکھتا ہے۔

مَعارفِ یقین حضرت مُجدّد الف ثانی کے ساتھ مخصُوص ہیں

بعض صوفیائے کرام نے سیرِ آفاقی کو علمُ الیقین سے جانا ہے اور عینُ الیقین و حق الیقین کو سیرِ انفسی میں شمار کیا ہے لیکن حضرت امام ربّانی قُدّس سرّہٗ نے فرمایا کہ سیرِ آفاقی و انفسی دائرہ علم الیقین سے باہر قدم نہیں نکال سکتی اور اثر سے مؤثِر کی طرف

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۴

استدلال کے سوا اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ[1] آپ کے نزدیک عین الیقین اور حق الیقین کی تعبیرات جو اکثر اولیاء و علماء کرام نے بیان فرمائی ہیں وہ صرف استدلالی ہیں۔ ان کے حقیقی ادراک سے وہ سب عاجز ہیں کیونکہ یقین کے وہ علوم و معارف بحمدہٖ تعالیٰ مجدد الف ثانی (دوسرے ہزار سال کے مجدد) کے ساتھ مخصوص ہیں جو انوارِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوات کی قندیل سے مقتبس ہیں[2]۔

متن توحیدِ شہودی از ضروریات این راہ است

ترجمہ: توحید شہودی اس راستہ کی ضروریات سے ہے۔

شرح

حضرت امام ربانی قُدِّسَ سِرُّہٗ توحید شہودی کو اصل توحید اور عین الیقین و حق الیقین کی منزل تک پہنچنے کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے انقطاع فنا اور نسیان کے بغیر میسّر نہیں آتا اور سالک کے لیے فنا (نسیان ماسوی اللہ) ایک ضروری امر ہے اور توحید شہودی کا مرتبہ فنا و نسیان و قطع علائق کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے اور یہی عین الیقین کا مرتبہ ہے لیکن توحید وجودی اس راہ کی ضروریات سے نہیں ہے کیونکہ توحید وجودی علم الیقین کے مرتبے میں ہے اور علم الیقین نہ صرف علمائے ظواہر بلکہ عامۃ النّاس کو بھی میسّر ہے۔ نیز توحید وجودی معارفِ قلبیہ کے وقت حاصل ہوتی ہے اور توحید شہودی فنائے نفس کے معارف سے ہے (فَافْہَمْ)

---

[1] حٰمٓ السجدۃ: ۵۳

[2] تفصیلات دفتر دوم مکتوب ۴۴ میں ملاحظہ فرمائیں

ابنِ منصور الحلّاج اور بایزید بسطامی علیہما الرّحمہ کے اقوال کو توحیدِ وجودی کے بجائے توحیدِ شہودی پر محمول کرنا چاہیئے

متن پس اقوال بعضے از مشائخ کہ بظاہر بشریعتِ حقّہ مخالف می نمایند و بتوحید وجودی بعضے مردم آنہا را فرود می آرند مثل قول ابنِ منصور الحلّاج اَنَا الْحق و ابی یزید البسطامی سُبحانی و اَمثال اینہا اَولیٰ و انسب آنست کہ بتوحید شہودی فرود باید آورد و مخالفت را دور باید ساخت۔

ترجمہ: پس بعض مشائخ کے وہ اقوال جو بظاہر شریعت حقہ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں اور بعض لوگ ان کو توحید وجودی کی طرف لے جاتے ہیں جیسا کہ ابنِ منصور الحلّاج کا اَنَا الحق کہنا اور بایزید بسطامی کا سُبحانی کہنا اور اسی قسم کے جو دُوسرے اقوال بھی ہیں بہتر اور مناسب یہ ہے کہ ان سب اقوال کو توحیدِ شہودی پر محمول کیا جائے اور (عقل و شرع کی باہمی) مخالفت کو دُور کر دیا جائے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قدس سرُّہٗ فرماتے ہیں بعض مشائخ کے بظاہر خلاف شرع اقوال کو توحید وجودی سے تعبیر نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ابنِ منصور الحلّاج اور سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہما جیسے بزرگوں کا مرتبہ مقام علم الیقین سے بہت بلند ہے جو کہ توحید وجُودی کا ایک درجہ ہے کیونکہ یہ بزرگ دراصل عین الیقین کے مرتبے پر فائز تھے جو کہ

توحید شہودی کا مقام ہے۔ اس قسم کے اقوال ان سے صادر ہونے کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ان پر عالمِ وجوب کی تجلّیات چمکتی ہیں تو ماسوی اللہ ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے تو اس حال کے غلبے کی بنا، پر ان کی زبان سے بلا اختیار اس قسم کے الفاظ صادر ہو جاتے ہیں۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ)

لیکن واضح رہے کہ جب اکابر مشائخ اس مقام سے گزر کر حق الیقین کے مرتبے تک پہنچتے ہیں تو حدیدُ البصر (تیز بین) ہونے کی وجہ سے اس قسم کے کلمات سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت یہ اکابر توحید شہودی سے بہرہ یاب ہوتے ہیں جو کہ عقل اور شرع دونوں کے تقاضے پورے کرتی ہے۔ بخلاف توحید وجُودی کے کیوں کہ توحید وجودی میں عقل و شرع دونوں میں تضاد اور مخالفت قائم رہتی ہے۔ لہٰذا دانش اور شعور کا یہی تقاضا ہے کہ عقل و شرع کی باہمی مخالفت کو دُور کر دیا جائے۔ اگلی سُطور میں حضرت امامِ ربّانی قُدِّس سِرّہٗ نے اپنے زمانے کے ان صُوفیوں کی مذمّت فرمائی ہے جو توحید وجُودی کو عام کرنے میں مصروف رہتے تھے اور عین الیقین کی بجائے علم الیقین ہی میں بند تھے اور مشائخ کبار کے اقوال کو اپنی مرضی کے سانچوں میں ڈھالتے اور معانیِ متخیّلہ مراد لیتے تھے اور اپنے آپ کو مقتدائے زمانہ تصور کرتے تھے نہ وہ صاحبِ حال تھے نہ صاحبِ مقام لیکن سُلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابرِ مشائخ کے سُکریہ کلمات کو سَند بنا کر اپنے بے رونق بازار کو بارونق بنانے کی فکر میں رہتے۔ وہ توحید وجُودی کے اَسرار و معانی سے بھی قطعاً نابلد اور بے خبر تھے۔ افسوس کہ آج کل کے اکثر گندم نما جو فروش صوفی بھی اسی طرح کے باطل خیالات میں گرفتار ہیں اور نافہمی کی بناء پر صوفیائے کرام کے درمیان تعصّب کی فضا قائم کرنے کی مذموم کوششیں کر رہے ہیں۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ شُرُوْرِھِمْ)

امامِ ربّانی قُدِّس سِرّہٗ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض گزشتہ زمانے کے بعض مشائخ کی عبارتوں میں جو ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے واضح طور پر توحید وجُودی ظاہر

ہوتی ہے تو ان کی ایسی باتوں پر یہ قیاس کرنا چاہیئے کہ انہوں نے ابتدا ءمیں علم الیقین کے مقام میں اس قسم کے الفاظ فرمائے ہیں اور آخر کار ان کو اس مقام سے ترقی دے کر عین الیقین تک لے گئے ہیں۔

تصوّرِ وحدتُ الوجُود اور حضرت امامِ ربّانی قُدِّس سِرُّہٗ

حضرت امامِ ربّانی قُدِّس سِرُّہٗ نے مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی اس طرح تشریح و تنقیح فرمائی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں تصوّرات میں تضاد نہیں۔ صرف اتنا فرق ہے جتنا جاننے اور دیکھنے میں ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے اسی مکتوب کی ابتداء میں تصریح فرمائی ہے اس سلسلے میں آپ کی تعلیمات سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ تصوّر وحدتُ الوجُود احوالِ طریقت میں سے ایک حال ہے اور مقاماتِ توحید میں سے ایک مقام ہے۔ یہ آخری منزل نہیں بلکہ اس سے بلند تر بھی ایک مقام ہے جس کو توحیدِ شہودی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ آپ نے اربابِ توحیدِ وجودی کے تصوّرات و مکاشفات کی اس خوبی سے تاویل فرمائی ہے کہ جس سے ان کی تنقیصِ شان کا شائبہ بھی نہیں رہتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اکابرین صوفیائے وجودیہ کے جن اقوال پر مخالفین نے کفر و شرک کے فتوے صادر کیے ہیں حضرت امامِ ربّانی قُدِّس سِرُّہٗ نے ان اقوال کو منزلِ فنا، سکرِ وقت اور غلبۂ حال پر محمول کر کے مخالفانہ خُردہ گیری سے بچایا ہے۔ یہ امامِ ربّانی قُدِّس سِرُّہٗ کا وہ امتیاز ہے جس سے صوفیائے وجُودیہ کے مؤیدین بھی سرفراز نہیں ہو سکے چنانچہ آپ نے ایک مکتوب میں فرمایا ہے کہ متصوفہ گرامی میں جو کوئی وحدت الوجود کا قائل ہے اور اشیاء کو عین حق دیکھتا ہے اور ہمہ اوست کا حکم دیتا ہے اس کا مقصُود یہ نہیں کہ اشیاء اور حق جَلّ و عَلا متحد ہو گئے ہیں، تنزیہہ سے تنزّل کر کے تشبیہہ پر آ گئے ہیں، واجب سے ممکن اور بے مثال سے مثال ہو گیا ہے۔ یہ سب باتیں کفر و بے دینی اور گمراہی و زندقہ ہیں۔ بلکہ ہمہ اُوست کے معنیٰ تو یہ ہوئے کہ وہ خود نہیں

ہیں صرف اللہ تعالیٰ موجود ہے[1]۔ اسی لیے آپ نے حضرت ابنِ منصور الحلاّج کے قول اَنَا الْحَقُّ اور حضرت بایزید بسطامی کے قول سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ کی تاویل فرماتے ہوئے ایک مکتوب میں فرمایا:

بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو غلبۂ محبّت کی وجہ سے یہ احکام دیتے ہیں۔ مگر ایسا غلبۂ محبت اور استیلائے عشقِ محبُوب کی وجہ سے ہوتا ہے کہ محب کی کی نظر سے غیرِ محبُوب اوجھل ہوجاتا ہے اور وہ سوائے محبوب کے کچھ نہیں دیکھتا نہ یہ کہ محبوب کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں کیونکہ یہ حس عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے[2]۔

غرضیکہ حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے جہاں کہیں تصوّرِ وحدت الوجود کی تردید فرمائی ہے اس سے مقصود اس تعبیر و تشریح کی مخالفت ہے جس سے خالق و مخلوق کے درمیان اتّحاد و حلول کا شائبہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے بتایا ہے کہ تصوّر وحدۃُ الوجود توحید کا ابتدائی مرتبہ ہے جو فنائیت اور غلبۂ محبّت سے پیدا ہوتا ہے۔ مقامِ وُجودیّت سے آگے مقامِ ظلّیت ہے اور سب سے بڑھ کر مقامِ عبدیّت ہے۔ آپ کے نزدیک حضرت بایزید بسطامی، حضرت ابنِ عربی اور دیگر صوفیائے وجودیہ علیہم الرحمہ اسی مقامِ وُجودیّت پر ہی رُکے نہ رہے تھے بلکہ یہاں سے ترقی کرکے عین الیقین اور حقُ الیقین کے مرتبوں پر پہنچے تھے اور مقامِ عبدیّت سے مشرف ہوگئے تھے۔

(وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ)

حضرت مُجدّد الف ثانی اور شیخ عبدالحق مُحدّث دہلوی قُدّس سرّہما

متن میاں عبدالحق کہ یکے از مُخلصان ایشانند نقل کردند

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۴۴ [2] دفتر اوّل مکتوب ۱۳۱

کہ پیش از مرضِ موت ایشاں بیک ہفتہ فرمودہ اند کہ مرا بعین الیقین معلوم شُد کہ توحید کُوچہ ایست تنگ شاہراہ دیگر است۔

ترجمہ: میاں عبد الحق نے جو کہ حضرت کے مخلصین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ حضرت نے اپنی مرضِ موت سے ایک ہفتہ پہلے فرمایا تھا کہ مجھے عینُ الیقین کے ساتھ معلوم ہو گیا ہے کہ توحیدِ وجودی ایک تنگ کُوچہ ہے شاہراہ دُوسری ہے

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدس سرّہٗ نے سطور بالا میں میاں عبد الحق سے ایک روایت نقل فرمائی ہے میاں عبد الحق سے مُراد حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے دَور کے اکابر علماء، محققین و مُحدّثین میں سے تھے۔ یہ پہلے سلسلہ قادریہ میں بعیت ہوئے تھے اس کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہ قُدس سرّہ کے دستِ حق پرست پر سلسلہ نقشبندیہ میں بھی بعیت کی سعادت حاصل فرمائی۔ اسی حوالے سے حضرت امامِ ربّانی قُدس سرّہٗ نے ان کو حضرت خواجہ کے مخلص دوستوں میں شمار کیا ہے۔

واضح رہے کہ حضرتِ شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ عرصہ تک حضرت امام ربّانی قُدس سرّہٗ کی بعض تحریروں سے اختلاف رہا جو بعد میں دُور ہو گیا تھا۔ قدرے تفصیل کے لیے موجودہ دَور کے مذہبی سکالر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعُود احمد مدّظلہٗ مقیم کراچی کی ایک تصنیف ''سیرت مجدّد الف ثانی'' سے چند اقتباسات نذرِ قارئین ہیں جو حقیقت حال کے سمجھنے میں مفید ثابت ہوں گے۔

شیخ عبدالحق مُحدّث دہلوی خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے خلفاء میں سے دُوسرے خلیفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ (م - ۱۰۵۲ھ) تھے جن کو حضرت مجدّد کی بعض تحریروں سے اختلاف تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی حیات میں کسی مُرید یا خلیفہ نے زبان نہ کھولی لیکن شکوک وشبہات اسی زمانے میں پیدا ہو گئے ہوں گے جن کا اظہار بعد میں ہوا۔ شیخ محمّد امین بدخشی (صاحب مناقبُ الحضرات) نے ایک مجلس کا چشم دید حال لکھا ہے جس میں وہ خود شریک تھے۔ دو تین عُلماء اور شیخ عبدالحق محدّث دھلوی بھی موجود تھے۔ اس مجلس میں حضرت مجدّد کا ذکر نکل آیا، ایک عالم نے آپ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا شیخ محمّد امین نے اس کے خیالات کی تردید کی مگر وہ نہ مانا چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

مَیں نے کہا کہ صفاءِ باطنی اور اتّباع نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ جو مَیں نے ان میں دیکھی ہے کسی میں نہ دیکھی مگر وہ نہ مانا میں نے کہا کہ اچھّا قرآن کریم سے فال نکال لی جائے۔ جب فال نکالی گئی تو یہ آیتِ کریمہ سامنے آئی :

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ [1]

اس پر وہ مولوی شرمسار ہوا اور حیرت زدہ رہ گیا۔[2]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دھلوی کے سامنے بھی عُلماء کو یہ جرأت ہوتی تھی اور غالباً آپ خاموش رہتے تھے کیونکہ محمّد امین بدخشی نے شیخ دہلوی کا ذکر کیا ہے مگر یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے بُرا بھلا کہنے والے اس عالم کو کچھ کہا۔ بہر کیف رنجش کی صورت میں اسی قسم کی خاموشی کا اظہار ہوتا ہے۔

انہی ایّام میں حضرت مجدّد کا ایک مُرید حسن خان افغانی نہ معلوم کیوں آپ سے

---

[1] النور، ۳۷ [2] مناقبِ آدمیہ وحضراتِ احمدیہ (مخطوطہ لندن ۱۱۴۰ھ) ورق ۱۷۴

برگشتہ ہوگیا اور مکتوبات شریف کے بہت مسوّدات ساتھ لے گیا (اس وقت مکتوبات کتابی شکل میں مدوّن نہ ہوئے تھے) حسن افغانی نے ان مکاتیب میں تحریف و ترمیم کرکے بہت سی نقول تیار کیں اور علماء وصوفیہ کو حضرت مجدّد کے خلاف ہموار کیا۔ غالباً اسی حسن افغانی نے شیخ محدّث دہلوی کے پاس جاجا کر باتیں لگائیں اور آپ کو حضرت مجدّد سے بدگمان کیا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ نے حضرت مجدّد کی بعض تحریروں اور معاندین کی ریشہ دوانیوں سے متاثر ہوکر حضرت مجدّد کے بعض افکار وخیالات پر اعتراضات فرمائے اور یہ اعتراضات ایک نجی مکتوب میں حضرت مجدّد کے سامنے پیش کیے جس میں ایک ایک کرکے تمام اعتراضات کا ذکر فرمایا ہے۔ اس مکتوب کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں حضرت مجدّد اور شیخ محدّث کے درمیان باقاعدہ مراسلت بھی رہی لیکن بعض بدخواہوں نے اس مکتوب کو بہت ہوا دی اور اس کی بڑی شہرت کی۔ چنانچہ یہ مکتوب عہدِ شاہجہانی کے ایک عالم مولانا عبداللہ خویشگی قصوری (م ۱۱۰۶ھ) نے اپنی تالیف معارج الولایت (۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۲ء) میں نقل کیا ہے[1]۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس کتاب سے اپنی تالیف "حیاتِ شیخ عبدالحق" میں یہ مکتوب نقل کیا ہے[2]۔ حضرت مجدّد کے مخالفین نے پاک وہند میں خوب اس کی تشہیر کی۔ ظاہر ہے کہ ایک فاضل وقت کا اختلاف کوئی معمولی بات نہ تھی مگر وہ ایک نجی بات تھی جو عالم آشکار کی گئی۔ شیخ محدّث کی ہرگز یہ منشاء نہ تھی کہ اپنی تحریر سے مسلمانوں کو بدگمان کریں اور اپنے پیر بھائی حضرت مجدّد کو بے قدر و رسوا کریں، جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں وہ ظلم کرتے ہیں اور تاریخی خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

---

[1] معارج الولایت قلمی نمبر ۲۵ مکتوبہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۱۱۱ھ ورق ۵۱۳ تا ۶۵۵ پنجاب یونیورسٹی لاہور (بحوالہ احوال و آثار ص ۱۰۲) [2] حیات شیخ عبدالحق ص ۳۱۲ تا ص ۳۴۴

بہرکیف اسی مکتوب کا سہارا لے کر مولانا عبداللہ خویشگی قصوری نے علماء ظاہر کی طرح بعض اعتراضات کیے ہیں[1]۔ یہ مکتوب سرزمین سندھ میں آیا اور یہاں بھی اس کی تشہیر کی گئی۔ مخالفت کی شدّت کا اندازہ لگائیں کہاں دہلی اور سرہند اور کہاں سندھ ۱۱۲۳ھ میں شہر ٹھٹھہ (پاکستان سندھ) میں ایک رسالہ "ابحاث" فاضل جلیل شیخ معین تتوی علیہ الرحمہ کی نظر سے گزرا اس رسالے کو حضرت شیخ عبدالحق مُحدّث دھلوی سے منسوب کیا جاتا تھا اور اس میں شک نہیں کہ اس رسالے میں حضرت مجدد پر جن اعتراضات کا ذکر کیا ہے وہ شیخ محدّث علیہ الرحمہ کے مکتوب میں موجود ہیں۔ مگر شیخ محمد معین علیہ الرحمہ نے حُسنِ ظن کی بناء پر (اور یہ حُسنِ ظن ہر مسلمان کو دُوسرے مُسلمان بھائی سے ہونا چاہیئے) تمہیداً یہ لکھا ہے:

اس علاقے میں لوگ اس رسالے کو حضرت شیخ عبدالحق محدّث دھلوی سے منسوب کرتے ہیں لیکن میرے نزدیک اس میں بعض باتیں اس نسبت کی تکذیب کرتی ہیں[2]۔

اُستاد محترم حضرت قبلہ ڈاکٹر غُلام مصطفٰے خان مدّظلہ العالی نے اسی قسم کا اظہار خیال شیخ محدّث دھلوی کے اصل مکتوب کے بارے میں فرمایا جو حیات شیخ عبدالحق میں نقل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے نقل در نقل سے بات کہیں سے کہیں تک پہنچ جاتی ہے آپ تحریر فرماتے ہیں:

"لیکن بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکتوب شیخ محدّث کے قلم سے کم اور دُوسروں سے زیادہ تعلق رکھتا ہے[3]"۔ اس کے بعد آپ نے اس مکتوب کی بعض غلطیوں کی نشاندہی کی ہے جو ایک معمولی فارسی داں بھی نہیں کرسکتا۔

---

[1] معارج الولایت ورق ۵۶۹

[2] بہجۃ الانظار فی براۃ الابرار (قلمی مملوکہ مولانا مُحمّد ہاشم جان مجدّدی سرہندی ورق ۶

[3] حضرت مجدّد الف ثانی ..... ایک تحقیقی جائزہ صفحہ ۴

بہرکیف شیخ محمد معین تتوی علیہ الرحمہ نے اپنی تالیف بہجۃ الانظار فی براۃ الابرار میں ان اعتراضات کا ایک ایک کر کے مدلل اور شافی جواب لکھا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق اور دوسرے مخالفین کے جوابات خود حضرت مجدد نے عنایت فرمائے۔ اس کے علاوہ معاصرین علماء کرام وصوفیائے عظام اور متاخرین علماء وصوفیاء نے بھی مرحمت فرمائے معاصرین میں فاضل جلیل، علامۂ دوراں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶ء) قابل ذکر ہیں[1]۔ آپ نے معترضین کے رد میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔ اس کا نام معلوم نہ ہو سکا لیکن محمد الدین فوق نے اپنی تالیف "ملک العلماء علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی" میں علامہ موصوف کی ایک تصنیف دلائل التجوید کا ذکر کیا ہے[1]۔ ممکن ہے کہ یہی رسالہ ہو۔

اس کے علاوہ مولوی وکیل احمد سکندرپوری نے خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ (ابن حضرت مجدد) کے صاحبزادے خواجہ محمد نقشبند ثانی علیہ الرحمہ کے پاس علامہ عبدالحکیم علیہ الرحمہ کی اس تحریر کا ذکر کیا ہے جس پر علامہ موصوف کے دستخط بھی موجود تھے۔ علامہ ممدوح کی اس دستخط شدہ عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔ "بزرگوں کے کلام کا ان کی مراد کے خلاف مطلب نکال کر مراد لینا سراسر جہالت ہے، اس کا کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ پس شیخیت پناہ عرفان دستگاہ شیخ احمد کے کلام کا رد کرنا جہالت اور ناسمجھی کی بات ہے"[2]۔

صاحب نزہۃ الخواطر حکیم عبدالحئی نے بھی اس عبارت کا ذکر کیا ہے بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ تحریر انہوں نے خود دیکھی ہے[3]۔ راقم سے مولانا محمد ہاشم جان مجددی سرہندی مدظلہ العالی نے بھی فرمایا تھا کہ قیام لکھنؤ کے زمانے میں انہوں نے کسی علمی خاندان میں مضافات لکھنؤ میں ایسی تحریر ملاحظہ فرمائی تھی۔ صاحب نزہۃ الخواطر نے تحریر فرمایا ہے:

---

[1] ملک العلماء علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ص ۵۲

[2] الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی ص ۵ ، [3] نزہۃ الخواطر ص ۱۴۱ تا ۱۴۳ ج ۵

وقد رأيت بخط السند العلماء افضل الفضلاء
مولانا عبد الحكيم السيالكوتي في رد بعض شبهات
المخالفين على كلامه قدس سرّه
هذه العبارة :
القدح في كلام الشيوخ على غير مراد هم جهل
...... فرد كلام الشيخ الاجل العارف الكبير
الشيخ احمد انما هو السفاهة وقلة الفهم[1]۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے یہ بھی لکھا ہے کہ شام کے مشہور فاضل شیخ عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمہ (م ۱۰۵۰ھ/ ۱۶۴۰ء) نے اپنی تالیف نتیجۃ العلوم و نصیحۃ علی الرسوم (تالیف ۱۱۱۲ھ) میں حضرت مجدد کے کلماتِ طیبات کی تشریح کی ہے[2]۔ مولوی وکیل احمد سکندر پوری نے اس رسالے کا یہ اقتباس دیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ عبد الغنی علیہ الرحمہ اولیاء اللہ کے کلام کو لغتِ عام کے مطابق ناقابلِ تشریح و تاویل سمجھتے تھے[3]۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

اے بھائیو! پہلی بات تو تم کو یہ معلوم ہونی چاہیئے کہ مشائخ طریقت کے نزدیک ان کے مفرد یا مرکب کسی بھی لفظ کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی کہ وہ خاص لغت میں گفتگو فرماتے ہیں ان کے کلام کو اسی لغتِ خاص پر محمول کیا جانا چاہیئے خواہ کلام عربی زبان میں ہو یا کسی دوسری

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد پنجم صـ۴۱ تا ۵۲ [2] نزہۃ الخواطر جلد پنجم صـ۴۱ تا ۵۳

[3] شیخ عبد الغنی نابلسی ۱۰۵۰ھ/ ۱۶۴۰ء میں دمشق میں پیدا ہوئے اور ۱۱۴۳ھ/ ۱۷۳۰ء میں یہیں وفات پائی۔ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ مختلف علوم و فنون پر ان کی بکثرت تصانیف سے ان کے تبحرِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسماعیل پاشا البغدادی نے اپنی تالیف ہدیۃ العارفین میں ان کی متعدد تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ حسین حلمی ایشیق بن سعید نے اپنی تالیف المنحۃ الوھبیۃ مطبوعہ استنبول ۱۹۷۳ء میں ہدیۃ العارفین کے متعلقہ اوراق کا عکس شامل کر دیا ہے۔ تصانیف کی تعداد سوا دو سو کے لگ بھگ ہے ان کے علاوہ اور بھی متعدد تصانیف ہیں۔

زبان میں[1]۔

حضرت شیخ عبد الحق نے حضرت مجدد کے کلمات کو لُغتِ عام پر محمول فرمایا اس لیے اختلاف کی صورت پیدا ہو گئی۔ حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمہ (م ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) نے بھی یہی فرمایا ہے کہ جو شخص صوفیاء کے طریق کے مطابق حضرت مجدد کی عبارات کی تاویل کر سکتا ہے (یعنی لُغتِ خاص میں اس کو سمجھ سکتا ہے) اس کے نزدیک تو اعتراض کی گنجائش ہی نہیں[2]۔ اس لیے شاہ صاحب ممدُوح نے شیخ عبد الحق کے اعتراضات کے متعلق بڑی دل لگتی بات فرمادی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

شیخ (عبد الحق محدّث دھلوی) نے بطور عُلماءِ ظاہر اعتراض فرمایا ہے لیکن حضرت مجدد نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بطور عُلماءِ باطن ہے۔ اس کی دُنیا اور ہے، اس کی منزل اور اعتراض کیسا[3]؟ اللہ اللہ کس حُسن و خوبصورتی کے ساتھ مسئلے کو حل فرمایا ہے۔

ع مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شیخ عبد الحق محدّث دھلوی نے آخر میں رجُوع فرمالیا تھا لیکن یہاں رجُوعیّت کا مسئلہ نہ تھا بلکہ تسلیم و توقّف کا مسئلہ تھا۔ رجُوع ایسے اختلافی مسئلے میں کیا جاتا ہے جس کی بنیاد عقل و نقل پر ہو لیکن ان مسائل مختلف فِیہم کی بنیاد ہی کچھ اور تھی۔ شاہ غلام علی علیہ الرحمہ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے جو اُوپر نقل کر دیا گیا ہے مگر زمانہ مابعد کے عُلماء کا ردّ لکھنا تسلیم و توقّف کی روایت کو کچھ مشکوک بنا دیتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ردّ لکھنا کسی طرح مناسب نہیں تھا جیسا کہ (بقول صاحب نزہۃ الخواطر) شاہ عبد العزیز محدّث دھلوی (م ۱۲۲۹ھ) نے شیخ عبد الحق کے بعض اعتراضات کا ردّ فرمایا ہے لیکن اغلب یہی ہے کہ تسلیم و توقّف اور صلح و صفائی کے باوجود مخالفین نے

---

[1] الکلامُ المُنجی برد ایرادات البرزنجی مطبوعہ دھلی ۱۳۱۲ھ ص ۲۴

[2] رسالہ در دفع اعتراضات (قلمی) ص ۱ [3] رسالہ در دفع اعتراضات (قلمی) ص ۱ تا ۲

شیخ محدث کی مخالفانہ اور معترضانہ تحریر کو ہوا دی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں ردّ لکھنا ضروری تھا اور درحقیقت یہ شیخ محدث کا ردّ نہیں بلکہ ان معاندین کا ردّ ہے جنہوں نے ایک نجی خط کو عالم آشکار کر کے ایک طرف شیخ محدث کے دامنِ اخلاص کو داغدار کیا اور دُوسری طرف ایک مردِ کامل کو بدنام کیا اور لوگوں کو اس سے بدگمان کیا۔

شیخ عبد الحق محدث دھلوی کے تسلیم و توقف اور معذرت طلبی کی ایک اہم روایت صاحب مناقب العارفین شیخ فتح محمد چشتی علیہ الرحمہ نے نقل کی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ

"حضرت شیخ عبد الحق کے صاحب زادے مولانا نُور الحق سے معلوم ہوا ہے کہ شیخ صاحب نے آپ کے مکتوبات کے ردّ میں ایک رسالہ (مکتوب) لکھا تھا جب ان کو حسن خان کی تحریف کا واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے معذرت کا مکتوب لکھا[1]"

شیخ فتح محمد چشتی خود شیخ محدث کے صاحبزادے شیخ نُور الحق سے براہِ راست روایت کر رہے ہیں اس لیے شک وشبہ کی گنجائش نہ رہنی چاہیئے البتہ یہ ضروری ہے کہ مناقب العارفین کے کسی مستند قلمی نسخے سے اس بیان کا تقابل کر لیا جائے تاکہ محققین کی نظر میں بھی شُبہ کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ زمانہ مابعد کے تذکرہ نگاروں اور محققین نے شیخ فتح محمد چشتی کے مندرجہ بالا بیان کو تسلیم کیا ہے اور اسی بنیاد پر وہ تسلیم و توقف کے قائل ہیں[2]

اس کے علاوہ اکثر حضرات نے استدلالاً شیخ محدث کا وہ مکتوب بھی پیش کیا ہے جو آپ نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے خلیفہ اور اپنے پیر بھائی خواجہ حسام الدین علیہ الرحمہ (م ۱۰۴۳ھ/۱۶۳۳ء) کے نام تحریر فرمایا تھا۔ یہ مکتوب اخبار الاخیار کے بعد کے نسخوں میں کسی نے شامل کر دیا ہے۔

---

[1] سیرتِ امامِ ربّانی از ابُو البیان محمد داوٗد پسرُوری صہ ۱۹۸

[2] (الف) حضرت مجدد الف ثانی (ایک تحقیقی جائزہ) صہ ۳۹ تا ۵۱

(ب) احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصُوری از محمد اقبال مجدّدی صہ ۱۴۶ (ج) حضرت مجدد الف ثانی از سید زوار حسین شاہ صہ ۳۶۴

"ان دنوں میاں شیخ احمد سلمہ، سے فقیر کی صفائی حد سے زیادہ ہو چکی ہے اور پردہ بشریت و جبلت درمیان میں نہیں رہا۔ انصاف و عقل اور رعایت طریقہ سے قطع نظر کہ جو اس قسم کے عزیزوں کے ساتھ نامناسب نہیں سمجھنا چاہیئے باطن میں ذوق و وجدان اور غلبۂ حال سے وہ چیز آئی ہے کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے۔ کیا ہی پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیر دیتی ہے اور احوال بدل دیتی ہے شاید ظاہر بین اس کو دور از کار کہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ حال کیسا ہے اور کس طرح ہے"۔[1]

غالباً اسی مکتوب گرامی کی بنیاد پر نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) نے تحریر فرمایا ہے: "ابتداء میں شیخ عبدالحق دھلوی کو حضرت مجدد کے احوال و اقوال سے انکار تھا لیکن آخر کار انہوں نے رجوع فرمالیا اور خدا کا شکر ہے کہ ظاہر و باطن دونوں طرح اعتراف حقیقت فرمایا[2]"

صاحب نزھۃ الخواطر نے مخالفت اور پھر رجوعیت کا ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "شیخ عبدالحق بن سیف الدین البخاری الدھلوی نے مخالفت کی اور آپ کے مکتوبات پر بعض اعتراضات کیے اور ایک رسالہ تصنیف کیا جس کا شیخ عبدالعزیز بن ولی اللہ العمری الدھلوی اور شیخ غلام علی العلوی الدھلوی اور بہت سے علماء و مشائخ نے رد لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ نور الحق بن عبدالحق دھلوی نے بھی اس سلسلے میں اپنے والد کی مخالفت کی بلکہ آپ نے تو شیخ معصوم اور شیخ محمد سعید (فرزندان شیخ احمد) سے استفادۂ روحانی فرمایا اور یہ مشہور ہے کہ شیخ عبدالحق نے آخر عمر میں حضرت مجدد کی مخالفت سے رجوع کرلیا تھا۔"

اور شیخ حسام الدین بن نظام الدین البدخشی الدھلوی کو آپ کے متعلق ایک مکتوب میں

---

[1] اخبار الاخیار ضمیمہ ص ۳۲۶ [2] تقصار الجیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۱۱۱

نوٹ: ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے بھی عارضی غلط فہمی اور پھر رجوعیت کا ذکر کیا ہے اور استدلالاً خواجہ حسام الدین کے نام شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مکتوب کو پیش کیا ہے۔ (مسعود)

یوں تحریر فرمایا:

"دریں ایام صفائی باطن فقیر بخدمت میاں شیخ احمد سلمہ از حد متجاوز است اصلاً[1] پردۂ بشریت و غشاوۂ جبلت درمیاں نماند نمی داند کہ از کجاست قطع نظر از رعایت طریقہ انصاف و حکم عقل کہ با چنیں بزرگاں بدنباید بود ور درباطن بطریق ذوق و وجدان و غلبہ چیزے افتادہ است کہ زبان از تقریر آں لال است، اللہ مُقلّبُ القلوب و مُبدّل الاحوال، شاید ظاہر بیناں را استبعاد است من دانم کہ حال چیست و بچہ مثال است[1]"

حضرت شاہ غلام علی علیہ الرحمہ نے شیخ محدث کے کلمہ مذکور "اصلاً پردۂ بشریت و غشاوۂ جبلت درمیاں نماند"، پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"یہ جُملہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اعتراضات بشریت و نفسانیت کے تحت تحریر فرمائے تھے نہ از راہ حقیقت۔ سُبحان اللہ۔ عُلماء اور اولیاء کا یہ حال ہے تو حاسد جاہلوں اور ناسمجھ دشمنوں کے حال پر حیف! مَعاذ اللہ[2]"

لیکن یہ بشریت و نفسانیت ہرگز وہ نہیں جو فی زَمانِنا پائی جاتی ہے اور جس میں عناد کی بُو آتی ہے شیخ محدث کے اعتراضات گو بتقاضائے بشری تھے مگر مخلصانہ تھے، نہ ان کو سلسلہ نقشبندیہ سے پرخاش تھی جیسا کہ آج کل بعض سلاسل کے کچھ لوگوں کو ہے اور نہ حضرت مجدد سے انکی کوئی ذاتی رنجش تھی بلکہ دونوں پیر بھائی تھے محبت و اخلاص کے بندھنوں میں بندھے ہوئے۔ شیخ محدث نے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی صُحبت میں حضورِ نقشبندیہ حاصل کیا تھا جس کا ذکر بیان سلاسل مشائخ میں کیا ہے اور ایک

---

[1] نزھۃ الخواطر از حکیم عبد الحئی لکھنوی، جلد پنجم صد ۵۱ تا ۵۲ نوٹ: صاحب نزھۃ الخواطر نے عربی متن میں اس مکتوب کا ترجمہ دیا ہے اور حاشیہ میں اصل فارسی متن تحریر کیا ہے۔ ہم نے اس مکتوب کا اُردو ترجمہ اُوپر دے دیا ہے۔ (مسعود)

[2] رسالہ در دفع اعتراضات در کلام حضرت مجدد (قلمی) صد ۳

دُوسری تصنیف مُوصل المُرید الی المراد میں تحریر فرماتے ہیں۔

"نزد انصاف طریقہ نقشبندیہ اقرب است و برائے حصُولِ فنا و بقا بہتر ازیں طریقہ نیست"[1]

ان کو حضرت مجدّد سے کمال محبّت تھی۔ چنانچہ اسی مکتوب میں جو آج تک دونوں حضرات کی باہمی رنجش و مخالفت کو ثابت کرنے کے لیے استدلالاً پیش کیا جاتا ہے تحریر فرماتے ہیں

"محبّتے کہ مرا با شما است کسے را نخواھد بود و شما عزیز اند و طریقہ شما عزیز حضرت خواجہ اثبات شما بسیار کردند"[2]

افسوس! محبّت کے ان بولوں کی طرف کسی نے توجّہ نہ دی۔ انسانی فطرت ہے کہ اس کو لڑنے اور لڑائی کی باتیں کرنے میں بہت مزا آتا ہے تفویضِ خلافت کے وقت فرشتوں نے اس طرف اشارہ کر دیا تھا۔

حضرت امامِ ربّانی اور ان کے ناقدین

حضرت امامِ ربّانی قدس سرّہٗ کے ناقدین کی فہرست میں اکثر وہ لوگ پائے جاتے ہیں جو نظریۂ توحیدِ وجُودی میں غلو کی حد تک پہنچے ہُوئے ہیں اور نظریۂ توحیدِ شہودی کو سمجھنے کی ہرگز کوشش نہیں کرتے اور بعض لوگ محض بُغض و عناد کی بنیاد پر بلا سوچے سمجھے آپ کی عباراتِ مکتوبات کی مَن مانی اور فاسد تاویلات کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابنِ عربی علیہ الرحمہ کے اکثر ناقدین نے ان کو بھی تضحیک و تنقید کا زبردست نشانہ بنایا اور فصوص الحکم و فتوحاتِ مکیّہ کی بعض عبارات کو کُفر و شرک قرار دے دیا۔ جبکہ حضرت امامِ ربّانی قُدّس سرُّہٗ نے حضرت ابنِ عربی علیہ الرحمۃ کے ساتھ نظریۂ توحید کے بعض پہلوؤں میں اختلاف کے باوجُود ان کو اولیائے مقرّبین کے زُمرے میں شمار کرکے خُلوص و دیانت کی اعلیٰ مثال

---

[1] رسالہ در دفع اعتراضات در کلام حضرت مجدّد (قلمی) صـ۲ ، [2] ایضاً

قائم فرمائی ہے۔

ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حضرت شیخ عبد الحق محدّث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ کی بعض علمی وکشفی عارفانہ عبارات سے اختلاف کرنا اور بعد میں حقیقت مسئلہ واضح ہونے پر اختلاف سے رجوع کرنا خلوص وللّٰہیّت کا بہترین نمونہ ہے۔ لیکن اے کاش دُوسرے مخالفین وناقدین بھی اس سے سبق حاصل کرتے۔ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ

حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ کے ناقدین میں جن حضرات نے فاسد تاویلات کا سہارا لے کر آپ کو ہدفِ تنقید بنایا ان میں عہدِ شاہجہانی کا ایک شخص غلام معین الدّین عبداللہ خویشگی المتخلّص بہ عبدی ہے اور دُوسرا سید محمّد بن سید رسُول برزنجی ہے۔ یہ دونوں حضرات خاندانِ نقشبندیہ مجدّدیہ کے غالی دشمن اور بے رحم نقاد شمار کیے جاتے ہیں جنہوں نے وضعی عبارتیں اور جعلی مفہوم حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ کے ساتھ منسُوب کر کے فتوے صادر کیے اور بعض غیر معروف اور بعض غیر مصدّقہ من گھڑت ناموں سے مفتیوں کے دستخط ثبت کیے اور تاریخی خیانت کے مرتکب ہوئے تفصیلات کے لیے موجودہ دور کے ایک اہم مؤرّخ اور فاضل محقّق پروفیسر محمد اقبال مجدّدی (لاہور) کی تصنیف "احوال وآثارِ عبداللہ خویشگی" کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ مناسب معلُوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے چند اقتباسات بطور نمونہ از خروارے ہدیۂ ناظرین کیے جائیں۔ چنانچہ پروفیسر محمد اقبال مجدّدی رقم طراز ہیں۔

عبدی کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عداوت تھی۔ اس نے اپنی تصانیف میں حضرت شیخ مجدّدؒ آپ کی اولاد اور خلفاء کے خلاف جا بجا الزام تراشی کی ہے۔ اسے جہاں کہیں حضرت شیخ مجدّد یا آپ کے خلفاء کے خلاف تحریر نظر آئی ہے اسے بغیر سوچے سمجھے عداوت کے جوش میں اپنی بلند پایہ تصانیف میں نقل کر دیا ہے۔ اس کے اس فعل سے حضرت

مجدّد کے معتقدین کے جذبات کو تو یقیناً ٹھیس پہنچی لیکن مخالفت کے نشے میں اس نے حضرت مجدّد کے خلاف جو مواد اپنی تصانیف میں جمع کر دیا ہے اس سے کم از کم حضرت شیخ مُجدّد کی مخالفت کی نوعیت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اکثر مخالفین کی مخالفت محض عداوت اور ہَوا پرستی پر مبنی تھی۔ آج اس زہر آلود اور خلافِ حق مواد تک رسائی کا واحد ذریعہ عبدی کی ہی تصانیف ہیں ورنہ یہ مواد آج تقریباً ناپید ہوتا۔

حضرت شیخ مجدّد کے دیگر مخالفین کی طرح عبدی نے بھی اپنی مخالفت کا آغاز حضرت شیخ عبد الحق محدّث دھلوی کے اس مکتوب کی آڑ لے کر کیا ہے جس میں حضرت شیخ مجدّد کے مکتوب پر اعتراضات وارد کیے گئے ہیں۔ یہ مکتوب عبدی نے معارج الولایت میں مِن وعَن نقل کر دیا ہے۔ مکتوبِ شیخ نقل کرنے سے بیشتر مکتوب پر حسبِ ذیل تبصرہ کیا ہے

"چوں شیخ احمد کابلی سرہندی معاصر اُو بود و اکثر در شطحیات خویش بشطحیات قایل شدہ کہ اکثرے ازان قابلِ تاویل نیست در ردِّ اُو کوشیدہ بعضے از مقدّمات اُورا در مکتوبات خویش بعینہٖ ایراد نمودہ و استفساری از روی تعریض وتجہیل فرمودہ بعضے اَجوِبہ کہ شیخ احمد بعینہٖ از وے گفتہ و با ورسیدہ آن را نقل کردہ و در دفع اُو کوشیدہ و از اوضاع و اَطوار اُو کہ ظاھر بشرائع و در باطن متکلّم بشطحیات می شد متنفر بودہ چنانکہ از کلامِ اُو در مکتوب مفہوم می شود"[1]

حضرت شیخ عبد الحق محدّث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کچھ اشکال پیش آئے اور شیخ محدّث رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشکال حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض کشوف سے تھے لیکن یہ اختلاف صرف علمی اختلاف کی حد تک تھا، مخالفت ہرگز مقصود نہیں تھی۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کچھ عرصہ بعد حضرت شیخ

---

[1] معارجُ الولایت ورق ۵۶۹ ب

محدّث رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مطمئن ہو گئے اور اعتراضات واپس لے لیے تھے۔

شیخ عبد الحق محدّث دھلوی کے اعتراضات بر شیخ مجدد سے شیخ محدّث کے رجُوع کے اثبات کے باب میں شیخ نُور الحق مشرقی ابن شیخ محدّث کی روایت قابل توجہ ہے جو شیخ نُور الحق مشرقی کے ایک معاصر مصنف شیخ فتح محمّد فتحپوری چشتی صاحب مناقب العارفین کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔ مناقبُ العارفین ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی اس لیے مجبوراً مولانا محمّد داؤد سے یہ روایت نقل کرنا پڑی۔ وہ لکھتے ہیں:

"شیخ فتح محمّد فتح پوری چشتی اپنی کتاب "مناقب العارفین" میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبد الحق کے صاحبزادے مولانا نُور الحق سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے آپ کے مکتوبات کے ردّ میں ایک رسالہ لکھّا تھا جب ان کو حسن خان کی تحریف کا واقعہ معلوم ہُوا تو انہوں نے معذرت کا مکتوب لکھا"۔[1]

اکثر نقشبندی بزرگ شیخ محدّث کے رجُوع کے قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے مذکورہ مکتوب شیخ محدّث کا جواب لکھا ہے، بھی رجُوع کے قائل ہیں۔ رجُوع کے سلسلہ میں شیخ محدّث کا ایک مکتوب بنام خواجہ حسام الدّین کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "در مکتوبے مُرسل بحضرت مرزا حسام الدّین خلیفہ حضرت خواجہ خواجگان محمّد باقی نوشتہ اند کہ غبارے کہ فقیر را بخدمت حضرت شیخ احمد بُود رفع شُد و غشاوۂ بشریّت نماند بذوق و وجدان در دل چیزے اُفتادہ کہ باچُنین عزیزان بدنباید بود"۔[2]

---

[1] سیرت امام ربّانی رحمۃ اللہ علیہ از اَبُو البیان محمّد داؤد پسروری صہ ۱۹۸

[2] رسائل سبعہ سیارہ صہ ۳، روضۃ القیومیہ (اُردو ترجمہ) از خواجہ کمال الدّین محمد احسان ج ۱ صہ ۲۱۱

ہمارے نزدیک حضرت شیخ عبد الحق کے رجُوع کرنے کی روایت من گھڑت نہیں بلکہ اس کے اصح ترین ہونے کے مندرجہ بالا شواھد کے علاوہ ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر شیخ محدّث رجُوع نہ فرماتے تو آپ کی اولاد سلسلہ مجدّدیہ میں کبھی بیعت نہ ہوتی چنانچہ آپ کے فرزندِ ارجمند مولانا نُور الحق مشرقی متوفّی ۱۰۷۳ھ حضرت خواجہ محمد معصُوم رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے[1] حضرت حافظ محمّد محسن (دھلوی) متوفّی ۱۱۴۷ھ نواسۂ حضرت شیخ محدّث بھی حضرت خواجہ محمّد معصُوم رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ کا ایک مکتوبِ گرامی بھی آپ کے نام ہے[2] حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے مرشد حضرت نُور محمّد بدایُونی نے حضرت حافظ محمد محسن رحمۃ اللہ علیہ سے اخذِ فیض کیا تھا[3] اور حضرت شیخ محمد احسان بن حافظ محمد مُحسن رحمۃ اللہ علیہ متوفّی ۱۲۰۶ھ حضرت مِرزا مظہر جانِ جاناں کے مُرید تھے[4] حضرت شیخ محدّث کی اَولاد میں سے مذکورہ بزرگوں کا سلسلہ مجدّدیہ میں بیعت ہونا اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ شیخ محدّث کے رجُوع کی روایات وضعی نہیں ہیں۔

مگر عبدی نے حضرت مجدّد پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کے مطالعہ سے معلُوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت مجدّد کی کوئی بھی تصنیف ایک طالب علم کی حیثیّت سے نہیں پڑھی بلکہ ایک مخالف کی طرح کسی کتاب کے جستہ جستہ مقامات دیکھ کر مخالفت کے جوش میں کچھ سے کچھ لکھ دیا ہے۔ مؤلّف کے خیال میں عبدی نے حضرت مجدّد پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کا واحد ماخذ اس کے عہد کی ایک غلیظ کتاب کاسر المخالفین ہے جو حضرت مجدّد اور آپ کے متبعین کے ردّ میں لکھی گئی تھی۔ گویا عبدی کی حضرت

---

[1] تذکرہ عُلماءِ ہند از رحمان علی صد ۵۲۴ ، مزاراتِ اَولیائے دھلی از محمّد عالم شاہ فریدی صد ۱۰۸

[2] میر سیّد شرف الدّین حسین، مکتوباتِ معصُومیہ (وسیلۃ السعادات) جلد اوّل مکتوب نمبر ۲۶ مطبوعہ و ملخص اشاعت مکتوباتِ معصُومیہ از مولانا نسیم احمد امروہی صد ۳۸، [3] تذکرہ عُلماءِ ہند از رحمان علی ، نُزہۃ الخواطر از عبد الحیٔ حسنی [4] بقیہ آئندہ صفحہ

مجدّد کی مخالفت کا سر المخالفین کے پیدا کردہ شبہات پر مبنی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خود حضرت مجدّد کی کوئی تصنیف نہیں پڑھی بلکہ کاسر المخالفین میں شیخ مجدّد کی کُتب سے محرّف منقول اقتباسات ہی اس کی معلومات کا واحد ذریعہ ہیں جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ راقم احقر نے عبدی کی محولہ کتاب کاسر المخالفین سے عبدی کے اعتراضات کا موازنہ کر کے دیکھا تو اس میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ ہاں کاسر المخالفین کی تلخیص درج کرنے سے پیشتر اور اختتام پر اپنی طرف سے چند سطور میں تبصرہ ضرور کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

مشائخ متقدمین میں سے جو وحدت الوجود کے قائل تھے مثلاً حسین بن منصور حلاج اور شیخ محی الدین ابن عربی کو حضرت مجدّد نے اپنے مکتوبات میں ملحد اور زندیق کہا ہے اور اپنے مکتوبات ہی میں حضرت شیخ محیّ الدین ابن عربی کی تکفیر بھی کی ہے۔

ان بے حقیقت اعتراضات کے پیش نظر عبدی کے اختلاف کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اب اس کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

بدعوۃ طالبان حق ارشاد کرد۔ پس وے اکثر طالبان ہدایت نمودی و بجاب حق دلالت فرمودی و براجرا شرائع تقیّد فرمودی و تارک شرائع را توبیخ و زجر کردی و مرتکب شرائع را دوست داشتی و چون برائے تحریمہ نماز برخاستی اغلب اوقات نیّت را بدل کردی و زبان را ساکت گردانیدی و گفتی کہ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم نیّت بدل کردہ نہ بزبان۔ زیراکہ نیّت فعل قلب است نہ فعل لسان واز مشائخ متقدمین ہر کہ قائل بوحدۃ وجود شدہ چنانکہ حسین منصور و شیخ محیٔ الدین عربی و امثال آں اُورا ملحد و زندیق گفتی در مکتوبات

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

مزاراتِ اولیائے دھلی از محمد عالم شاہ فریدی ص۱۱۱، حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار فارسی از امام بخش بن پیر بخش ص۱۷۵ تحفۃ الابرار از محمد نواب مرزا دہلوی (آفتاب بیگ) جدول پنجم ص۱۹، معمولات مظہریہ از نعیم اللہ بہرائچی ص۱۸

(باقی صفحہ آئندہ پر)

خود کہ مجلد بسہ است در اکثر مواضع شیخ محی الدین عربی را تکفیر نمودہ و در بعضی محال نسبتہ مذاہب اعتزال بوی ثابت نمودہ و باین ہمہ او را از جملہ مقبولان شمردہ و چون در حدیث نبوی واقع شدہ کہ من حفر لاخیہ لم یمت حتّٰی وقع فیہ چنانکہ بر مشائخ شطحیات طعن کردی خود نیز اکثر جای قایل شطحیات شدہ وازین جہت جہانگیر بادشاہ شیخ را بہ گوالیار مدّتے محبوس ساخت چنانکہ شیخ قرآن را در آنجا حفظ کرد و چون بادشاہ بر برأة ذمّہ او وقوف یافت در معذرت شتافت فرمود کہ حاجت اعتذار نیست زیرا کہ درین حبس بحفظ کلام الٰہی مستعد شدم وچون این حقیر را بر مشائخ اعتقاد صحیح وعقیدہ صریح است باوجود یکہ علماء عصر وفضلاء دہر بر بطلان کلام اوفساد سخنان او فتویٰ دادہ بحسب طاقت فہم وقدرۃ ذہن خویش توجیہات شطحیات ایشان مع ایرادات ایزادمی نماید۔"[1]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر میں کئی فتوے لکھے گئے جن میں سے ایک فتویٰ عبدی نے اپنی تصنیف معارج الولایت میں نقل کرلیا تھا۔

عبدی اور شیخ آدم بنوری

عبدی نے معارج الولایت میں بہ ضمن ترجمہ شیخ احمد قشاشی لکھا ہے[2] کہ جب شیخ آدم بنوری ہندوستان سے حجاز آئے تو انہوں نے حقائق ومعارف اعلانیہ بیان کرنے شروع کردیئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

---

[۴] حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار از امام بخش صـ ۱۷۹، تحفۃ الابرار از محمد نواب مرزا آفتاب بیگ جلد پنجم صـ ۲۲ مقامات مظہری از شاہ غلام علی صـ ۱،

[1] معارج الولایت ورق ۵۸۷، الف، ب

[2] شیخ احمد قشاشی متوفی ۱۰۷۱ھ کے حالات انفاس العارفین مؤلفہ شاہ ولی اللہ دھلوی میں موجود ہیں۔ معارج الولایت میں ہے۔"مرید شیخ صبغۃ اللہ گجراتی بود در تربیت وخلافت از شیخ احمد شناوری کہ خلیفہ شیخ صبغۃ اللہ بود نیز داشت جامع علوم ظاہر و باطن بود در اجراء احکام شریعت...... (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اور محرم و نامحرم میں تمیز نہیں کرتے تھے ۔ حفظِ مراتب بھی ملحوظ نہیں رکھتے تھے ۔ چنانچہ ایک مرتبہ علماء کے ایک مجمعے میں جس میں شیخ احمد قشاشی بھی موجود تھے، افضلیت کعبہ کا مسئلہ بیان ہو رہا تھا ۔ شیخ آدم بنوری نے حقیقت کعبہ کو حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات اور تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء پر فضیلت دی ۔ لیکن اس کے برعکس شیخ احمد قشاشی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے کرام اور اولیاء کو کعبہ پر فضیلت دیتے تھے ۔ دونوں طرف سے دلائل و براہین کا تبادلہ ہوتا رہا ۔ بقول عبدی بالآخر شیخ آدم بنوری نے اپنے خیال سے رجوع کرتے ہوئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ سے افضل تسلیم کر لیا مگر دیگر انبیاء اور اولیاء کی کعبہ پر افضلیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ۔ اس پر شیخ آدم بنوری کے رد میں شیخ احمد قشاشی نے ایک مستقل رسالہ تصنیف کر ڈالا ۔ عبدی لکھتا ہے :

"درین اثناء شیخ آدم بنوری از ہندوستان بہ دیار حجاز رسید چون حقائق و معارف را اعلانیہ گفتی و از محرم و نامحرم تمیز نکردی و حفظ مراتب نہ داشتی چنانکہ روزے کہ در مجمع علماء کہ شیخ احمد قشاشی نیز در آنجا حاضر بود بافضیلت حقیقت کعبہ بر حقیقت محمدی و سائر حقائق انبیاء علیہم السلام و مومنان ادعاء نمود شیخ احمد قشاشی گفت ہر مدعی را دلیلے است و دلیل شما بر افضلیت کعبہ بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم چیست ؟ گفت دلیل بر افضلیت کعبہ بر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ساجدیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و مسجودیت کعبہ و صورت کعبہ این سنگ و کلوخ سقف و جدران نیست بلکہ چیزی است کہ ظہور دارد و صورت ندارد و عقل از تشخیص آن عاجز است ۔ شیخ احمد (قشاشی) گفت این کلام موجودہ کثیرہ باطل اول آنکہ اجماع است زیرا کہ اجماع منعقد است بر آنکہ سرور کائنات علیہ من اللہ افضل الصلوٰۃ، افضل مخلوقات است بلکہ قبر شریفش را از کعبہ افضل داشتہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

و امور طریقت و حقیقت تاکید بر کمال داشتی و ہر کہ بدعتہ و ضلالت دیدی آن را دفع کردی (۶۰۵ ب)

اند ...... وادلہ جانبین بسط انجامید و شیخ احمد (قشاشی) با دلہ راجح آمد، شیخ آدم از فضلیت کعبہ بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم رجوع کرد و با فضلیت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بر کعبہ اعتراف نمود ولیکن با فضلیت انبیاء علیہم السلام ومومنان بر کعبہ اقرار نکرد شیخ احمد رسالہ طویلہ بر رد قول او تصنیف کرد و افضلیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وسائر انبیاء علیہم السلام ومومنان بر کعبہ بدلائل نصوص و احادیث در وے اثبات نمودہ ...... آن رسالہ درین مختصر بعینہ ایراد می نماید و آن اینست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللہ وملائکہ والمؤمنون اجمعون .... الخ اختتام رسالہ

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ۔

یہ مذکورہ رسالہ عبدی نے معارج الولایت میں من وعن نقل کر دیا ہے جو چالیس اوراق پر مشتمل ہے۔[1]

حجازِ مقدس پہنچ کر حضرت شیخ آدم بنوری متوفی ۱۰۵۲ھ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد متوفی ۱۰۶۳ھ کو ایک مکتوب لکھا جس میں آپ نے مذکورہ مسئلے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس مکتوب میں لکھتے ہیں:

"روزے کہ از منیٰ الطواف حضرت کعبہ آمدیم چون قریب روضہ مطہرہ حضرت سیدۃ النساء خدیجۃ کبریٰ آمدیم یک بیک چیزے کہ ہرگز در خاطر نبود از انجا تا رسیدن باب حرم کریم بظہور آمد الحمد للہ و المنۃ آنچہ فضیلت و مفضولیت حقیقۃ کعبہ معظمہ باختلاف اکابر مشائخ از حقیقت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام انتہا تسلی پذیر حاصل نمی شد اطمینان جلی نصیب گشت چنانچہ تفصیل آن از کاغذ علیحدہ واضح خواھد شد"۔[2]

---

[1] معارج الولایت از عبدی ورق ۶۰۶ تا ۶۴۶ [2] ظواھر از شیخ محمد عمر بن ابراہیم پشاوری (۱۱۱۲ھ) ورق ۹۶ (قلمی)

حضرت شیخ آدم بنوری کے درج بالا مکتوب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اکابر مشائخ کے اس اختلافی مسئلہ میں غیر مطمئن تھے اور یک بیک الہامی صورت میں انہیں اطمینان کامل نصیب ہوگیا۔ اس مکتوب سے ہرگز یہ مترشح نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس نظریہ سے رجوع کرلیا تھا۔ اس نظریہ سے انحراف اس لیے بھی مشکل نظر آتا ہے کہ شیخ آدم بنوری کے مرشد ارشد حضرت شیخ مجدد بھی حقیقت کعبہ کو حقیقت محمدی پر ترجیح دیتے تھے۔ اس مسئلے پر حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں مفصل بحث کی ہے[1]

خاندان نقشبندیہ کے شدید ترین مخالف سید محمد بن سید رسول برزنجی کی اولاد اورنگ آباد میں آکر مقیم ہوگئی تھی۔ محمد بن حسن بن عبدالکریم بن محمد برزنجی یعنی برزنجی کا پڑپوتا عرصہ دراز تک اورنگ آباد میں مقیم رہا۔ اپنے پڑ دادا کے رسائل "در ردِ خاندانِ مجددیہ" اورنگ آباد ہی میں کتابت کیے۔ یہ رسائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) **العصب الهندی لاستیصال کفریات احمد السرهندی** تصنیف ابوعلی حسن بن علی مکی عجمی بسال ۱۰۹۳ھ بخط محمد بن حسن بن عبدالکریم بن محمد برزنجی مکتوبہ ۱۱۵۷ھ در اورنگزیب آباد[2]

(۲) **قدح الزند وقدح الرمد فی ردّ جہالات اہل سرہند** (عربی) تصنیف سید محمد بن سید رسول برزنجی مصنف کے پڑپوتے نے اس رسالہ کی کتابت ۱۱۷۷ھ میں اورنگ آباد میں کی، ترقیمہ میں قارئین کو عصب الہندی مذکورہ تصنیف ابوعلی حسن بن علی جو اس ترقیمہ کے پیش نظر ۱۱۷۷ھ تک بقید حیات معلوم ہوتا ہے اور اس کتاب کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہوئے لکھتا ہے۔

"کالفراغ من کتابتہ ھذا الکتاب یوم الثلثا غرۃ رجب ۱۱۷۷ھ سبع وسبعین و

---

[1] ملاحظہ ہو دفتر سوم مکتوب ۱۲۴، مبدا و معاد منہا ۴۸ [2] فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن صفحہ ۲۵ ج ۲ نمبر ۲۲۴ فن کلام

مایۃ والف فی مدینہ اورنقباد من ارض الدکن من قطرۃ الہند واحقر الفقراء زین العابدین محمد بن حسن بن عبد الکریم بن محمد المصنف البرزنجی غفر اللہ ولوالدیہ وسائر المسلمین آمین ..... یتلوہ "عصب الہندی"، تالیف علامۃ الوقت ابی علی حسن ابن علی الحنفی المکی العجمی اطال اللہ عمرہ فی عارضہ ثم مقابلیہ ھذا الکتاب"۔[1]

(iii) اسی قسم کے باطل خیالات سے مملو ایک اور رسالہ المتمۃ المسئلۃ المہمۃ مؤلفہ بسال ۱۰۹۴ھ (آصفیہ صہ ۳۵۶ ج ۲ نمبر ۴۲۲ فن کلام)

(iv) الناشرۃ الناجرۃ للفرقۃ الفاجرۃ (عربی) تصنیف محمد بن رسول برزنجی بسال ۱۰۹۳ھ اصل رسالہ تو پیش نظر نہیں ہے فہرست مخطوطات آصفیہ (صہ ۳۶۳ ج ۲ نمبر ۲۲۳ فن کلام) میں اس کے جو محتویات درج ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے رسالت کا دعویٰ کیا تھا۔

"در ۱۰۹۳ھ از ہندوستان ضلالات وخیالات شیخ احمد سرہندی بطور استفتار در دیار عرب رسید کہ او دعوی رسالت کردہ"

نعوذ باللہ گویا مستفتیوں یا برزنجی کی بے جا مخالفت انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اسی رسالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برزنجی نے حضرت مجدد اور آپ کی اولاد وخلفاء کے رد میں دس رسائل تصنیف کیے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"این احقر مصنف این رسالہ قبل ازین نہ رسالہ، در رد او و رد اولاد وخاصان او نوشتہ ام و این یک رسالہ، رسالہ دہم است"

یقیناً اپنے اسلاف کی سنت پر عمل کرتے ہوئے محمد برزنجی کی اولاد نے حضرت مجدد کے رد میں بے شمار رسائل تصنیف کیے ہوں گے۔ برزنجی کا پڑپوتا محمد مقیم (اورنگ آباد) بھی اس کوشش میں مصروف عمل نظر آتا ہے۔

---

[1] فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن صہ ۳۳۶ ج ۲ نمبر ۲۲۴ فن کلام

(۷) رسالہ نمبر ۱۱ قدح المزند ..... الخ میں اس رسالہ سے قبل ہندوستان میں حضرت مجدّد کے ردّ میں جو رسائل لکھے گئے ان میں قبل ۱۰۹۳ھ محمّد صالح اورنگ آبادی کے ایک رسالہ کا ذکر بھی موجود ہے۔

برزنجی نے اپنے رسالہ الناشرہ ..... الخ مذکور میں اپنے رسالہ سے حضرت شیخ مجدّد کے ردّ میں تصنیف ہونے والے مصنّفین کے رسائل کا ذکر کیا ہے۔ جن میں محمّد صالح اورنگ آبادی کا نام سرِ فہرست ہے۔ محمّد صالح اورنگ آبادی نے ایک نہیں بلکہ "چند رسائل در ردِّ آن نوشتہ"

گویا قبل ۱۰۹۳ھ عبدی کا ہم عصر محمّد صالح اورنگ آبادی حضرت مُجدّد کی مخالفت میں پیش پیش نظر آتا ہے۔

اورنگ آبادی مخالفین میں سے محمّد اشرف اورنگ آبادی کا نام بھی ملتا ہے جس نے ۱۰۹۰ھ میں حضرت مجدّد کی تکفیر میں لکھے جانے والے فتوے پر اپنی مُہر ثبت کی تھی[1] یہ بھی عبدی کے قیام اورنگ آباد کا ہمعصر ہے۔

مذکورہ فتویٰ در تکفیر حضرت شیخ مجدّد کے اختتام پر اورنگ زیب کی طرف سے بمُہر قاضی شیخ الاسلام بجانب قاضی اورنگ آباد ایک حکم نامہ نقل کیا گیا ہے جس میں تحریر ہے کہ ۲۷ شوال ۱۰۹۰ھ (۱۶۷۹ء) میں قاضی ہدایت اللہ کو حضرت مجدّد کے مکتوبات میں بعض مقامات عقائد اہل سُنّت وجماعت کے خلاف معلوم ہوئے اور اورنگ آباد میں مقیم حضرت مجدّد کے معتقدین، مکتوبات حضرت شیخ مجدّد اور ان کے نظریات کی ترویج اور درس وتدریس میں مشغول نظر آئے تو بادشاہ کا حکم موصول ہوا کہ یہ سلسلۂ درس بند کروا دیا جائے اور کسی معتقد کو ان کی اشاعت کرتے ہوئے دیکھ لیا گیا تو شرعی سزا کا مستحق ہوگا۔ حکم نامہ حسبِ ذیل ہے!

"ازیں جہت حسبُ الحکم بادشاہِ اسلام بمُہر قاضی شیخ الاسلام بجانب

---

[1] معارج الولایت ورق ۶۰۱ (ضمیمہ ثانی کتاب ھٰذا)

قاضی اورنگ آباد رسید کہ نقل او این است ۔

ازقرار بتاریخ بیست وہفتم شہر شوال سنہ یک ہزار و نود ہجری آنکہ شریعت پناہ فضائل دستگاہ فقاہت انتباہ قاضی ہدایت اللہ بعافیت باشند دریں ولا بعرض مقدس مُعلیٰ رسید کہ بعضے مواضع مکتوبات شیخ احمد سرہندی ظاہر در مخالفت عقائد اہل سنّت وجماعت ست ومعتقدان شیخ مذکور کہ در بلدۂ اورنگ آباد خجستہ بنیاد سکونت دارند وترویج آن بیشتر ہند وتدریس مے نمایند اعتقاد "حقیقۃ" عقائد باطلہ مذکورہ دارند حکم والاشرف صدور یافت کہ این خادم شریعت باشریعت پناہ بنویسید کہ آنہارا از نشر ودرس آں منع کند وکسے کہ معلوم شود کہ معتقد عقائد باطلہ مذکورہ است اورا بسزا شرعی رساند لہٰذا نگارش یابد کہ برطبق حکم مطاع واجب الاتباع بعمل آرند وحقیقت بر نگارند"۔[1]

یہ خط محض وضعی ہے روضۃ القیومیہ میں ۱۰۹۴ھ (پانزدہم سال قیومیت خواجہ نقشبند) کے واقعات کے تحت لکھا ہے کہ مخالفین حضرت مجدد نے یہ منصوبہ بنایا کہ تین خط بادشاہ (اورنگزیب) کی طرف سے جعلی لکھ کر سرہند بھیجے گئے جن کی بادشاہ کو مطلق خبر نہیں تھی۔ ایک حضرت قیوم ثالث (خواجہ محمد نقشبند) دُوسرا حضرت شیخ سیف الدین اور تیسرا مولوی فرخ شاہ کی طرف۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی بعض عبارتیں بظاہر خلاف شرع ہیں اور تمام عُلماء نے مُتفق ہو کر فتویٰ دیا ہے کہ مکتوبات کا پڑھنا پڑھانا بند کر دیا جائے۔ اصل فارسی عبارت ملاحظہ ہو!

"فکرے دیگر انگیختند سہ مکتوب جعلی ازطرف سُلطان (عالمگیر) دروغ محض نوشتہ کہ سلطان ہرگز ازان خبر نداشت ازخود بسرہند ارسال داشتند یک بحضرت حُجۃُ اللہ (محمد نقشبند) ودویم بحضرت شیخ سیف الدین سیوم مولوی فرخ شاہ،

---

[1] معارج الولایت ورق ۶۰۳ ب ۶۰۴

بریں مضمون کہ بعضے عبارات مکتوب (مکتوبات) حضرت مجدد الف ثانی بظاہر
شریعت موافقت ندارد تمامی علما، بریں فتویٰ دادہ اند کہ درس این را موقوف کنند"[1]
ہمارے نزدیک معارج الولایت سے منقولہ بالا خط بھی انہیں مذکورہ وضعی خطوط کی نوعیت
کا ایک خط ہے۔ خود اورنگ زیب' خاندانِ مجددیہ کا نہایت معتقد تھا۔ یاد رہے کہ اورنگزیب
حضرت شیخ سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں سلوک کی منازل طے کرتا تھا۔ بلکہ اورنگ
زیب اکثر کاروبارِ سلطنت سے فراغت کے بعد حضرت شیخ سیف الدین کی خدمت میں
حاضر ہوتا اور آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتا جو اس کی درخواست پر قلعہ کے اندر شاہی
محل کے جوار میں رہنے لگے تھے[2] اس لیے اس قسم کے خود ساختہ فرامین کی اورنگزیب سے
اُمید نہیں کی جاسکتی۔ دُوسرے اورنگزیب کے روزنامچے مطبوعہ صورت میں موجود ہیں۔ اگر
اس قسم کا کوئی فرمان لکھا جاتا تو کم از کم ریکارڈ میں اس کی موجودگی لازم تھی۔

۱۰۹۰ھ میں اگر اورنگ آباد کی واقعی یہی حالت تھی تو ان ایام میں عبدی اورنگ آباد ہی میں
مقیم تھا اور یہ ناممکن ہے کہ وہ اس فضا سے اثر پذیر نہ ہوا ہو۔ حضرت مجدد کی مخالفت میں زیادہ
تر مواد عبدی کی معارج الولایت ہی میں ملتا ہے اور جیسا کہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ عبدی
نے معارج ۱۰۹۶ھ میں اورنگ آباد ہی میں مکمل کی۔ مذکورہ مخالف مواد معارج الولایت کے بالکل اختتام میں
درج ہے۔ یہ معارج الولایت کے آخری حصہ پر اورنگ آباد کی اس مسموم فضا کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔

نتیجہ عبدی نے اپنے مشائخ کرام سے موروثی اور اکتسابی طور پر نظریہ توحیدِ وجودی
پایا تھا مگر مشائخ کے کشفی و وجدانی مسائل میں اختلافات کو ادب سے برداشت کرنے کی توفیقِ
رفیق نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا اس نے کشفی مشاہدات کے اختلاف کو "خلاف" کا رنگ دے کر
غیر سلامتی کی راہ پر گامزن ہو کر حضرت شیخ مجدد کی مخالفت اختیار کی۔

---

[1] روضۃ القیومیہ قلمی فارسی از کمال الدین محمد احسان (واقعات پانزدھم سال قیومیت خواجہ محمد نقشبند)
مخزونہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور [2] مآثرِ عالمگیری ۴۸۴ از محمد ساقی مستعد خان

دفترِ اوّل مکتوب ۴۴

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

فقرِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰت

فضائلِ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات

تخریجِ احادیث

مکتوب - ۴۴

متن مرحمت نامۂ گرامی سامی در اعز ازمنہ شرف ورود یافت بہ مطالعۂ آن مُشرّف گشت

لِلّٰہِ الحَمدُ سُبحَانَہٗ وَالمِنَّۃُ کہ میراثی از فقرِ محمدی عَلَیہِ وَعَلیٰ اٰلِہِ الصَّلوٰتُ وَالتَّحِیَّاتُ

بدست آوردہ اند کہ محبّتِ فقراء و ارتباط بایشان نتیجۂ آنست

ترجمہ: بزرگ و بلند مرحمت نامہ نے بڑی عزّت والے وقت میں وارد ہونے کا شرف پایا اور یہ فقیر اس کے مطالعہ سے مشرّف ہوا۔ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کی حمدُ احسان ہے کہ آپ نے فقرِ مُحمّدی عَلَیہِ وَعَلیٰ اٰلِہِ الصَّلوٰتُ وَالتَّحِیَّاتُ سے کچھ میراث پائی ہے کہ فقیروں سے محبت اور ان سے رابطہ اسی کا نتیجہ ہے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدِّس سِرّہٗ نے اس مکتوب کے آغاز میں حضرت شیخ سیّد فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو فقرِ مُحمّدی کی میراث کا حامل قرار دیا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقر کے بارے میں چند سطور نذرِ قارئین کی جائیں۔

فقر فقر کے لُغوی معنیٰ احتیاج اور تنگ دستی کے ھیں لیکن اس کا اصطلاحی معنیٰ وہ ہے جس پر خود سَرورِ عالَم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً مُہرِ تصدیق

ثبت فرمائی ہے اور جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ گواہ ہے۔

فقر، شریعت اور طریقت میں ایک ایسی مسلمہ اصطلاح ہے جو قرآن و حدیث اور اکابرینِ اُمت کے اقوال و احوال سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ تصورِ فقر کے بارے میں اختلافات ہو سکتے ہیں لیکن نفسِ فقر میں اختلاف یا اس کا انکار ممکن نہیں۔

فقر کا مقامِ شرف یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فقراء کی تعریف بیان فرمائی ہے: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [1]

عہدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰتُ میں جو فقراء مسجدِ نبوی شریف میں دُنیاوی اسباب سے قطع نظر کر کے محض عبادت کے لیے بیٹھ گئے تھے، اُن کی خبر گیری اور رفاقت کے لیے خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ ربُّ العزت سے تاکید ہوئی تھی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ [2] نیز ان پر مسلسل نظرِ عنایت و شفقت رکھنے کا حکم بھی دیا گیا وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ [3]

اور حدیثِ صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت کے فُقراء اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ [4]

پس فُقراء اور اہلِ فقر کے محمُود ہونے پر یہی دلیل کافی ہے کہ قرآن و حدیث ان کے شرف کے گواہ ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

اہلِ تصوّف کے تصوّرِ فقر کے منکرین نے فقراء کی شان میں وارد آیاتِ مقدسہ میں تاویل کی ہے اور احادیثِ مبارکہ کی صحت کا انکار کیا ہے۔ چونکہ یہ لوگ ایک علیحدہ مکتبِ فکر کی وکالت کرتے ہیں لہٰذا ان کی یہ تنقید و انکار قبیلِ فن سے نہیں بلکہ قبیلِ فکر سے ہے۔

---

[1] البقرہ ۲۷۳ [2] الانعام ۵۲ [3] الکہف ۲۸ [4] جامع ترمذی ص ۵۸ ج ۲

نیز حضرت شیخ اُستاد ابُو القاسم قُشیری (صاحبِ رسالہ قُشیریہ) حضرت شیخ ابو نصر سراج (صاحبِ کتابُ اللّمع) حضرت شیخ علی ہجویری (صاحبِ کشفُ المحجُوب) حضرت شیخ شہابُ الدین سُہروردی (صاحبِ عوارفُ المعارف) اور حضرت امام ربّانی مُجدّد الف ثانی (صاحبِ مکتُوبات) رحمہم اللہ نے فقر اور اہلِ فقر کی فضیلت میں اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ ان کے عِلم و فضل کے مُقابلے میں مُنکرین کی تنقید یا تحقیق کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

قدیم مشائخ میں سے ایک بزرگ شیخ احمد بن ابراہیم الواسطی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں جن کو شیخ عبد الحق مُحدّث دہلوی رحمۃُ اللہ علیہ، عالمِ عامل اور عارفِ کامل کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ "از کبارِ مشائخ دیارِ عرب بُود و مُقتدائے روزگار"۔

مذکُورہ بالا بزرگ نے عربی زبان میں ایک کتاب "اَلْفَقْرُ الْمُحَمَّدِیُّ" کے نام سے لکھی ہے شیخ دہلوی نے اس کا فارسی ترجمہ "تَحْصِیْلُ الْکَمَالِ الْاَبَدِیِّ بِاخْتِیَارِ الْفَقْرِ الْمُحَمَّدِیِّ"، کے نام سے لکھا۔ اس میں مسلکِ تصوّف کو ہی مسلکِ فقر قرار دیا گیا ہے اور صحیح تصوّف کو فقرِ محمّدی ہی ثابت کیا گیا ہے شیخ مُحقق رحمۃُ اللہ علیہ نے اس کتاب کے مطالب و معانی کی پُر زور تائید فرمائی ہے۔[1]

فقر کی تعریف

☆ صُوفیائے کرام نے اپنے اپنے ذوق اور حال کی روشنی میں فقر کی مُختلف تعریفات بیان کی ہیں۔

---

[1] تصوّفِ اسلام (مُلخصاً)

☆ تخریج حدیث اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ: بعض صُوفیاء کے نزدیک یہ الفاظ حدیث کے طور پر مشہور ہیں بعض کے نزدیک معناً حدیث ہیں۔

◎ علّامہ ابنِ حجر مکّی رحمۃُ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی کوئی اصل ثابت نہیں ہے۔

◎ شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"فقیر وہ ہے کہ جب اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اسے سکون حاصل ہو اور جب ہو تو اسے خرچ کرے۔"

◎ شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"ذاتِ حق کے سوا تمام چیزوں سے قلب کے فارغ ہونے کا نام فقر ہے[1]۔"

◎ شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حَقِيْقَتُهٗ اَنْ لَّا يَسْتَغْنِيَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَرَسْمُهٗ عَدَمُ الْاَسْبَابِ كُلِّهَا[2]

یعنی فقر کی حقیقت یہ ہے کہ صرف خدا کو اپنے حق میں کافی سمجھا جائے اور اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ تمام اسباب معدوم ہو جائیں۔

◎ شیخ نصر بن الحمامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اِنَّهٗ اَوَّلُ مَنْزِلَةٍ مِّنْ مَّنَازِلِ التَّوْحِيْدِ[3]

یعنی فقر منازلِ توحید کی پہلی منزل ہے۔

◎ علامہ اقبال مرحوم نے حسبِ ذیل اشعار میں فقر کی تعریف بیان کی ہے۔

---

[1] کشف المحجوب [2] رسالہ قشیریہ [3] کتاب اللمع

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) علامہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو مذکورہ الفاظ کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سے ذکر کیا ہے۔ بعض نسخوں میں اَلْعِجْزُ فَخْرِيْ کے الفاظ بھی ہیں۔

◎ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الشفاء میں فرمایا ہے کہ اس قول کا بے اصل اور باطل ہونا سُنّت و حدیث کے اعتبار سے ہے نہ کہ اس کے معنی کے اعتبار سے کیونکہ یہ معنی مطلقاً کتاب اللہ میں مذکور د ثابت ہے وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ (محمد ۳۸)

لہٰذا تفہیمِ مقصد و معنی کے لیے لفظی بحث میں الجھے بغیر اس قول کا ذکر کر دینا مفیدِ مطلب ہے۔ (واللہ اعلم)

چیست فقر اے بندگانِ آب و گِل
یک نگاہِ راہ بیں یک زندہ دِل
فقر کارِ خویش را سنجیدن است
بر دو حرفِ لا الٰہ پیچیدن است
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا است
ما امینیم ایں متاعِ مصطفےٰ است
برگ و سازِ اُو ز قرآنِ عظیم
مَردِ درویشے نہ گنجد در گلیم
قلبِ اُو را قوت از جذب و سلوک
پیشِ سُلطان نعرۂ اُو لاملوک

فضائلِ سیّد المُرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

◎ حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت آدم علیہ السّلام کی اولاد کے سردار ہیں اور قیامت کے روز آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تابع و فرمانبردار تمام انبیائے کرام علیہمُ السّلامُ کے تابع و فرمانبرداروں سے زیادہ ہوں گے[۱]۔
◎ اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب اوّلین و آخرین سے زیادہ بزرگ و مُعزّز ہیں[۲]۔
◎ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم قیامت کے روز سب سے پہلے قبرِ مُبارک سے باھر تشریف لائیں گے[۳]۔
◎ اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی سب سے اوّل شفاعت فرمائیں گے اور سب سے

---

[۱] مشکوٰۃ ص ۵۱۱ ، [۲] مشکوٰۃ ص ۵۱۲ ، [۳] جامع ترمذی ص ۲۰۲ ج ۲ ، [۴] مشکوٰۃ ص ۵۱۳

پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے پہلے جنّت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جنّت کا دروازہ کھول دے گا[1]

◎ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قیامت کے روز لوائے حمد (اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش کا جھنڈا) اُٹھانے والے ہیں۔ حضرت آدم اور دیگر تمام انبیاء علیہم السّلام اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے[2]

◎ اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی ہے جس نے فرمایا نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یعنی قیامت کے دن ہم ہی (وجودِ ظہور کے اعتبار سے) آخرین ہیں اور ہم ہی (مرتبہ اور روزِ قیامت قبر سے اُٹھنے کے اعتبار سے) سابقین و اوّلین ہیں[3]

◎ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں یہ بات کسی فخر کے بغیر کہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں[4] اور بلا فخر کہتا ہوں کہ میں تمام انبیاء و مرسلین کا قائد و پیشرو ہوں اور تمام نبیوں کا خاتم (مُہر اور آخری نبی) ہوں[5]۔ اور میں محمّد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ بے شک جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھ کو سب سے بہتر مخلوق (یعنی انسان) میں پیدا فرمایا۔ پھر ان کو دو گروہ (عرب و عجم) بنایا اور مجھے ان میں سے بہترین گروہ میں بنایا۔ پھر ان کو قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں بنایا۔ پھر ان کو گھروں میں تقسیم کیا تو مجھے ان میں سے بہترین گھر میں پیدا کیا پس میں ذات اور گھر کے لحاظ سے سب مخلوق سے بہتر ہوں[6]

◎ اور جب قیامت کے روز لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے تو سب سے

---

[1] جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۰۲ ، [2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۰۲ ، [3] مشکوٰۃ ص ۵۱۴ ، [4] جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۰۲
[5] مشکوٰۃ ص ۵۱۴ ، [6] مشکوٰۃ ص ۵۱۳

پہلے مَیں (قبر سے) باہر نکلوں گا۔ اور جب تمام بنی آدم حق تعالیٰ کے سامنے گروہ در گروہ پیش ہوں گے تو مَیں ان سب کا قائد و راہنما ہوں گا۔ اور جب وہ سب خاموش ہوں گے تو مَیں ان کا خطیب ہوں گا اور جب وہ (جنّت میں داخل ہونے سے میدانِ حشر میں) روک دیئے جائیں گے تو مَیں ان کا شفیع ہوں گا اور جب وہ (دیگر انبیائ علیہم السّلام کے جوابوں سے) ناامید ہو جائیں گے تو مَیں ان کو (شفاعت کی) بشارت دینے والا ہوں گا۔ اس دن کرامت (رحمت و بزرگی) اور جنّت (کے دروازوں) کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لوائے حمد بھی میرے ہاتھ میں ہوگا اور مَیں اپنے رب کے نزدیک تمام اولادِ آدم میں سب سے بزرگ ہُوں۔ ہزار ایسے خادم (حُور و غلمان) میرے گرد طواف کریں گے جو خوشنما آبدار سفید صدف کے اندر چھُپے ہُوئے موتیوں کی طرح ہوں گے[1] اور جب قیامت کا دن ہوگا تو مَیں تمام انبیاء عَلَیْہِمُ السّلام کا امام اور ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور مجھے اس بات پر فخر نہیں ہے[2]۔

اگر حضُورِ انور عَلَیہِ الصَّلٰوتُ والتسلیمات کی ذاتِ گرامیٔ صفات نہ ہوتی تو حق سُبحانہٗ وتعالیٰ خلقت کو پیدا نہ فرماتا اور اپنی رُبُوبیّت (ربّ ہونے کو) ظاہر نہ فرماتا۔☆

---

[1] مشکوٰۃ ص۵۱۴ ، [2] مشکوٰۃ ص۵۱۴

☆ **تخریج حدیث**: اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے.

یقول اللہ وعزّتی وجلالی لولاک لما خلقت الدنیا ولولاک لما خلقت الجنّۃ واوردہ فی المواھب مغزیا الی ابن طغریک بلفظ لولاہ ماخلقتک خطابا لاٰدم علیہ السّلام ولاخلقت سماء ولا ارضا ثمّ قال ویشھد لھٰذا ما رواہ

اور آپ اس وقت نبی تھے جب کہ آدم علیہ السّلام ابھی پانی اور مٹی کے درمیان تھے (یعنی آدم علیہ السّلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کے پتلے کے لیے گارا تیار ہو رہا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

الحاکم فی صحیحہ عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ادم رائی اسم محمدٍ مکتوبا علی العرش وان اللہ قال لاٰدم لولا محمّد ماخلقتك قال الزرقانی روی ابو الشیخ والحاکم عن ابن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اوحی اللہ تعالیٰ الی عیسیٰ اٰمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَمُرْ اُمَّتَكَ ان یؤمنوا بہ فلولا محمّد ماخلقت ادم ولا الجنّۃ ولا النّار (الحدیث) واقرّہ السبکیّ فی شفاء الاسقام والبلقینی فی فتاوٰہ ومثلہ لا یقال رأیا وعند الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رفعہ اَتَانِیْ جبریلُ فقال انّ اللہ یقول لولاكَ ماخلقت الجنّۃ ولولاكَ ماخلقت النّار قلت معنیٰ ھٰذا الحدیث لا شبھۃ فی صحتہٖ ومطابقتہ نفس الامر عند کافّۃِ الصّوفیّۃِ وعامۃ من سواھم فھو صحیح انشاء اللہ تعالیٰ ھذا کلہ ما قالہ العلامۃ محمّد مراد المکّی معرّب المکتوبات۔

دفتر اوّل مکتوب ۴۵

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

قبور اولیاء سے حصولِ فیض فنائے قلب پر موقوف ہے

انسان اپنی جامعیت کی جہت سے بہترین خلق بھی ہے اور بدترین خلق بھی

مکتوب - ۴۵

متن دوستانِ خدائے عزّوجلّ بحکم اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ باخدا اند تعالیٰ وتقدّس تعلّق بہ بدن نحوی از موانع آن معیّت و اتّصال است بعد از انفصال ازین پیکرِ ہیولانی و مفارقت ازین ہیکلِ ظلمانی ہمہ قُرب در قُرب و اِتّصال در اِتّصال است اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ بیانِ این معنی است و کریمۂ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ کہ تسلیہ است مرمشتاقان را رمزے ازین بیان میفرماید لیکن حال ما پس ماندگان بیدولتِ حضورِ بزرگان خراب و ابتر است۔

ترجمہ : اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ کے دوست، حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ[1]

---

[1] صحیح بخاری صہ ۹۱۱ ج ۲

(آدمی اُسی کے ساتھ ہوتا ہے جس کے ساتھ اُس کو محبت ہوتی ہے) کے حکم کے مطابق خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن ان کا اپنے مادی بدن کے ساتھ جو تعلّق ہے وہ اس معیّت و اِتّصال کی راہ میں ایک قسم کا مانع ہوتا ہے۔ اس مادی پیکر اور ظلمانی جُثّہ سے علیحدہ اور جُدا ہونے کے بعد پورا اقرب ہی قُرب اور اِتّصال ہی اِتّصال ہے اور بمقولہ اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے) اسی معنیٰ کا بیان ہے اور آیت کریمہ مَنْ کَانَ یَرْجُوا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ[1] جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے پس بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ (یعنی موت) آنے والا ہے جو کہ مشتاقوں کے لیے تسلّی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی رمز کا بیان فرمایا ہے لیکن ہم پسماندگان کا حال بزرگوں کی حضوری کی دولت کے بغیر خراب و اَبتر ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ ہمارے پیر و مُرشد حضرت شیخ المشائخ خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے بعد ہماری حالت ظاہری مفارقت کی وجہ سے نہایت خراب ہے)

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ حدیث مبارکہ کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ بندہ مؤمن اللہ تعالیٰ کے ساتھ فطری اور حقیقی محبّت اور تعلّق کی وجہ سے اللہ کے قُرب اور اس کی معیّت کا حامل ہوتا ہے لیکن ضروریاتِ انسانیہ اور حاجاتِ بشریہ کے غلبے اور خالق و مخلوق کے درمیان عدمِ مناسبت کی وجہ سے اس کا جسدِ عنصری قُرب و اِتّصال کی راہ میں رکاوٹ بنا رہتا ہے۔ جُونہی بندۂ مومن موت کے وقت بشری

---

[1] العنکبوت ۵

تقاضوں سے فارغ ہوتا ہے اور اس کی رُوح بدن کے تصرّف سے آزاد ہو جاتی ہے تو وہ پُورے طور پر اللہ تعالیٰ کے قُرب و اِتّصال کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے لہٰذا مومن کی موت اس کے لیے ترقیٔ درجات اور حصُولِ انعامات کا ذریعہ ہے لیکن ہم جیسے پسماندہ و پریشان حال عاجزوں پر حضرت خواجہ دھلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے وصال کا یہ حادثہ فاجعہ بہت بڑا امتحان ہے البتہ بزرگوں کی وفات کے بعد ان کی رُوحانیت سے فیض و برکت حاصل کرنے کا طریقہ موجود ہے لیکن ان کی رُوحانیت سے فیض حاصل کرنا چند شرائط پر موقوف ہے جن کے پُورا کرنے کی ہر شخص میں طاقت نہیں ہوتی اور وہ خاص رُوحانی افراد ہوتے ہیں۔ مبتدی مُرید جو بدن کی قید میں ہوتا ہے، اپنے مُرشدِ کامل کی رُوح سے فیض حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ دونوں کے درمیان مناسبت مفقود ہے۔ مُرشد اپنی ظاہری زندگی میں بدنی تعلّقات کی وجہ سے اپنے مُریدوں سے پُوری مناسبت رکھتا ہے اس لیے مُرید فیض حاصل کرنے میں بہت حد تک کامیاب رہتا ہے گو کامل شیخ وفات کے بعد بھی جس کو چاہیں رُوحانی تصرّفات کے ذریعے فیض دے سکتے ہیں لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے جیسا کہ اھلِ طریقت کے نزدیک حصُولِ فیض بطریقِ اویسیت ایک مسلّمہ حقیقت ہے اور سلسلہ نقشبندیہ کا شجرۂ اویسیہ اس کا شاہدِ عَدل ہے۔

قبُورِ اَولیائ سے حصُولِ فیض فنائے قلب پر موقوف ہے

ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ قبُورِ اولیاء سے اخذِ فیض جن شرائط سے مشروط ہے ان میں ایک نمایاں شرط فنائے قلب ہے جو توجّہ، اخلاص، تزکیہ اور کثرت ذِکر سے وابستہ ہے۔ فنائے قلب یہ ہے کہ سالک ماسوٰی اللہ کو فراموش کر دے، سالک کو فنائے قلب کے بعد عالمِ برزخ اور عالمِ وجُوب کے ساتھ ایک

خاص مناسبت ہوجاتی ہے کیونکہ سالک اس مقام میں مادی تقاضوں سے کافی حد تک آزاد ہوجاتا ہے اور اِفادہ و اِستفادہ مناسبت کے ساتھ مربوط ہے یہی وجہ ہے کہ انسانی ہدایت کے لیے ملائکہ کی بجائے انسان ہی مبعوث ہوئے ہیں۔

انسان اپنی جامعیّت کی جہت سے بہترین خَلق بھی ہے اور بَدترین خَلق بھی

اس مکتوب میں حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے وضاحت فرمائی ہے کہ انسان جامع ترین خلائق ہونے کی جہت سے بہترینِ خلائق بھی ہے اور بدترینِ خلائق بھی۔ انبیائے کرام اور اولیائے عُظام بھی ضروریاتِ بشریہ سے بے نیاز نہیں ہوتے ان کی یہ احتیاج بھی جامعیّت کے واسطے سے ہے یعنی اِنسان اجزائے عشرہ (دس اجزاء) سے مُرکّب ہے اور ان میں سے ہر جزو جو بشریّت سے تعلّق رکھتا ہے بشری تقاضوں کا محتاج ہے اور ہر تعلّق مستلزم اعراض ہے کیونکہ انسان کا آئینہ جس قدر عالمِ وجُوب کی تجلّیات کے انعکاس کی گُنجائش رکھتا ہے کوئی آئینہ مخلوقات میں سے اس قدر گنجائش نہیں رکھتا۔ اسی کاملیّت و جامعیّت کی وجہ سے انسان ہی بارِ امانت کا متحمّل ہوا ہے۔ ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قُرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

انسان کے بہترین یا بدترین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رُوح بدن کے ساتھ تعلّقات قائم ہونے سے پہلے ایک نوری لطیفہ تھی اور عالمِ وجُوب کی طرف متوجّہ تھی۔ اس کے بعد جب رُوح کا بدن کے ساتھ تعلّق قائم ہُوا تو جو رُوح عالمِ وجُوب کی بلندیوں

اور وطن اصلی کی طرف واپس پرواز نہ کر سکی اور بدن کی ظلمت میں گم ہو کے رہ گئی تو وہ بدترین خلائق کہلائی اور کفار و فجار کے حکم میں داخل ہو گئی جو حیوانوں سے بھی بدتر ہیں اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ[1] حضرت شاہ شرف بُو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی رُوح سے ہی یوں خطاب فرمایا ہے۔

چند باشی از مقامِ خود جُدا
چند گردی دَر بَدر اے بے حیا،

اور اگر کسی شیخِ کامل کی صُحبت اور توجّہ کی برکت سے اس کی رُوح واپس عالمِ قُدس کی طرف پرواز کر جائے اور مقامِ اصلی سے مشرّف ہو جائے تو وہ بہترین خلائق کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

---

[1] الاعراف ۱۷۹

دفترِ اوّل مکتوب ۴۶

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت **شیخ فرید بخاری** رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

وجودِ حق اور نبوّت، امورِ بدیہیہ ہیں

سیر و سلوک سے مقصود تزکیہ نفس ہے

مکتوب - ۴۶

متن وجودِ باری تعالیٰ وتقدّس وہم چنین وحدتِ اُو سبحانہٗ بلکہ نبوّتِ محمّد رسُولُ اللّٰہ نیز صلّی اللّٰہُ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم بلکہ جَمِیْعُ مَاجَآءَ بِہٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ بدیہی اند بر تقدیرِ سلامتیِٔ مُدرِکہ از آفاتِ ردّیہ و اَمراضِ مَعنویّہ مُحتاج بہ ہیچ فکر و دلیل نیستند نظر و فکر در آنہا تا زمانِ وجودِ علّت وثبوتِ آفت ست امّا بعد از نجات از مرضِ قلبی و رفعِ غشاوۂ بَصَری غیر از بداہت ہیچ نیست مثلاً صفرائی تا زمانے کہ بعلّتِ صفرا گرفتار ست شیرینیِ قند و نبات نزدِ اُو مُحتاجِ بدلیل ست لیکن بعد از خلاصی از ان علّت ہیچ احتیاج بدلیل ندارد۔

ترجمہ باری تعالیٰ وتقدّس کا وجود اور اسی طرح اس پاک ذات کی وحدت بلکہ اللّٰہ تعالیٰ کے رسُول حضرت مُحمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کی نبوّت بلکہ تمام جو کچھ آپ اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں وہ بدیہی ہیں اور کسی فکر اور دلیل کے محتاج نہیں بشرطیکہ انسان کی قوّتِ مُدرِکہ ردّی آفتوں اور باطنی مرضوں سے سالم و محفوظ ہو۔ ان مذکورہ اُمور میں فکر و نظر کرنا قوّتِ مُدرِکہ میں کسی مرض یا آفت کے موجود

ہونے تک ہے لیکن قلبی مرض سے نجات حاصل ہونے اور باطنی آنکھ کا حجاب اُٹھنے کے بعد بداہت کے سوا اور کچھ نہیں جیسا کہ صفراوی مزاج والا انسان جب تک مرضِ صفرا میں مُبتلا ہے قند و مصری کی شیرینی اس کے نزدیک دلیل کی محتاج ہے لیکن اس مرض کے دُور ہو جانے کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ تمام ایمانیات و احکامِ شرعیّہ بدیہی ہیں یعنی ان کی صداقت و حقانیّت پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر سلیمُ الفطرت انسان جو امراضِ باطنیہ مثلاً حسد، تکبّر، طمع، ریا، طولِ اَمل اور بخل وغیرھا سے محفوظ ہو اور ماسوی اللہ کے ساتھ قلبی گرفتاری سے آزاد اور نفس کی امارگی سے سلامت ہو اور تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کے مقام تک پہنچا ہو اس کے لیے تمام احکام و مسائلِ شرعیہ بدیہی اور کشفی ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ صوفیائے عظام کے کشوف و الہامات اس امر کے شاھد ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ استدلال کا میدان بہت تنگ ہے اس سے یقین کا حاصل ہونا بہت ہی مشکل ہے جس طرح صفراء کا مریض شیرینی کو کڑوا محسوس کرتا ہے اسی طرح امراضِ باطنیہ کا مریض احکامِ شرعیہ کی صداقت کا قائل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا صفراء کے مریض کا علاج ازالۂ صفراء ہے اور منکرِ یقین کا علاج تزکیۂ نفس ہے اور یہ امر ملحوظ رہنا چاہیئے کہ یقین کے بغیر ایمانِ حقیقی حاصل نہیں ہوتا صرف ایمانِ صوری ثابت ہوتا ہے جب تک ایمان کی حقیقت میسّر نہ آئے ایمان کے زوال پذیر ہونے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ جب ایمان کی حقیقت راسخ ہو جائے تو اس وقت ایمان زوال سے محفوظ ہو جاتا ہے یعنی تزکیۂ نفس حاصل ہو جانے کے بعد احکامِ شرعیہ کشفی اور وجدانی ہو جاتے ہیں اور سالک کو یقین و اطمینان کی دولت ہاتھ آجاتی ہے لیکن اس کے

باوجود یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیئے کہ حُسنِ خاتمہ کی قطعیّت محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور نصوصِ شرعیّہ پر موقوف ہے جیساکہ عشرۂ مُبَشّرہ رضی اللہ عنہم کو زبانِ رسالت عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلوٰات نے قطعی جنّتی قرار دے کر[1] محفوظ الایمان بنا دیا۔ اسی طرح وہ خوش نصیب حضرات بھی ظنِّ غالب کی بناء پر محفوظُ الایمان کہلاتے ہیں جو آیۃ کریمہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[2] کے مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمانِ کامل کی دولت سے مشرّف فرمائے۔ (آمین)

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ سلاسلِ طریقت میں سَیر وسلوک کی تعلیمات سے مقصود تزکیۂ نفس (باطنی امراض کو دُور کرنا) ہے تاکہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو جائے۔ آیۃ کریمہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا[3] اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔

---

[1] ابنِ ماجہ صـ ۱۳، [2] یُونس ۶۲، [3] الشّمس ۹

دفتر اوّل مکتوب ۴۷

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت **شیخ فرید بخاری** رحمۃ اللہ علیہ

موضوع

احیائے دین میں آپ (حضرت مجدّد الف ثانی) کا کردار

مکتوب - ۴۷

متن بادشاہ نسبت بعالم در رنگِ دل است
نسبت بَبَدن کہ اگر دل صالح است بدن صالح است
و اگر فاسد است فاسدٌ صلاحِ بادشاہ صلاحِ عالَم است
و فسادِ اُو فسادِ عالَم میدانند کہ در قَرنِ ماضی بر سرِ اھلِ اسلام
چہا گذشتہ است زبونیٔ اھلِ اسلام باوجود کمال غربت در
قرون سابقہ ازین نگذشتہ بود کہ مُسلمانان بر دینِ خود باشند
و کُفّار بر کیشِ خود کریمہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ بیانِ
ایں معنی است و در قَرنِ ماضی کُفّار بر مَلا بطریقِ استیلاً اجراءِ
احکامِ کُفر در دارِ اسلام میکردند و مُسلمانان از اظہارِ احکامِ اسلام
عاجز بُودند و اگر میکردند بقتل میرسیدند وَاوَیلا وامُصِیبَتَا
وَاحَسرَتَا وَاحُزنَا مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ صَلّی

اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کہ محبوبِ رب العالمین است
مُصدِقانِ اُو ذلیل و خوار بُودند و مُنکرانِ اُو بعزّت و اعتبار

ترجمہ: عالم کے ساتھ بادشاہ کی نسبت، بدن کے ساتھ دل کی نسبت کی طرح ہے کہ اگر دل دُرست ہے تو بدن بھی دُرست ہے اور اگر دل خراب ہے تو بَدن بھی بے کار ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کے دُرست ہونے میں مملکت کی درستی ہے اور اس کے بگڑنے پر جہان بگڑ جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ گذشتہ صدی میں اہلِ اسلام کے سَر پر کیا کیا مصیبتیں گزری ہیں۔ گذشتہ صدیوں (یعنی ابتدائے اسلام) میں نہایت غربت کے باوجود بھی اہلِ اسلام کی خرابی و تباہی اس سے زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر اور کفار اپنے طریقہ پر قائم تھے۔ آیۂ کریمہ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ "تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین"، میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ گذشتہ صدی میں کفّار غلبہ پا کر دارُالسلام میں کھُلم کھُلا کُفر کے احکام جاری کرتے تھے اور مسلمان اسلامی احکام کے جاری کرنے سے عاجز تھے اور اگر وہ (ایسا) کرتے تھے تو قتل کر دیے جاتے تھے۔ ہائے ہلاکت، ہائے ہلاکت، ہائے افسوس اور غم۔ حق تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے تو ذلیل و خوار تھے اور آپ کے مُنکر لوگ عزت والے اور مُعتبر تھے۔

شرح

اس مکتوبِ گرامی میں حضرت امام ربّانی قُدِّسَ سِرّہٗ کی احیائے دین کے لیے کی گئی کوششوں کا واضح بیان موجود ہے۔ ہندوستان کے مُطلق العنان بادشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں اسلامی شعائر کی جس قدر توہین ہوئی، اس وقت کے عُلماءِ سُوء اور صوفیائے خام نے جو کردار ادا کیا اس پوری صورتِ حال پر آپ خُون کے آنسو رو رہے ہیں اور

اس بے انتہا غم اور بے چینی کا اظہار واویلا اور وامُصِیبَتَاہ کے درد بھرے الفاظ سے فرما رہے ہیں۔ یہ آپ ہی کی خُداداد استقامت تھی کہ اس دَور میں اکبر کے خود ساختہ دینِ الٰہی کے مقابلے میں دینِ مُحمّدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ کا عَلَم لہرایا اور اتنی بڑی باطل قوت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

مکتوبِ گرامی میں قرنِ سابق (گذشتہ صدی) سے مُراد سلطنتِ اکبر ہے اور ابتدائے بادشاہت سے مُراد سلطنتِ جہانگیر ہے۔ آپ اھلِ اسلام کو ترغیب دے رہے ہیں کہ اسلام دشمن حکومت (سلطنتِ اکبر) کے زوال کے بعد اب جہانگیر تخت نشین ہوا ہے۔ اس سے ہمیں نیک توقعات وابستہ ہیں شاید یہ حکومت، اسلام کی مددگار ثابت ہو۔ لہٰذا لازم ہے کہ شریعت کے رواج دینے اور دین کو قوت پہنچانے میں بادشاہ کی رہنمائی کی جائے اور کتاب وسنّت اور اجماعِ اُمّت کے مطابق اہلِ سنّت کے عقائد اور مسائلِ شرعیہ بیان کیے جائیں اور یہ عُلمائے حق اہلِ سنّت وجماعت کی ذمّہ داری ہے جو عُلمائے آخرت ہیں۔ گذشتہ صدی میں اسلام پر جو مصیبتیں آئیں وہ عُلماءِ سُوء یعنی علمائے دُنیا کی وجہ سے آئی تھیں۔ بادشاہوں کو راہِ راست سے بہکانا انہی کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ دَورِ جہانگیری میں بھی حضرت امامِ ربّانی قُدّس سرّہٗ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنے والے اور اس کو راہِ راست سے بھٹکانے والے یہی عُلماءِ سُوء تھے جنہوں نے بادشاہ کے لیے سجدۂ تعظیمی جائز قرار دیا۔ خود بھی بادشاہ سے ملاقات کے وقت رسمِ سجدہ بجالاتے اور آپ کے ردِّ روافض میں لکھے ہوئے رسائل ومکتوبات کو غلط معانی کا جامہ پہنا کر حکومت میں شامل اُمراء وحکّام اور شاہی خاندان کی خانمات وبیگمات سے رابطے پیدا کرتے اور انہیں حضرت مجدّد علیہ الرّحمۃ کے خلاف بہکاتے رہتے تھے جس کے نتیجے میں آپ کو قلعہ گوالیار میں بندش کے علاوہ اور بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ تائیدِ خُداوندی کے سہارے استقامت گزیں رہے اور تجدیدِ اسلام کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرتے رہے۔ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

دفترِ اوّل مکتوب ۴۸

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت **شیخ فرید بخاری** رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

علماء و طلباء کی تعظیم

ترویجِ شریعت کی فضیلت

مکتوب - ۴۸

متن درکتابتِ مولانا محمّد قلیبج مُوَفَّق مرقوم فرمودہ بودند

جُزوی خرچے برائے طالب علمان وصُوفیان فرستادہ شُد

ذکرِ تقدیم طالب علمان برصُوفیان درنظرِ ہمّت بسیار زیبا

درآمد بحکمِ اَلظَّاهِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ اُمید است کہ

درباطنِ شریف نیز این جماعۂ کرام تقدیم پیدا کردہ باشند

كُلُّ اِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيْهِ ع ازکُوزہ برُون

ہمان تراود کہ در وست۔ و در تقدیمِ طالب علمان ترویجِ

شریعت است حاملانِ شریعت ایشانند ومِلّتِ مُصطفویہ

عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ

بایشان برپاست۔

ترجمہ: آپ نے مولانا محمّد قلیبج موفَّق کے خط پر تحریر فرمایا تھا کہ طالب علموں اور صُوفیوں کے لیے کچھ خرچہ بھیجا گیا ہے۔ صُوفیوں پر طالب علموں کے ذکر کو مقدم رکھنا آپ کی بلند ہمتی کے پیشِ نظر بہت اچھا معلوم ہوا ہے۔ اس حکم کے مطابق کہ "ظاہر، باطن کا دیباچہ ہوتا ہے" اُمید ہے کہ آپ کے باطن شریف میں بھی اس عزت والی جماعت

(طالبانِ علم) کا مقدم ہونا پیدا ہو گیا ہو گا کیونکہ ہر برتن سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے۔

ع کوزہ سے وہی کچھ نکلتا ہے جو کچھ اس کے اندر ہوتا ہے

اور طالب علموں کے مقدم کرنے میں شریعت کو رواج دینا ہے کیونکہ شریعت کے اُٹھانے والے یہی لوگ ہیں اور دینِ مُصطفوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰت انہی کے ساتھ قائم ہے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قدس سرہٗ نے یہ مکتوب حضرت شیخ فرید بخاری علیہ الرحمہ کی طرف تحریر فرمایا۔ انہوں نے حضرت امامِ ربّانی قُدّس سِرُّہٗ کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا تھا۔ جس میں طالب علموں اور صُوفیوں کے لیے کچھ اخراجات بھیجنے کا اظہار کیا تھا۔ اس خط میں انہوں نے طالب علموں کا ذکر صُوفیوں کے ذکر پر مقدم رکھا تھا جس پر حضرت امامِ ربّانی قُدّس سِرُّہٗ نے اظہارِ مسرت فرماتے ہوئے اُمید ظاہر فرمائی کہ آپ کا باطن بھی علماء و طلباء کی تعظیم سے سرشار ہے یہ بزرگ جماعت ہی شریعت کو رواج دینے والی، مذہب و ملت کے تشخص کو اُجاگر کرنے والی اور دینی اقدار کو قائم رکھنے والی ہے کیونکہ یہی گروہ انبیاء و مُرسلین علیہم السّلام کی کامل وراثت کا حامل ہے اور انبیاء کرام شریعتوں کو رواج دینے پر مامُور تھے۔ جنّت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر ہی منحصر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ کل قیامت کے دن شریعت کے متعلق پوچھا جائے گا، تصوّف کی بابت نہیں پوچھا جائے گا۔ لہٰذا عُلماءِ شریعت کا مرتبہ صُوفیاء اور شُہداء کے مرتبے سے بھی بلند تر ہے۔

چنانچہ ایک مکتوب میں آپ نے وضاحت فرمائی ہے کہ عُلومِ شرعیہ کی تعلیم و تدریس، ذکر و فکر سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اگر سارا وقت درس میں ہی صرف ہو جائے تو

نہایت بہتر ہے۔ رات کے اوقات ذکر و فکر کے لیے وسیع ہیں[1]۔

نیز آپ نے صراحت فرمائی ہے کہ اہلِ سُنّت کے عُلمائے ظاہر اگرچہ بعض اعمال میں قاصر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق ان کے دُرست عقائد کا جمال اس قدر نُورانیت رکھتا ہے کہ وہ کوتاہی و کمی اس کے مقابلے میں ہیچ (ناچیز) دکھائی دیتی ہے[2]۔

بیّنہ حضرت امامِ ربّانی قُدّس سِرُّہٗ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی راہ میں کروڑہا روپیہ خرچ کر دینے سے بھی زیادہ بہتر یہ ہے کہ شرعی مسائل میں سے ایک مسئلہ کو رواج دیا جائے کیونکہ یہ انبیاء کرام علیہم السّلام کی اِقتدار ہے۔ اسی لیے آپ مخیّر حضرات کو علماء و طلباء کی مالی اعانت پر ترغیب دیا کرتے تھے چنانچہ شیخ فرید بُخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی تربیّت کی وجہ سے یہی جذبہ رکھتے تھے اور طلباء، عُلماء اور فُقراء پر اپنا مال زیادہ خرچ کیا کرتے تھے کیونکہ یہ حضرات مسائل و احکامِ شرعیہ کی تعلیم و تبلیغ پر مامُور ہیں۔

مشہور تابعی حضرت عبداللہ بن مُبارک رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ آپ اپنے صدقات و معرُوفات کو عُلماء و طلباء کے لیے وقف رکھتے۔ ایک مرتبہ ان سے عرض کیا گیا کہ آپ اپنے معرُوفات میں تعمیم کیوں نہیں فرماتے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء کرام علیہم السّلام کے بعد علماء سے بہتر کوئی گروہ نظر نہیں آتا۔ میری رائے میں ان کو علم کی طرف متوجہ رکھنا فرائض میں داخل ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ گروہ اپنی روزمرّہ کی ضروریات میں اُلجھا رہا تو حصُولِ علم کے لیے اپنی کوششوں کو کیونکر جاری رکھ سکے گا لہٰذا ان کو کسبِ معاش کی فکر سے آزاد رکھنا اور ترویجِ علم و شریعت کے لیے فارغ لمحات مہیّا کرنا ہمارا اوّلین فرض ہے[3]۔

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۱۴ ، [2] دفتر اوّل مکتوب ۸ ، [3] تعلیماتِ غزالی

ترویجِ شریعت کی فضیلت

متن

اینجا کسی سوال نکُند کہ طالبِ علم گرفتار از صُوفی وارستہ چون مُقدّم باشد جواب گوئیم کہ اُو ہنوز حقیقتِ سُخن را درنیافتہ است طالب علم باوجودِ گرفتاری سببِ نجاتِ خلائق است چہ تبلیغ احکامِ شرعی ازوی میسّر است اگرچہ خود بآن منتفع نشود وصُوفی باوجُودِ وارستگی نفسِ خود را اخلاص ساختہ است بخلائق کارے ندارد۔

ترجمہ: اس جگہ کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ گرفتار (ماسوی اللہ میں) طالب علم، آزاد (ماسوی اللہ سے) صُوفی سے کس طرح مقدّم ہوگا۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس شخص (سائل) نے اس مسئلہ کی حقیقت کو معلوم نہیں کیا۔ طالب علم باوجود گرفتاری کے مخلوق کی نجات کا سبب ہے۔ کیونکہ اس کو احکامِ شرعیّہ کی تبلیغ مُیسّر ہے۔ اگرچہ خود اس سے نفع حاصل نہیں کرتا اور صُوفی نے ماسوی اللہ سے آزادی کے باوجُود صرف اپنے نفس کو آزاد کیا ہے مخلوق کے ساتھ اس کو کوئی کام نہیں رہا۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ صُوفی اگرچہ ماسوی اللہ سے آزاد ہے

مگر اس کو صرف اپنی نجات حاصل ہے جبکہ عُلماء اور طلباء اگرچہ ماسوی اللہ سے آزاد نہ بھی ہوں مخلوق کی نجات کے کفیل ہیں۔ کیونکہ انہیں تعلیمِ دین اور ترویجِ شریعت کی سعادت میسّر آئی ہے۔ ہاں وہ صُوفی جو فنا و بقا کے بعد نزُول کر کے دعوت و ارشاد کی مسند پر رونق افروز ہو اور علمِ باطن کے ساتھ علمِ ظاہر کی دولت سے بھی آراستہ ہو ایسے صُوفی کو کمالاتِ نبوّت سے حِصّہ ملتا ہے اور وہ بھی شریعت کی ترویج و تبلیغ کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا اور عُلماء شریعت کے حکم میں داخل ہو گا۔ ایک دُوسرے مقام پر آپ نے فرمایا کہ ایسا صُوفی جو جامع شریعت و طریقت ہو عُلمائے ظواھر شریعت سے کامل ہوتا ہے۔ کیونکہ علمِ ظاھر و باطن دونوں انبیاء کی میراث ہیں۔ لہٰذا تمام متروکہ میراث سے کامل حصّہ رکھنے والا ہی کامل وارث ہوتا ہے۔ اس لیے صُوفیٔ کامل ظاھر شریعت کا بھی مُعلّم ہوتا ہے اور باطن شریعت کا بھی مُبلّغ ہوتا ہے۔

دفتر اوّل مکتوب ۴۹

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ

موضوع

ظاہری اور باطنی سعادتوں کا راز

مکتوب ۔ ۴۹

ظاہری اور باطنی سعادتوں کا راز احکامِ شرعیّہ کی پابندی اور مَاسِوَیِ اللہ کی گرفتاری سے آزادی میں ہے

متن فی الحقیقت دولتِ صُوری مُتحلّی شدنِ ظاہر است باحکامِ شرعیّۂ مُصطفویّہ علیٰ صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃ وسعادتِ معنوی خلاصیٔ باطن است از گرفتاریٔ مادُونِ حق سُبحانہ تا کدام صاحبِ دولت را باین دو کرامت مشرّف سازند۔

ع کار این ست وغیر این ہمہ ہیچ

ترجمہ : درحقیقت ظاہری دولت یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر کو احکامِ شرعیّہ کے ساتھ آراستہ کرے اور باطنی سعادت یہ ہے کہ اپنے باطن کو مَاسِوَی اللہ کی گرفتاری سے آزاد کرے، دیکھیئے! حق سُبحانہٗ وتعالیٰ کس صاحبِ نصیب کو ان دونوں دولتوں سے مشرّف فرماتے ہیں۔

ع کام یہ ہے اور باقی سب کچھ ہیچ ہے

زیرِ نظر مکتوب کی ابتداء میں حضرت امامِ ربّانی قدّس سِرّہٗ نے حضرت شیخ فرید بُخاری رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے لیے ایک دُعائیہ جُملہ تحریر فرمایا ہے یعنی "اللہ تعالےٰ آپ کو ظاہری اور باطنی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔" اس کے بعد آپ خود ہی تصریح فرماتے ہیں کہ ظاہری سعادت اپنے ظاہر کو حضرت سیدنا محمّد مصطفےٰ صَلّی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے احکام کے ساتھ آراستہ کرنے سے وابستہ ہے اور باطنی سعادت اپنے باطن کو ماسوی اللہ کی گرفتاری سے آزاد کرنے کے ساتھ مربوط ہے۔ جب کسی خوش نصیب کو یہ دونوں دولتیں میسّر آجاتی ہیں تو وہ فنائے قلب اور تزکیۂ نفس کی منزلوں سے شادکام ہوجاتا ہے اور اس کے ظاہر و باطن کی دونوں آنکھیں روشن ہوجاتی ہیں اور وہ جامع شریعت وطریقت کہلانے کا حقدار بن جاتا ہے اور یہی حقیقی کامیابی ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی[1]

---

[1] الاعلیٰ ۱۴

دفترِ اوّل مکتوب ۵۰

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت **شیخ فرید بخاری** رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

دنیا کی مذمت ۔ زہد کی فضیلت

مکتوب - ۵۰

متن دنیا بظاہر شیرین است و بصورت طراوت دارد و فی الحقیقت سمّی است قاتل و متاعی است باطل و گرفتاریست لاطائل۔

ترجمہ: دُنیا ظاہری طور پر میٹھی ہے اور صُورت کے اعتبار سے تازگی رکھتی ہے لیکن حقیقت میں زہرِ قاتل اور متاعِ باطل اور بے فائدہ گرفتاری ہے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدّس سرّہٗ اس مکتوب میں کمینی دُنیا کی مذمت کرتے ہوئے اس کو زہرِ قاتل اور متاعِ باطل قرار دے رہے ہیں۔ دُنیا کے طالب کو ذلیل وخوار اور مجنُون شمار کر رہے ہیں۔ جو لوگ اس دُنیا کی ظاہری تر و تازگی پر عاشق ہو گئے ہیں ان کی مثال اس بے وقوف اور پاگل کی طرح ہے جو زہر آلُود کھانے کو بڑی رغبت سے تناول کر کے اپنی موت کا خود سامان مہیا کر لیتا ہے۔

ترکِ دُنیا کا فلسفہ صُوفیائے کرام کے نزدیک دُنیا کے ترک کا یہ مفہوم نہیں کہ ظاہری زینت و آرائش اور اللہ تعالےٰ کی بے بہا نعمتوں سے مُنہ موڑ لیا جائے بلکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی یاد اور حضوری سے غفلت اور ترکِ فکرِ آخرت کا نام دُنیا ہے۔ اگر دُنیا کی خوبیوں اور نعمتوں کو آخرت کی حقیقی زندگی کے لیے استعمال کیا جائے اور اس استعمال سے خواہشاتِ نفس کی تکمیل

مقصود نہ ہو بلکہ احکامِ خداوندی کی تعمیل مقصود ہو تو اس صورت میں دُنیا اور آخرت دونوں محمود ہیں۔ آیتِ کریمہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً [1] اسی مفہوم کی غمّاز ہے۔

◎ حضرت ابُوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

اِلْبِسْ مَعَ النَّاسِ مَا يَلْبِسُوْنَ وَتَنَاوَلْ مِمَّا يَأْكُلُوْنَ وَانْفَرِدْ عَنْهُمْ بِالسِّرِّ۔

یعنی لوگ جو کچھ پہنتے اور کھاتے ہیں تم بھی پہنو اور کھاؤ۔ امتیاز صرف قلب اور باطن کی تبدیلی کا ہے۔

◎ حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ نے جو فرمایا ہے کہ صُوفی کائن بائن ہوتا ہے اس کا بھی یہی مفہوم ہے۔

صوفیائے عظام کے نزدیک خلوت اور عزلت کا یہ معنی نہیں کہ مخلوق سے بُعدِ مکانی اختیار کر لیا جائے بلکہ ان کا مقصود عارضی اور وقتی طور پر خلوت گزینی ہے تاکہ سالک کچھ عرصہ تک اپنے نفس کی خرابیوں کا نہایت یکسوئی اور غیر جانبداری سے جائزہ لے کر اپنے آپ کو اس طرح بدل سکے کہ جب خلوت سے نکل کر جلوت میں آئے تو لوگوں کے لیے اس کا وجود مفید اور بابرکت ثابت ہو۔ آیتِ کریمہ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا [2] اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔

تصوّف کا نصبُ العین تزکیۂ نفس اور اصلاحِ معاشرہ ہے۔ انبیاء و مرسلین علیہم السّلام اور اولیائے کبار رحمۃ اللہ علیہم اسی مقصد کو بروئے کار لاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور فکرِ آخرت ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہی ہے۔ مفکّرین یورپ نے ان پاکباز ہستیوں کے مجاھدات و ریاضات اور ترکِ دنیا کا غلط مفہوم لیا ہے اور انہیں نفسیاتی

---

[1] البقرہ ۲۰۱ [2] المزمّل ۸

اور ذہنی مریض یا دُنیاوی ذمّہ داریوں سے مفرور قرار دے کر اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ حالانکہ صوفیائے کرام ہی وہ باکمال اور باہمت ہستیاں ہیں جنہوں نے مجاھدات اور خلوت گزینی کے ذریعے اپنی اصلاح اور بعد میں مخلوقِ خدا کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا اور لاکھوں دِلوں میں اسلامی و رُوحانی انقلاب پیدا کر دیئے۔ تاریخِ تصوّف کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں۔

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ اسی زندہ، جاندار اور متحرک تصوّف کے داعی ہیں اور اسی تصوّف کے حاملین کو ہم کامیاب صوفیاء کہیں گے۔

جو صُوفی اس مقصد پر پُورا نہیں اُترے اور ترکِ دُنیا اور خلوت گزینی کو ہی مستقل شغل سمجھتے رہے اور مخلوقِ خدا کی اِصلاح اور تزکیہ کے فرائض سرانجام نہ دے سکے ان کے متعلق ہماری محتاط رائے یہی ہے کہ وہ اَربابِ ہمّت میں سے نہیں ہیں۔ وہ بلند رُوحانی استعداد نہ ہونے کی وجہ سے معذور ہی سمجھے جائیں گے۔ دینِ اسلام میں اس قسم کی رہبانیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

حدیثِ مُبارکہ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ [1] میں یہی سبق دیا گیا ہے۔

وصیّت کا بہترین طریقہ

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے اس مکتوب میں وصیّت کا ایک بہترین طریقہ بیان فرمایا ہے اور زُھد کی ترغیب دلائی ہے جیسا کہ فُقہاء و عُلماء فرماتے ہیں کہ وَلَوْ اَوْصٰی[1] لِلْعُقَلَاءِ الزَّاهِدِيْنَ لِاَنَّهُمْ هُمُ الْعُقَلَاءُ فِي الْحَقِيْقَةِ [2]

یعنی اگر کوئی شخص وصیّت کرے کہ میرا مال کسی عقل مند کو دیا جائے تو زاھد کو دینا چاہیئے کیونکہ زاھد دُنیا کی طرف رغبت نہیں رکھتا اور دنیا سے بے رغبتی ہی اس کے

---

[1]

[2] دُرِّ مختار باب الوصیۃ

نہایت عقل مند ہونے کی علامت ہے۔ لہٰذا درحقیقت زاھد لوگ ہی عقل مند ہوتے ہیں کیونکہ دُنیا اور اس کا مال ومتاع فانی وعارضی ہے۔ عقل مند وہ ہے جو فانی کی بجائے باقی سے اور عارضی کی بجائے دائمی سے پیار کرے۔

حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے زُھد کی تعریف میں فرمایا:

اَلزُّھْدُ اِسْتِصْغَارُ الدُّنْیَا وَمَحْوُ آثَارِھَا مِنَ الْقَلْبِ[1]۔

محاسبہ عاجلہ و آجلہ مکتوب کے آخر میں آپ نے حضرت شیخ سید فرید بخاری علیہ الرحمۃ کی طرف فضائل مآب حضرت شیخ زکریا علیہ الرحمۃ کے لیے سفارش فرمائی ہے جیسا کہ مکتوب ۴۳ میں بھی ان کی سفارش فرما چکے ہیں کہ وہ پیرانہ سالی کے باوجود کروڑی گری یعنی تحصیل داری میں گرفتار ہیں اور نئی تقرّریوں میں بھی اسی خدمت پر مامور رہنا چاہتے اور محاسبہ عاجلہ سے ہراساں و پریشان ہیں حالانکہ محاسبہ عاجلہ (دُنیاوی حساب دینا) محاسبہ آجلہ (آخرت میں حساب دینا) سے بہت زیادہ آسان ہے جبکہ مومن کو حساب دنیا سے، حساب آخرت کی زیادہ فکر ہونی چاہیئے۔

---

[1] الرسالۃ القشیریہ صـ ۵۶

دفترِ اوّل مکتوب ۵۱

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت **شیخ فرید بخاری** رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

ترغیب احیائے دین۔ حضرت دہلی

والدۂ بزرگوار

مکتوب - ۵۱

ترغیبِ احیائے دین

متن اِمروز غُربا ء اہلِ اِسلام را دریں طور گرداب ضلالت اُمّیدِ نجات ہم از سفینۂ اہلِ بیت خیرُ البشر است عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ اَتَمُّهَا وَ مِنَ التَّحِيَّاتِ وَالتَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ ☆

ترجمہ : آج بے چارے مسلمانوں کو ایسی گمراہی کے بھنور میں نجات کی اُمید بھی حضرت خیرُ البشر کے اہلِ بیت کی کشتی سے ہے (آپ پر اور آپ کی آل پر پورے صلوات اور کامل تحیات وتسلیمات) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے اہلِ بیت

☆ تخریجِ حدیث : حدیثِ مذکور مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ الخ کو مشکوٰۃ شریف میں حضرت اُبوذر غفّاری رضی اللہ عنہ سے اور مسند احمد و بزار میں حضرت ابنِ عبّاس اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے اور حاکم نے حضرت اُبوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے ہٹ گیا ہلاک ہو گیا۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے اس مکتوب میں حضرت سیّد فرید بُخاری کو دُعا دیتے ہوئے اُن کے وجُودِ مسعود کو ملّتِ اسلامیہ کے لیے غنیمت قرار دیا ہے۔ اور اُن کو تحریکِ احیائے دین کے لیے ایک مُعاون قوّت کے طور پر ترویجِ شریعت کے لیے ترغیب اور دعوتِ عمل ارشاد فرمائی ہے اور اس حقیقت کا بَرملا اظہار فرمایا ہے کہ اِس گمراہی کے دَور میں بے چارے مسلمان اھلِ بیت کی کشتی سے ہی نجات کی اُمید وابستہ کیے ہوئے ہیں کیونکہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے اہلِ بیت کشتیٔ نوح کی مانند ہیں جو ان کی کشتی میں سوار ہو جائے گا نجات پا جائے گا اور جس نے ان کی کشتی سے مُنہ موڑ لیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

حضرتِ دہلی

متن ہلالِ ماہِ مُبارک رمضان در حضرتِ دہلی دیدہ شُد مرضیٔ حضرتِ والدۂ بزرگوار در توقّف مفہوم گشت بضرورت تا اِستماعِ ختمِ قُرآن توقّف نمودہ۔

ترجمہ: ماہِ رمضان المُبارک کا چاند حضرتِ دہلی میں دیکھا گیا۔ حضرت والدہ بزرگوار کی مرضی وہیں ٹھہرنے کے بارے میں معلوم ہوئی۔ لہٰذا ضروری سمجھا کہ ختمِ قرآنِ حکیم کے سُننے تک حضرتِ دہلی میں ہی ٹھہرا جائے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے دہلی کو "حضرت دہلی" کا نام دے کر شیخ طریقت کے ساتھ عقیدت اور محبّت کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ آپ کے مُرشدِ برحق شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃُ اللہ علیہ کا مسکن و مدفن دہلی میں تھا۔ عاشق کے نزدیک اپنے محبوب کا مُلک شہر اور مزار بھی ادب و احترام اور عزّت و احتشام کا مرکز ہوتا ہے اسی لیے اہلِ طریقت اپنے مشائخ کی جائے قیام و آرام کو آستانہ، بارگاہ، خانقاہ حضرت اور شریف کہہ کر پکارتے ہیں۔

جیسا کہ کعبہ کو معظّمہ و مکرّمہ اور مدینہ کو طیبہ و منورہ کہا جاتا ہے اور ان دونوں شہروں کی یہ فضیلت سرورِ کائنات عَلَیہِ التحیّاتُ والصّلوٰاتُ کی نسبتِ سکونت و اقامت کی وجہ سے ہے کیونکہ مکّہ آپ کی جائے ولادت و سکونت ہے اور مدینہ آپ کی جائے اقامت و تدفین ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ ربّانی ہے:

لَآ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ۝ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ [1]

اس آیت میں حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی اقامت و سکونت کی وجہ سے مکّہ کی قسم ارشاد فرمائی گئی ہے۔

اور ارشادِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی سَمَّی الۡمَدِیۡنَۃَ طَابَۃَ [2]

اس حدیث میں محبوبِ خدا صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی نسبت سے ہی مدینہ کو طابہ کا نام دیا گیا ہے۔

---

[1] البلد ۱: ۲، [2] مُسند احمد ص۱۰۲ ج ۵

کَمَا قَالَ الشَّاعِرُ ؎

وَمِنْ مَذْهَبِیْ حُبُّ الدِّیَارِ لِاَهْلِهَا
وَلِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ

علّامہ محمّد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خُوب فرمایا ؎

خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است
آں خُنک شہرے کہ آنجا دِلبر است

والدۂ بزرگوار والدہ بزرگوار سے مُراد حضرت خواجہ باقی باللہ دھلوی رحمۃُ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ ہیں جو خاندانِ سادات سے تھیں اور حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد بقیدِ حیات تھیں اور خود حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ جوانی کے عالم میں بعُمر چالیس برس وصال فرما چکے تھے ۔

دفتر اوّل مکتوب ۵۲

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

نفس امّارہ کی مذمّت ۔ ریاضت کی دو قسمیں

کلمہ طیّبہ تزکیۂ نفس کا مجرّب علاج ہے

مقام طریقت و مقام حقیقت

مکتوب ۔ ۵۲

متن مخدوما مکرّما نفسِ امّارۂ انسانی مجبول است
بر حُبِّ جاہ و ریاست و ہمگی ہمت او ترفّع بر اَقرانست
و بالذّات خواہانِ آنست کہ خلائق ہمہ بوی محتاج باشند
و منقادِ اوامر و نواہی او گردند و او بہیچ کس محتاج نباشد و محکومِ
اَحَدی نبود این دعوی اُلوہیّت است از وی و شرکت است
بخدائی بے ہمتا جَلَّ سُلْطَانُہٗ، بلکہ آن بے سعادت بشرکت
ہم راضی نیست میخواہد کہ حاکم او باشد و بس و ہمہ محکومِ او
باشند فقط در حدیثِ قدسی آمدہ است عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا
اِنْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ

ترجمہ: میرے مخدوم مکرم! انسان کا نفس امارہ، جاہ و ریاست (مرتبہ اور حکومت) کی محبّت پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی تمام تر کوشش و ہمت اپنے ہم عصر لوگوں پر بلندی حاصل کرنا ہے۔ در اصل وہ فطرتاً اس بات کا خواہشمند ہے کہ تمام مخلوق

اس کی محتاج اور اس کے احکامات و منہیات کی تابع ہو جائے اور وہ خود کسی ایک شخص کا بھی محتاج اور محکوم نہ ہو۔ اس کی یہ خواہش دراصل الوہیت اور خدائے بے مثل جل سلطانہٗ کے ساتھ شرکت کا دعویٰ ہے بلکہ وہ بدبخت شرکت پر بھی راضی نہیں وہ تو خود حاکمِ مطلق بننا چاہتا ہے اور سب کو اپنا محکوم رکھنا چاہتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں وارد ہے کہ اپنے نفس سے دشمنی کر کیونکہ وہ میری دشمنی پر کمر بستہ ہے۔

شرح

زیرِ نظر مکتوب کی ابتداء میں چند دعائیہ کلمات ہیں جن میں سے ایک جملہ یہ بھی ہے ؎

یَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنًا

یہ قطعۂ شعر ایک معروف عاشق کی طرف منسوب ہے جس کو مجنوں کہا جاتا ہے اور وہ لیلیٰ کے عشق میں گرفتار تھا۔ روایت ہے کہ جب مجنوں کو اس کے والدین، حرم کعبہ شریف میں لے گئے اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر اس کے ہاتھ میں دیا اور کہا دُعا کر کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل سے لیلیٰ کا عشق نکال دے۔ مجنوں نے اس کی بجائے یہ شعر اپنی دُعا میں پڑھنا شروع کر دیا ؎

یَا رَبِّیْ لَا تَسْلُبْنِیْ حُبَّهَا اَبَدًا
وَیَرْحَمُ اللّٰہُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنًا

یعنی اے میرے رب! لیلیٰ کی محبت میرے دِل سے نہ نکال اور جو میری اس دُعا پر آمین کہے اس پر رحم فرما۔

اس مکتوب میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ نے نفسِ امارہ کی مذمت اور اس کے ذاتی مرض کا ازالہ و علاج بیان فرمایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ انسان کا نفسِ امّارہ فطری طور پر جاہ و ریاست کی محبّت رکھتا ہے اور اپنے ساتھیوں و ہم عصروں پر فوقیت

اور برتری کا خواہشمند رہتا ہے. گویا یہ نفسِ امّارہ کا دعویٰ الوہیّت و شرکت ہے بلکہ بلا شرکتِ غیرے، خود حاکمِ مطلق ہونے کا زعمِ باطل ہے. نیز آپ فرماتے ہیں کہ نفس کی ایسی تمام خواہشات (جو کہ شرک اور تکبّر پر مشتمل ہیں) کی تحصیل و تکمیل میں مشغول ہونا فی الحقیقت دشمنِ خدا کی امداد کرنا ہے. حالانکہ حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے:

عَادِ نَفْسَكَ فَإِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِي [1]

یعنی اپنے نفس کی مخالفت و دشمنی کیا کرو کیونکہ وہ میری مخالفت اور دشمنی پر کمربستہ ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث قدسی بھی اسی مضمون و مفہوم کو ثابت کرتی ہے:

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِّنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ [2]

یعنی تکبر میری چادر ہے اور عظمت (بڑائی) میرا ازار ہے۔ پس جس نے ان دونوں میں سے کسی ایک چیز میں بھی مجھ سے جھگڑا کیا تو میں اس کو آتشِ دوزخ میں ڈال دوں گا۔

بعض احادیث مبارکہ میں دُنیا کو حق تعالیٰ کے نزدیک اسی لیے ملعونہ و مغضوبہ قرار دیا گیا ہے کہ دُنیا کا حصول، نفس کی خواہشات کے حاصل ہونے میں مددگار ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے دشمن (نفس) کی مدد کرنے والا بالضّرور مستحق لعنت و غضب ہے اور فقر کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے لیے فخر قرار دیا ہے اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ فقر میں نفس کی نامرادی اور عجز ثابت ہوتا ہے۔ انبیائے کرام کی بعثت سے مقصود بھی شرعی احکامات پر عمل کے ذریعے نفس کو عاجز اور خراب کرنا ہے کیونکہ شرعی احکامات نفسانی خواہشات کو دُور کرنے کے لیے وارد ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانی کے دور کرنے میں شرعی احکامات میں سے ایک حکم پر عمل کرنا، ان ہزار سالہ مجاہدوں

---

[1] تخریج مکتوب ۳۳ میں ملاحظہ فرمائیں [2] مشکوٰۃ ص ۴۳۳

اور ریاضتوں سے بہتر ہے جو اپنی طرف سے کی جائیں بلکہ وہ مجاہدے و ریاضتیں جو شریعت کے مطابق واقع نہیں ہوتے ہیں، نفسانی خواہشات کو مدد اور قوت دینے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ برہمنوں، جوگیوں، پادریوں اور حکمائے یونان کے مجاہدے ان کے لیے فائدہ مند ثابت نہیں ہوئے اور نفس کی تقویّت اور پرورش کے سوا انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا کیونکہ ان کی ریاضتیں شرعی تقاضوں کے تابع واقع نہیں ہوئیں مثال کے طور پر زکوٰۃ ادا کرنا شرعی حکم ہے لہٰذا زکوٰۃ کا ایک دینار خرچ کرنا نفس کو ذلیل اور خراب کرنے میں اپنی مرضی کے ساتھ ہزار دینار خرچ کرنے سے زیادہ بہتر و مفید ہے اور عید الفطر کے دن کھانا پینا اپنی مرضی سے کئی سال کے روزے رکھنے سے زیادہ افضل ہے اور نماز فجر باجماعت ادا کرنا تمام رات نفلی نمازیں پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ غرضیکہ شریعت کے مطابق عمل کرنا خواہ وہ عمل بظاہر چھوٹا اور معمولی معلوم ہو نفس کے تزکیہ کا باعث بنتا ہے اور نجات، شریعت کے احکام بجا لانے میں ہے نہ کہ محض مجاہدوں اور ریاضتوں میں۔

ریاضت کی قسمیں

ریاضت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ریاضتِ تابعین ۲۔ ریاضتِ منکرین

ریاضتِ تابعین سُنّت اور شریعت کے مطابق مجاہدہ و ریاضت بجالانا، ریاضت تابعین کہلاتی ہے جو اصلاحِ نفس کے لیے ہے اور اطمینان و تزکیۂ نفس کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ یہ اولیائے کرام کی ریاضت ہے جو اتباعِ سُنّت اور پیرویٔ شریعت پر مشتمل ہے۔

ریاضتِ منکرین یہ ریاضت جو سنّتِ محمدیہ و شریعتِ اسلامیہ کے منکرین کا مشغلہ ہے صرف سببِ تصفیۂ نفس ہے جو مکشوفاتِ کونیہ کا باعث

ہے۔ تزکیۂ نفس اور مکشوفاتِ عالمِ وجوب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ جوگیوں، برہمنوں، پادریوں اور حکمائے یونان کی ریاضت ہے۔ انہیں بعض ظاہری کمالات حاصل ہوتے ہیں لیکن قربِ خداوندی اور باطنی کمالات سے بے نصیب ہوتے ہیں۔ تصفیۂ نفس کی مثال، تانبے پر سونے کا پانی چڑھانے سے واضح ہوتی ہے اور تزکیۂ نفس کا عمل، کیمیا کے ذریعے تانبے کو خالص سونا بنانے کے مشابہ ہے۔ گویا تصفیۂ نفس، ملمع سازی ہے اور تزکیۂ نفس انقلابِ حقیقت، ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ فَافْهَمْ

کلمہ طیّبہ تزکیۂ نفس کا مجرّب علاج ہے

متن کلمہ طیّبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہ موضوع است برائے نفیِ آلہۂ آفاقی و اَنفُسی در تزکیۂ نفس و تطہیرِ آن اَنفع و اَنسب است اکابرِ طریقت قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَسْرَارَهُمْ از برائے تزکیۂ نفس ہمین کلمہ طیّبہ را اختیار فرمودہ اند ؎

تا بجا روبِ لا نروبی راہ
نرسی در سرائے اِلَّا اللّٰه

ہرگاہ نفس در مقامِ سرکشی آید و نقضِ عہد نماید بتکرارِ این کلمہ تجدیدِ ایمان باید نمود قَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَ

السَّلَامُ جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

ترجمہ کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ آفاقی و انفسی (بیرونی واندرونی) معبودوں کی نفی کے لیے وضع کیا گیا ہے تزکیۂ نفس کے لیے بہت مفید اور نہایت مناسب ہے۔ بزرگانِ طریقت قدس اللّٰہ تعالیٰ اسرارہم نے نفس کے تزکیہ کے لیے اسی کلمہ طیبہ کو اختیار فرمایا ہے۔ (ترجمۂ شعر)

جب تک لا کے جھاڑو سے راہ صاف نہ کریگا
اِلَّا اللّٰہ کی سرائے میں داخل نہ ہو سکے گا

جب نفس سرکشی کے مقام میں آجائے اور عہد شکنی کرے تو اس کلمہ کے تکرار سے ایمان کو تازہ کرنا چاہیئے۔ سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے تکرار سے اپنے ایمان تازہ کیا کرو۔

شرح

مقامِ طریقت و مقامِ حقیقت سطور بالا میں کلمۂ نفی اثبات کے تکرار کو تزکیۂ نفس کے لیے بنیادی نسخہ قرار دیا گیا ہے۔ اہلِ تصوف کے نزدیک اس کلمہ میں دو مقام موجود ہیں۔

۱۔ مقامِ طریقت ۲۔ مقامِ حقیقت

مقامِ طریقت کلمۂ نفی اثبات کا پہلا جزو لَا اِلٰہَ ہے اس میں ماسوی اللّٰہ کی نفی ہے۔ اسی مقامِ نفی کو مقامِ طریقت کہا جاتا ہے۔

مقامِ حقیقت کلمۂ نفی اثبات کا دوسرا جزو اِلَّا اللّٰہ ہے۔ اس میں ذات کا اثبات ہے۔ اسی مقامِ اثبات کو مقامِ حقیقت کہا جاتا ہے۔ یعنی سالک جب شہودِ ماسویٰ سے فارغ ہو کر شہودِ مراتبِ وجوب تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو اس وقت اس کو مصداقاتِ قضایائے شرعیہ کا مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے۔ گویا مقامِ

طریقت میں سالک کو شریعت کی صورت سے شریعت کی حقیقت کی طرف راہ ملتی ہے اور مقامِ حقیقت میں پہنچ کر سالک تمام شرعی احکام و اعمال کے ثمرات و اثرات کو از روئے کشف مشاہدہ کر لیتا ہے اور اگر ایسا سالک صاحبِ کشف نہ بھی ہو تب بھی اس کے اور عالمِ وجوب کے درمیان حجاب باقی نہیں رہتا۔ وَذَالِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ مقامِ نفی کو حضرت سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

بلینہ نے انجام تک پہنچایا اور مقامِ اثبات کو حضرت سیّدنا محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے انجام تک پہنچایا۔ تخلیق سے غرض یہ تھی کہ بندہ غیر کی گرفتاری سے نجات حاصل کرے اور مشاہدہ کی منزل پر فائض ہو جائے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ[1] فرما کر غیر کی گرفتاری سے نجات کا مرتبہ مکمل کیا اور حضور سرورِ عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اَللّٰهُمَّ زِدْنِي تَحَيُّرًا فِيكَ[2] فرما کر مشاہدہ کے مرتبہ کو تکمیل تک پہنچانے کی خبر ارشاد فرمادی یہی وجہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام غیر کی گرفتاری سے نجات حاصل ہونے کا اعلان تو فرماتے رہے مگر دُنیا میں مشاہدہ و رؤیت سے مشرّف نہ ہوئے اور سرورِ عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مشاہدہ و رؤیت سے مشرّف ہو کر تخلیق کا مقصد و مفاد انجام تک پہنچا دیا اور کسی دوسرے نبی یا رسول کے آنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ حقیقت کو مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ مقامِ ختمِ نبوّت کو بھی مکمل کر دیا (وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ)

---

[1] الانعام ۷۶ [2]

دفتر اوّل مکتوب ۵۳

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

دیندار عالم کی تقرری کی سفارش

علماء کی دو قسمیں

مکتوب ۔ ۵۳

متن شُنیدہ شد کہ بادشاہِ اسلام از حُسنِ نشاۂ مُسلمانی کہ در نہاد خود دارند بایشان فرمودہ اند کہ چہار کس از عُلمائے دیندار پیدا کنند کہ مُلازم باشند و بیانِ مسائلِ شرعیّہ میکردہ باشند تا خلافِ شرع اَمری واقع نشود

ترجمہ: سُنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام (جہانگیر) نے مسلمانی کی نیک فطرت پر ہونے کی وجہ سے جو کہ وہ اپنی ذات میں رکھتا ہے آپ سے فرمایا ہے کہ دیندار علماء میں سے چار شخص (عُلماء) مہیّا کریں جو دربارشاہی میں حاضر رہ کر شرعی مسائل بیان کیا کریں تاکہ بادشاہ سے کوئی خلافِ شرع امر واقع نہ ہو۔

شرح

زیرِ نظر مکتوب میں حضرت امام ربّانی قُدِّسَ سِرّہٗ نے حضرت شیخ فرید بُخاری رحمۃُ اللہ علیہ سے فرمایا ہے کہ بادشاہ جہانگیر کی طرف سے چار دیندار عُلماء کا شرع کے مسائل اور احکام بیان کرنے کے لیے دربارِ شاہی میں مامُور کرنے کا حُکم سُن کر بہت مسرّت حاصل ہوئی ہے۔ یہ فقیر بھی اسی غرض کے لیے آپ کی طرف متوجہ رہا ہے تاکہ دربارِ شاہی کی طرف سے دینِ اسلام کی ترویج کا کام جاری کرایا جا سکے۔ اس سلسلہ میں کسی ایک متدیّن عالمِ آخرت کا انتخاب کیا جائے جو حُبِّ جاہ و ریاست سے فارغ ہو تو بہت مناسب ہوگا کیونکہ ایک سے زیادہ عُلماء کا آپس میں مُتفق رہنا مشکل ہوگا۔ خاص کر حُبِّ جاہ و

ریاست اور بادشاہ کا قُرب حاصل کرنے کی مہم کی وجہ سے دین کی ترویج و اشاعت میں رخنہ پڑ جائے گا گذشتہ دَور میں بھی عُلمائے سُوء نے جہان کو فتنہ و فساد میں مُبتلا کر دیا تھا۔ اس فرمان میں آپ نے عُلمائے اِبنُ الوقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جنہوں نے بادشاہ اکبر و جہانگیر کے لیے سجدۂ تعظیمی جائز قرار دیا تھا اور بہت سی بدعتوں کو رواج دیا تھا۔

عُلما، کی دو قسمیں

متن عزیزی ابلیسِ لَعین را دید کہ فارغ و بیکار نشستہ است سِرِّ آن را پُرسید گُفت عُلماء این وقت کارِ ما میکنند و در اغوا و اضلال کافی اند۔

ترجمہ: کسی عزیز نے ابلیسِ لعین کو دیکھا کہ وہ فارغ اور بے کار بیٹھا ہُوا ہے اس نے ابلیس سے اس طرح بے کار بیٹھنے کا راز دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ اس وقت کے علماء ہمارا کام کر رہے ہیں اور لوگوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے میں وہ کافی ہیں۔

شرح

سُطورِ بالا سے واضح ہُوا کہ مخلوق کی ہدایت اور گمراہی عُلماء سے وابستہ ہے دیندار عُلماء اِنسانوں میں سب سے بہتر ہوتے ہیں اور دُنیا دار عُلماء انسانوں میں سب سے بدتر ہوتے ہیں۔

عُلماء کی دو قسمیں پہلی قسم عُلمائے حق ہیں جن کو عُلمائے آخرت کہا جاتا ہے جو حُبِّ جاہ و ریاست سے خالی ہوں اور دینِ اسلام کی

ترویج وتبلیغ کے سوا ان کا کوئی مقصد نہ ہو۔ یہ انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔

دُوسری قسم عُلمائے سُوء ہیں جن کو عُلمائے دنیا کہا جاتا ہے جو دین کو دُنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ فکرِ آخرت سے خالی اور ابنُ الوقت ہوتے ہیں۔ ان کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہوتا ہے اور یہ مخلوق کو فرقہ بندی میں مُبتلا کرتے ہیں۔

عُلماء کی دونوں قسموں کے بارے میں درجِ ذیل حدیث شاھد ہے:

حضرت احوص بن حکیم رضی اللہ عنہٗ اپنے والدِ گرامی سے روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَآءِ وَاِنَّ خَیْرَ الْخَیْرِ خِیَارُ الْعُلَمَآءِ [1]

(یعنی) رسُول اکرم صَلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بُروں میں سب سے بُرے لوگ، بُرے عُلماء ہیں اور نیکوں میں سب سے نیک لوگ نیک عُلماء ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ صٓ ۳۷

دفتر اوّل مکتوب ۵۴

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

بدعتی کی صحبت کا فسادِ صحابہ کرام اور فرقہ رافضیہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن کو لغتِ قریش پر جمع کیا

یزید کا کردار کافرِ فرنگ سے بھی برا ہے

مکتوب ۔ ۵۴

متن یقین تصوّر فرمائیند کہ فسادِ صحبتِ مبتدِع زیادہ از فسادِ صحبتِ کافر است وبدترین جمیع فِرَق مُبتدعانِ جماعۃ اند کہ باصحاب پیغمبر عَلَیہِ وَعَلَیہِمُ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَام بغض دارند اللہ تعالیٰ در قرآن مجید خود ایشان را کُفّار می نامد لِیَغِیظَ بِہِمُ الْکُفَّارَ[1]

ترجمہ: یقین جانیئے کہ بدعتی کی صُحبت کا فساد کافر کی صُحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں سب سے بُرا وہ فرقہ ہے جو حضُورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بُغض رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں ان کو کفّار کے نام سے موسُوم فرماتا ہے لِیَغِیظَ بِہِمُ الْکُفَّارُ تاکہ کفّار کو ان (اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم) کے سبب سے غصّہ میں ڈالے۔

شرح

اس مکتوب کی ابتدار میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ نے شیخ فرید بخاری علیہ الرحمۃ

---

[1] الفتح ۲۹

کے لیے ان کی دینی خدمات اور درویشوں کی مالی امداد پر دُعائیہ کلمات تحریر فرما کر ان کو بدعتی فرقوں کی صُحبت و محبّت سے اِجتناب کی وصیّت فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ بدعتی کی صُحبت کا فساد کافر کی صُحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے اسی لیے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعتی کے ادب و احترام کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے کہ بدعتی کا احترام کرنے والا گویا دینِ اسلام کو برباد اور ویران کرنے کی کوشش کرنے والا ہے [1]۔

نیز ارشاد فرمایا :

اِیَّاکُمْ وَ اِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یُفْتِنُوْنَکُمْ [2]

(یعنی) ان (بدعتی فرقوں) سے دُور رہو اور انہیں اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

قرآنِ حکیم میں اس کی واضح ممانعت موجود ہے :

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ [3]

(یعنی) نہ بیٹھو یاد آنے پر ظالموں کے پاس۔

مُفسّرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کے حکم میں ظالموں سے مُراد کفّار، بدعتی اور فاسق وغیرہ ہیں۔ ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنے، صُحبت اختیار کرنے اور میل جول رکھنے کی اجازت نہیں بلکہ حدیث میں یہاں تک تصریح موجود ہے کہ

وَلَا تُوَاکِلُوْھُمْ وَلَا تُشَارِبُوْھُمْ وَلَا تُجَالِسُوْھُمْ وَلَا تُنَاکِحُوْھُمْ وَاِذَا مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْھُمْ وَاِذَا مَاتُوْا فَلَا تَشْھَدُوْھُمْ وَلَا تُصَلُّوْا عَلَیْھِمْ وَلَا

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۱، [2] مسلم ص ۱۰ ج ۱، [3] الانعام ۶۸

تُصَلُّوا مَعَهُمْ [1]

(یعنی) ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور ان کے ساتھ پانی نہ پیؤ اور ان کے پاس نہ بیٹھو ان سے نکاح و رشتہ نہ کرو، وہ بیمار ہو جائیں تو عیادت نہ کرو اور جب وہ مر جائیں تو اُن کے جنازے پر نہ جاؤ اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

صحابہ کرام اور فرقہ رافضیہ

حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ تمام بدعتی فرقوں میں سے سب سے بُرا فرقہ وہ ہے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بُغض رکھتا ہے اور وہ فرقہ رافضیہ (شیعہ) ہے۔ اہلِ سُنّت اور شیعہ کے اختلاف کا آغاز عہدِ صحابۂ کرام سے ہو چکا تھا۔ اس فرقہ نے اہلِ سُنّت سے علیحدہ تشخص قائم کر لیا اور رفتہ رفتہ اپنے اعمال و عقائد خود وضع کر لیے جس کے نتیجے میں جمہورِ اہلِ اسلام سے الگ ہو گئے۔

حضرت امامِ ربّانی قدس سرہٗ کے دورِ تجدید میں یہ فرقہ ہندوستان میں کافی پھیل چکا تھا۔ آپ نے اس کے خلاف بھرپور جہاد فرمایا اور ہندوستان میں اس فرقہ کا زور توڑ کے رکھ دیا۔ یہ آپ کی تجدیدی کرامات کا فیض ہے کہ ہند و پاک میں آج تک اہلِ سنّت کو بالادستی حاصل ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ برگزیدہ شخصیات ہیں جن کے ذریعے قُرآن و شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصّلوٰت کی نشر و اشاعت و تبلیغ ہوئی۔ یہی وہ مُقدّس لوگ ہیں جنہیں صُحبتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ کی برکت سے تزکیۂ نفس کی دولت میسّر آئی۔ ان کے باہمی اختلافات نفسانی خواہشات کی بنیاد پر نہ تھے بلکہ اجتہاد اور اخلاص پر مبنی تھے خصوصاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو جامع القرآن ہیں اگر ان کو مطعون کیا جائے تو قرآن بھی مطعون ہوگا۔ غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض رکھنا اور ان کی بارگاہ میں بے ادبی و گستاخی کرنا

---

[1] کنز العمال ص ۵۴۰ ج ۱۱، ص ۵۴۲ ج ۱۱

کفر و نفاق تک پہنچا دیتا ہے۔ وَالْعَیَاذُ بِاللّٰہِ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کو لغتِ قریش پر جمع کیا

واضح رہے کہ پہلے مرتبے میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا عُمر فارُوق رضی اللہ عنہ کے مشورے سے قرآنِ حکیم کتابی شکل میں جمع فرمایا تھا۔ چونکہ قُرآن پاک قبائلِ عرب کی آسانی کے لیے لُغاتِ سبعہ میں نازل ہوا تھا اور ان لُغتوں میں اختلافِ معنوی نہ تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو لغاتِ سبعہ کی بجائے لُغتِ قریش پر جمع کیا[1] جو قبائلِ عرب میں سب سے افضل قبیلہ تھا اور ان کی لُغت بھی اَفصح و اَبلغ تھی۔ نیز صحیح روایات سے ثابت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رحلتِ مبارکہ کے سال میں حضرت جبریلِ امین علیہ السّلام کے ساتھ لُغتِ قریش میں ہی تکرار فرماتے رہے اور بعد میں اسی لُغت کو فضیلت و ترجیح دیتے ہوئے قرآنِ حکیم کو کتابی شکل میں جمع کر کے متعدّد نسخے دُوسرے ملکوں میں بھی تقسیم کیے اور آج تک اُمّتِ مُسلمہ اسی لُغتِ قریش پر جمع کیے ہُوئے قرآن پر یقین و اعتماد رکھتی ہے اور اسی پر عمل پیرا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

یزید کا کردار کافرِ فرنگ سے بھی بُرا ہے

متن یزیدِ بے دولت از اصحاب نیست در بدبختیٔ اُو کرا سخن است کارے کہ آں بدبخت کردہ ہیچ کافرِ فرنگ نکند۔

---

[1] قَالَ عُثْمَانُ ..... فَاكْتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ۔ صحیح بخاری ص۴۹۷ ج۱

ترجمہ: یزید بے نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے نہیں ہے۔ اس کی بدبختی میں کس کو کلام ہے۔ جو کام اس بدبخت نے کیا کوئی فرنگی کافر بھی نہیں کرتا۔

شرح

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک یزید پلید کا اجمالی خاکہ یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے نہیں ہے۔ اس کو بدبخت اور بدنصیب اور فاسق کہنا چاہیئے۔ واقعۂ کربلا میں یزید کا کردار فرنگی کافر کے کردار سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ بلکہ ایک مکتوب میں آپ نے یزید کو مستحقِ لعنت قرار دیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

"اُو مستحقِ لعنت است..... اگر ایں سخن در باب یزید میگفت گنجائش داشت یزید بے دولت از زُمرہ فَسقہ است توقف در لعنتِ اُو بنا، بر اصل مقرر اہلِ سُنّت است کہ شخص معیّن را اگرچہ کافر باشد تجویز لعنت نہ کردہ اند مگر آنکہ بہ یقین معلوم کنند کہ ختم اُو بر کفر بودہ .... نہ آنکہ اُو شایان لعنت نیست[1]

(یعنی) یزید مستحقِ لعنت ہے اگر یہ بات یزید کے بارے میں کہی جائے تو گنجائش ہے۔ یزید بدبخت فاسقوں میں سے ہے۔ بعض عُلماء کی طرف سے اس پر لعنت کے بارے میں جو توقّف کیا جاتا ہے وہ اہل سنّت کے ایک اُصول کے مطابق ہے کہ جب تک کسی کے متعلّق یقین نہ ہو جائے کہ اس کا خاتمہ کُفر پر ہُوا ہے وہ کسی شخصِ معیّن پر لعنت نہیں کرتے، یہ توقف اس لیے نہیں کہ یزید لعنت کا مستحق نہیں ہے۔

چنانچہ علماء اہل سنّت کی واضح اکثریت یزید کے بارے میں یہی رائے رکھتی ہے۔ بعض عُلماء نے یزید کے کُفر کا قول بھی کیا ہے، بہرحال اس کے فاسق و فاجر ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔

---

[1] دفتر اوّل مکتوب ۲۵۱

دفترِ اوّل مکتوب ۵۵

مکتوب الیہ

حضرت شیخ سیّد عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

حُبِّ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم

فضائل سادات کرام

مکتوب الیہ

یہ مکتوب گرامی : سیادت پناہ حضرت شیخ عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام صادر فرمایا۔ آپ کے نام صرف دو مکتوب ہیں۔ دفتر اوّل مکتوب ۵۵ ، ۵۶
شیخ عبدالوہاب بخاری بن یوسف بن عبدالوہاب حسینی بخاری اوچی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین حضرت سیّد مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ دہلی میں متولد ہوئے۔ متعدد علماء و مشائخ سے علوم متداولہ حاصل کیے اور عہد اکبری و جہانگیری میں دہلی کے حکمران رہے۔ ۱۰۶۰ھ کے بعد حج و زیارت کی سعادت حاصل کرکے واپس ہندوستان پہنچے۔ (نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۲۶۹ ، مآثر الامراء ج ۲ ص ۴۰۴)

مکتوب ۔ ۵۵

حُبِّ اہلِ بیت و فضائلِ ساداتِ کرام (رضی اللہ عنہم)

متن بناءً علیہ بدعاءِ ظہر الغیب بے اختیار مشغول ست وچوں سرورِ کائنات و مفخرِ موجودات عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ فرمودہ اند کہ مَنْ اَحَبَّ اَخَاہُ فَلْیُعْلِمْ اِیَّاہُ اظہارِ حُبِّ خود نمودن اَوْلٰی و اَنْسب دانست وباین محبّت کہ نسبت بقُرباءِ آنحضرت عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ پیدا شدہ است رشتۂ امیدواریِ تمام بدست آوردہ است

ترجمہ: اسی بناء پر (یہ فقیر آپ کے لیے) بے اختیار غائبانہ دُعا میں مشغول ہے اور چونکہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ وَالتَّحِیَّاتُ نے فرمایا ہے

"جو شخص اپنے (کسی مُسلمان) بھائی سے محبّت کرے تو اُسے چاہیئے کہ اس کو بتا دے (اسی لیے فقیر نے) اپنی محبّت کا اظہار بہتر اور بہت مناسب جانا اور اس محبّت

(کے وسیلہ) سے جو کہ آنحضرت عَلَیہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّۃُ کے قُرباء (سادات کرام) کے ساتھ پیدا ہو گئی ہے بڑی اُمید حاصل ہو گئی ہے۔

شرح

زیرِ نظر مکتوب میں حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ نے حضرتِ شیخ عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے ساتھ ربط و محبّت میں زیادتی پیدا ہونے اور ان کے لیے بے اختیار غائبانہ دُعا کرتے رہنے کی اطلاع دی ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے جب کسی مُسلمان بھائی سے تمہیں محبّت ہو جائے تو اس کو بتا دینا چاہیے کہ مجھے تم سے محبّت ہے نیز غائبانہ دُعا کی حدیث میں بہت فضیلت وارد ہے۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَۃً دَعْوَۃُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ [1]

(یعنی) سب سے زیادہ جلدی قبول ہونے والی دُعا غائب کی دُعا ہے جو وہ کسی غائب کے لیے کرے۔

اور دوسری حدیث میں یوں ہے:

اِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِاَخِیْہِ بِظَھْرِ الْغَیْبِ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ اٰمِیْنَ وَلَکَ بِمِثْلٍ [2]

(یعنی) جب کوئی شخص اپنے مُسلمان بھائی کے لیے غائبانہ (پس پشت) دُعا کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں آمین اور تیرے لیے بھی اسی طرح دُعا ہے۔

ساداتِ کی محبّت حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ نے ساداتِ کرام کی محبّت اور تعظیم کے حوالے سے قرباءِ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ذکر فرما کر اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

---

[1] ابوداؤد ص۲۱۵ ج۱ [2] ابوداؤد ص۲۱۴ ج۱

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰي [1]

یہاں قربیٰ سے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قرابتِ نسبی مراد لی گئی ہے اسی طرح قرآن کی دوسری آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا [2] میں اہل بیت کے رجس (آلودگی) سے پاک ہونے کا حکم سنایا گیا ہے۔

حدیث پاک میں ہے: حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ جَوَازٌ عَلَى الصِّرَاطِ وَالْوَلَايَةُ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ اَمَانٌ مِّنَ الْعَذَابِ [3] یعنی آل محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کی محبّت صراط سے گزرنے کا ذریعہ ہے اور آلِ محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دوستی عذابِ دوزخ سے امان ہے نیز فرمایا، وَمَنْ مَاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مَاتَ مَغْفُوْرًا لَّهٗ [4] یعنی جو اہل بیت کی محبّت پہ مرا وہ بخشا جائے گا۔ اسی طرح بعض دیگر احادیث میں ایسے شخص کے لیے شہید کا درجہ حاصل ہونے اور اہل سُنّت کے طریقے پر مرنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

واضح ہو کہ آل نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی محبّت کمالِ ایمان کی علامت ہے اور اس کا بغض ایمان کے ناقص ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا ہر مُسلمان پر سادات کرام کی محبّت اور تعظیم فرض قرار پائی ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اِيَّاهَا

حضرت مجدّد پاک قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے تھے کہ حضرت والد ماجد کی زبان پر بارہا یہ قول ہوتا تھا:

"حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبّت حفظِ ایمان اور حُسنِ خاتمہ میں بہت زیادہ دخل رکھتی ہے" چنانچہ حضرت امام ربانی قدّس سرّہٗ نے اپنے والد ماجد (حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ) سے ان کے وصال سے تھوڑی دیر پہلے اس قول کے بارے

---

[1] الشوریٰ ۲۳، [2] الاحزاب ۳۳، [3] الشفا صـ۲۷/۲ فصل الخطاب [4] نورالابصار صـ۱۱۲

میں استفسار کیا کہ اس وقت آپ کی ایمانی حالت کیسی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ الحمدللہ میں اہل بیت کی محبّت میں سرشار اور اسی دریائے نعمت میں غرق ہوں[1]۔

مکتوب کے آخر میں حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ نے اہل بیت کی محبّت پر استقامت کی دُعا مانگی ہے۔ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ ہم سب کا محبّت اہلِ بیت پر خاتمہ فرمائے (آمِینَ بِجَاہِ آلِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمُ الصَّلَوَاتُ)

---

[1] زبدۃ المقامات مترجم ص۱۸۴

دفترِ اوّل مکتوب ۵۶

مکتوب الیہ

حضرت شیخ سیّد عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

موضوع

ایک سیّد بزرگ کی مالی امداد کے لئے سفارش

مکتوب ۔ ۵۶

ایک سید بزرگ کی مالی امداد کیلیے سفارش

متن حاملِ عریضۂ نیاز میر سیّد احمد از ساداتِ سامانہ اند وطالبِ علم و صالح از ممرِ ضیقِ مَعیشت متوجہِ آن حدود گشتۃ اگر در سرکارِ عالی گنجائش باشد مشار الیہ لائق و سزاوارِ آنست والّا بہ یکی از مخلصانِ خود سفارش نمایند کہ از ممرِ معیشت خاطر جمع سازد چون یقین بود کہ خادِمانِ ایشان در بابِ فُقَراء و محتاجان توجہِ اَتَم دارند علی الخصوص در امدادِ ساداتِ عظام بچند کلمہ جرأت نمود

ترجمہ: حاملِ عریضہ نیاز میر سیّد احمد سادات سامانہ میں سے ہیں طالب علم اور صالح شخص ہیں۔ معاش کی تنگی کے باعث آپ کی جانب متوجہ ہوئے ہیں آپ کی بلند سرکار میں کچھ گنجائش ہو تو موصوف مذکور اس کے لائق و مستحق ہیں ورنہ اپنے مخلصوں میں سے کسی کی طرف (ان کی) سفارش فرمائیں تاکہ تنگیٔ معاش کی طرف سے مطمئن ہو جائیں چونکہ یقین تھا کہ خود آنجناب فقراء اور محتاجوں کے بارے میں اور خصوصاً ساداتِ عظام کی امداد کے بارے میں پوری توجہ فرماتے ہیں اس لیے یہ چند کلمات لکھنے کی جرأت کی گئی ہے۔

شرح

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے حضرت شیخ عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک سید بزرگ میر سید احمد (جو کہ ساداتِ سامانہ میں سے تھے) کی مالی امداد کے لیے سفارش تحریر فرمائی ہے اور ساداتِ عظام میں سے ہونے کی وجہ سے انہیں زیادہ امداد کا مستحق قرار دیا ہے اور اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ اہلِ بیت کے ساتھ محبت اور مودّت کے لیے ساری امت کو مامور کیا گیا ہے جس پر آیات و احادیث گواہ ہیں۔

دفتر اوّل مکتوب ۵۷

مکتوب الیہ

حضرت شیخ محمّد یوسف رحمۃ اللہ علیہ

موضوع

طریقت و حقیقت سے مراد باطنِ شریعت ہے

مکتوب الیہ

یہ مکتوب گرامی حضرت شیخ محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نام صادر فرمایا۔ مکتوبات شریفہ میں ان کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

مکتوب ۔ ۵۷

طریقت و حقیقت سے مراد باطنِ شریعت ہے

متن ظاہر را بظاہرِ شریعت و باطن را بباطنِ شریعت کہ عبارت از حقیقت است متحلّی و متزیّن دارند چہ حقیقت و طریقت عبارت از حقیقتِ شریعت است و طریقتِ آن حقیقت نہ آنکہ شریعت امرے دیگر است و طریقت و حقیقت دیگر کہ آن اِلحاد و زَندَقہ است ۔

ترجمہ: ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور باطن کو باطن شریعت کے ساتھ جس کو حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں آراستہ رکھیں کیونکہ حقیقت و طریقت سے مراد شریعت کی حقیقت اور اس حقیقت کی طریقت ہے نہ یہ کہ شریعت کوئی اور چیز ہے اور طریقت و حقیقت کوئی اور چیز کیونکہ یہ الحاد و زندقہ (بے دینی) ہے ۔

شرح

حضرت امام ربانی قدّس سرہٗ نے اس مکتوب میں نصیحت فرمائی ہے کہ سالک کو چاہیئے

کہ اپنا ظاہر، ظاہرِ شریعت کے ساتھ اور اپنا باطن، باطنِ شریعت کے ساتھ آراستہ رکھے یعنی شریعت کی صورت اور حقیقت دونوں حاصل کرے۔ واضح ہو کہ شریعت کی حقیقت، تزکیۂ نفس کے بعد ہاتھ آتی ہے جب کہ انسان، نفس اور خواہشاتِ نفس سے خلاصی پا لیتا ہے۔ شریعت کی حقیقت تک پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ سالک شانُ الکلام اور صفتُ الکلام کے ظلال کی تجلّیات سے بہرہ اندوز ہو اور اس مرتبہ کے حصول کی علامت یہ ہے کہ سالک مصداقاتِ قضایائے شرعیہ کے صدق کا مشاہدہ کرنے لگے۔

طریقت اس راستہ کو کہتے ہیں جو حقیقت تک پہنچائے اور طریقت و شریعت دونوں کی حقیقت، تجلّیات قرآنیہ سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ حقیقتِ قرآن کا تعلّق، ذات اور اس کی شیونات و صفات سے ہے اور قرآنِ لفظی، کلامِ نفسی کا ظِلّ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے اَوامر اور نواہی کے مطابق زندگی بسر کرنے والا انسان صورتِ شریعت سے حقیقتِ شریعت تک پہنچ جاتا ہے۔

دفتر اوّل مکتوب ۵۸

مکتوب الیہ

حضرت سیّد محمود رحمۃ اللہ علیہ

موضوع

طریقہ نقشبندیہ سب طریقوں سے اقرب ہے

مکتوب الیہ

یہ مکتوب گرامی سیادت مآب حضرت سید محمود رحمۃ اللہ علیہ کے نام صادر فرمایا گیا مکتوبات شریفہ میں کل پانچ مکتوب آپ کے نام ہیں۔ دفتر اوّل ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، اور دفتر دوم میں مکتوب ۸۳ ہے۔ غالباً آپ سید محمود بارہہ ہیں۔ سنبھل وطن تھا۔ شجاعت و سخاوت میں مشہور تھے۔ اکبر نے پنج ہزاری کی خلعت سے نوازا۔ ایک مرتبہ مذاق سے کسی نے کہہ دیا کہ آپ سادات میں سے معلوم نہیں ہوتے۔ آپ اسی وقت اس آگ میں جا کر کھڑے ہو گئے جو ملنگ فقیر دھونی کے لیے جلائے رکھتے ہیں اور فرمایا! "اگر سیدم، آتش کارگر نیست و اگر سیّد نیستم، می سوزم دلیل دیگر از حسب و نسب ندارم" اور تقریباً ایک ساعت اس آگ میں کھڑے رہے لوگوں نے منت سماجت کی تو باہر آئے۔ مخملی جوتا جو آپ کے پاؤں میں تھا اس کا رؤاں تک نہ جلا آپ نے ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی۔

مکتوب ۔ ۵۸

متن مخدوما این راہ کہ ما در صَدَدِ قطع آنیم ہمگی ہفت گام است بعَدَدِ ہفت لطیفۂ انسانی دو قدم در عالَمِ خلق اند کہ بقَالَب و نفس تعلّق دارند و پنج قدم در عالَمِ اَمر اند کہ بقلب و روح و سِرّ و خفی و اخفیٰ مربوط اَند و در ہر قدمی ازین اَقدامِ سبعہ دہ ہزار حجب خرق مینمایند نُوْرَانِیَّۃً کَانَتْ تِلْکَ الْحُجُبُ اَوْظَلْمَانِیَّۃً

ترجمہ: میرے مخدوم! یہ راستہ جس کو ہم طے کرنے کے درپے ہیں انسان کے سات لطیفوں کی تعداد کے مطابق کُل سات قدم ہے۔ دو قدم عالم خلق میں ہیں جو قالب (جسم عنصری) اور نفس سے تعلق رکھتے ہیں اور پانچ قدم، عالم امر میں ہیں جو قلب، روح، سِر، خفی اور اخفیٰ کے ساتھ وابستہ ہیں اور ان سات قدموں میں سے ہر ایک قدم میں دس ہزار پردے پھاڑنے پڑتے ہیں خواہ وہ پردے نورانی ہوں یا ظلمانی۔

شرح

حضرت امام ربانی قدّس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اہلِ طریقت نے وصول اِلی اللہ کی منزل کو سات قدم قرار دیا ہے۔ سات قدموں سے مراد سات لطائف ہیں۔ جن میں سے دو قدم، عالم خلق میں سے ہیں یعنی لطیفۂ قالبیہ (جو عناصر اربعہ پر مشتمل ہے) اور دوسرے قدم سے مراد لطیفۂ نفس کا طے کرنا ہے اور عالم امر سے تعلق رکھنے والے پانچ قدموں

سے مراد عالم امر کے پانچ لطیفے ہیں اور وہ یہ ہیں : قلب ، روح ، سِرّ، خفی اور اخفیٰ ۔

بلیّنہ حدیثِ نبوی علیٰ صاحِبِہَا الصَّلٰوٰتُ وَالتَّسلِیمَاتُ کے مطابق ذاتِ حق تعالیٰ اور بندے کے درمیان ستر ہزار ظلمانی و نورانی حجابات ہیں[1]۔ جب بندہ اخلاصِ نیّت کے ساتھ کسی مرشدِ کامل کی راہنمائی میں وصول الی اللہ کی منزلوں میں قدم رکھتا ہے تو ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں دس ہزار حجابات اٹھائے جاتے ہیں حتیٰ کہ آخری قدم تک ستر ہزار حجابات اٹھ جاتے ہیں ۔

واضح ہو کہ حجاباتِ ظلمانی سے مراد غفلت کے پردے ہیں اور حجابات نورانی سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے پردے ہیں ۔ پردے اُٹھنے کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ ہر قدم پر اپنے آپ سے دُور اور حق تعالیٰ کے قریب ہوتا جاتا ہے ۔ یعنی انفس و آفاق کی کثافتیں اور کدورتیں دور ہوتی جاتی ہیں اور بندہ قربِ خداوندی کی منزلوں میں گم ہوتا جاتا ہے یہاں تک ولایتِ خاصہ کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے ۔ وَذَالِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

حافظ شیرازی نے کیا خوب فرمایا ؎

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظا از میاں برخیز

متن مشائخِ طریقہ علیہ نقشبندیہ قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَسْرَارَہُمْ ابتداءِ این سَیر از عالمِ امر اختیار کردہ اند و عالمِ خَلق را نیز در ضمنِ این سیر قطع مینمایند بخلافِ مشائخِ سلاسِلِ دیگر قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالیٰ

---

[1] تفصیلات مکتوب ۴ میں ملاحظہ فرمائیں

اَسْرَارَہُمْ لہذا طریقِ نقشبندیہ اَقربِ طُرق آمد لا جرم نہایتِ دیگراں در بدایتِ ایشان مندرِج گشت

ترجمہ: مشائخِ نقشبندیہ قدّس اللہ تعالیٰ اَسْرَارَہُمْ نے دوسرے سلسلوں کے مشائخ قدّس اللہ تعالیٰ اَسْرَارَہُمْ کے برخلاف اس سیر کی ابتدا، عالمِ امر سے اختیار فرمائی ہے اور عالمِ خلق کو بھی اس سیر کے ضمن میں طے کر لیتے ہیں۔ اسی لیے طریقہ علیہ نقشبندیہ سب طریقوں سے اقرب ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی انتہا، ان کی ابتداء میں درج ہو گئی ہے۔

شرح

حضرت امامِ ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ کرام نے سیرِ باطن کی ابتداء، عالمِ امر سے اختیار فرمائی ہے یعنی اپنے سلوک کی بنیاد، تصفیۂ قلب و روح و دیگر لطائف پر رکھی ہے تاکہ لطائف میں پہلے جذبہ پیدا ہو اور وہ جلد از جلد عروجی منازل طے کریں اور اس عروج کے ضمن میں سالک، فضائلِ شریفہ اور اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہو اور عاداتِ رذیلہ و خصائلِ کثیفہ سے خالی ہو جائے یعنی یہ مشائخ پہلے سالک کو تجلیۂ لطائف کی تعلیم و تربیت دیتے ہیں۔ اس کے بعد تخلیہ و تزکیۂ لطائف کی منزلوں تک پہنچاتے ہیں. کیونکہ اس طرح تجلیۂ لطائفِ عالمِ امر کے ضمن میں خود بخود عالمِ خلق کے لطائف کا تزکیہ بھی ہو جاتا ہے جب کہ دوسرے سلاسل کے مشائخ نے عالمِ خلق کے لیے علیحدہ اور عالمِ امر کے لیے جداگانہ سیر تجویز فرمائی ہے جس کی وجہ سے ان کے سلوک میں طوالت آ گئی ہے اور مشائخِ نقشبندیہ جذبے کی مدد سے راہِ سلوک جلدی طے کر لیتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے جذبے کو سلوک پر مقدّم رکھا ہے۔ ان بزرگوں کی ابتداء میں دوسروں کی انتہاء درج ہونے کا یہی مطلب ہے کہ دوسرے سلاسل کے بزرگ، جذبہ آخر میں دیتے ہیں اور یہ پہلے دیتے ہیں تاکہ وصول کی منزل قریب تر ہو جائے

متن طریقِ این بزرگواران بعینہٖ طریقِ اصحابِ کرام است رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن

ترجمہ: ان بزرگوں کا طریقہ بعینہٖ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے۔

شرح

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ نقشبندی مشائخ کا طریقہ، اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے یعنی اس طریقے میں حصولِ فیض کا دار و مدار صحبتِ شیخ پر ہے نہ کہ ریاضت پر۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کی برکت سے سب کچھ حاصل کیا تھا۔ سلسلۂ نقشبندیہ کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں مرید، صحبتِ شیخ کی برکت سے فائض المرام ہوتا ہے جب کہ دوسرے سلاسل میں ریاضت کے بغیر فیض نہیں ملتا۔ نیز سلسلۂ نقشبندیہ کی خصوصیات سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس سلسلہ کے اکثر مشائخ کو وصلِ عریانی نصیب ہوتا ہے جب کہ دوسرے سلاسل کے اکثر مشائخ وصلِ مطلق سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ وصلِ مطلق میں صرف ظلمانی حجابات اٹھائے جاتے ہیں نورانی حجابات باقی رہتے ہیں۔ لیکن وصلِ عریانی میں تمام ظلمانی و نورانی حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں اور صفات، شیونات و اعتبارات کے نورانی حجابات میں سے کوئی بھی حجاب حائل نہیں رہتا۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

دفترِ اوّل مکتوب ۵۹

مکتوب الیہ

حضرت سیّد محمود رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

نجات ابدی حاصل کرنے کیلئے تین چیزیں لازمی ہیں

علمائے اہلِ سنّت کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے

مکتوب ۔ ۵۹

متن

مخدوما آدمی را از سہ چیز چارہ نیست تا نجاتِ اَبَدِی میسّر گردد علم و عمل و اخلاص

ترجمہ: میرے مخدوم! انسان کے لیے ابدی نجات حاصل کرنے کے لیے تین چیزوں کے بغیر چارہ نہیں وہ علم، عمل اور اخلاص ہیں۔

شرح

حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ نجاتِ ابدی حاصل کرنے کے لیے علم، عمل اور اخلاص بنیادی شرائط ہیں۔

علم دو قسم کا ہے، ایک وہ علم جس سے مقصود عمل ہے اور وہ علم فقہ ہے۔ دوسرا وہ علم جس سے مقصود اعتقاد کی درستگی اور یقین کا حصول ہے اور وہ علمِ کلام ہے۔

اخلاص بھی دو قسم کا ہے۔ ایک صورتِ اخلاص ہے اور دوسرا حقیقتِ اخلاص صورتِ اخلاص یہ ہے کہ انسان سے بعض اعمالِ شرع، تکلّف کے ساتھ اور بعض بلاتکلّف صادر ہوں کیونکہ انسان کا نفسِ امّارہ، حصولِ اخلاص کے راستے میں رکاوٹ بنتا رہتا ہے۔ لہٰذا جب تک تزکیۂ نفس نہ ہو جائے اخلاص کی حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی۔

حقیقتِ اخلاص یہ ہے کہ انسان کے تمام اقوال، اَفعال، اعمال اور حرکات و سکنات رضائے الٰہی کے تابع ہو جائیں اور بلاتکلف و تعمّل اس سے اعمالِ صالحہ صادر ہوتے رہیں اور اس کو حصولِ اخلاص کے لیے نیّت کو درست کرنے کی محنت نہ کرنی پڑے یہ اخلاص آفاقی و انفسی خداؤں کی نفی کرنے پر موقوف ہے جو فناء کے ساتھ وابستہ ہے اور یہی ولایتِ خاصہ کا مرتبہ ہے۔

جو شخص دائمی اخلاص والا ہو وہ مخلَص (بفتحِ لام) ہے اور جو دائمی اخلاص والا نہ ہو وہ مخلِص (بکسرِ لام) ہے۔

متن ونجات بے اِتّباع این بزرگواران متصوّر نیست واگر سَرِمُومخالفت است خَطر درخطر است ایں سخن بکشفِ صحیح والہام صریح نیز بیقین پیوستہ است احتمالِ تخلّف ندارد پس خوشحالی است مرکسی راکہ بمتابعتِ اہلِ سنّت موفّق گردید

ترجمہ: ان بزرگوں (اہلسنّت) کی تابعداری کے بغیر نجات کا کوئی تصور نہیں اگر ان سے بال برابر بھی مخالفت ہے تو خطرہ ہی خطرہ ہے یہ بات صحیح کشف اور صریح الہام کے ساتھ بھی مرتبۂ الیقین تک پہنچ چکی ہے اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ پس خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس کو اہلِ سنّت کی پیروی کی توفیق حاصل ہوئی۔

شرح

حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ کتاب وسُنّت کی واضح تعلیمات کے ساتھ ساتھ کشف والہام کے طریقے پر بھی اہلسنّت کی حقانیّت وصداقت، ظاہر ومنکشف ہوئی ہے۔ لہٰذا اہلِ سنّت کے علماء کی پیروی کے بغیر نجات محال ہے کیونکہ یہی وہ ناجی گروہ (نجات یافتہ) ہے حدیثِ پاک میں جس کی اتّباع کا حکم دیا گیا ہے:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ [1]

---

[1] مشکوٰۃ ص۳۰

(یعنی) سب سے بڑی جماعت کی پیروی کرو کیونکہ جو اس جماعت سے الگ ہوا وہ دوزخ میں گیا

نیز فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ [۲]

(یعنی) میری سنّت اور میرے خلفاء راشدین کی سنّت کو لازم پکڑو۔

چنانچہ یہی وہ خوش نصیب گروہ ہے جو سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، کی جماعت سے وابستہ ہے اور حدیث مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي [۳] کا مصداق ہے جس کو اَلسَّوَادُ الْاَعْظَمُ اور اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ کہا جاتا ہے۔ اہل سنّت کے بزرگوں کی مخالفت کرنے والا اور ان کے اصولوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے والا دائمی ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا

مخالفینِ اہلسنّت اہلسنّت کے مخالفین میں معتزلہ، خوارج اور روافض کے نام سرفہرست ہیں باقی تمام فرقے انہی کی شاخیں ہیں۔ یہ تمام فرقے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے سے ہٹ کر بدعتی اور گمراہ ہوگئے ہیں اور اہلِ سنّت سے خارج ہوگئے۔

معتزلہ وہ گمراہ فرقہ ہے جو مسلّمہ اعتقاداتِ شرعیہ اور ضروریاتِ دینیہ کا منکر ہے اور دائرۂ اہلسنت سے خارج ہے۔

خوارج یہ لوگ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت اور محبتِ اہلِ بیت کے منکر ہیں خصوصاً حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ الْكَرِيْمَ کی مخالفت اور بغض پر کمر بستہ ہیں اور سیّدہ بتول فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولادِ امجاد کی محبت سے محروم و بے نصیب ہیں

روافض یہ لوگ قرآن مجید کی جامعیّت و سالمیّت کے منکر ہیں۔ حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ تمام صحابہ

---

[۲] ابوداؤد ص ۲۷۹ [۳] ترمذی ص ۸۹، مشکوٰۃ ص ۳۰

کرام رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ ظالم، فاسق بلکہ مرتد قرار دیتے ہیں۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ

نیز حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور خلافت بلا فصل کے بھی منکر ہیں حالانکہ ان کی فضیلت و خلافت بلا فصل پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہو چکا ہے۔ یہ لوگ ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کی معصومیت کے قائل ہیں۔ یہ فرقہ شیعہ اور اثنا عشریہ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

دفترِ اوّل مکتوب ۶۰

مکتوب الیہ

حضرت سیّد محمود رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

خطرات نفسانی اور وساوس شیطانی کے دور ہونے کا مجرب نسخہ

یادکرد اور یادداشت کا طریقہ و فرق

مکتُوب ـ ۶۰

متن

منعِ خواطر و دفعِ وساوس در طریقۂ حضراتِ خواجگان قدّسَ اللہُ تعالیٰ اَسرارَہُم بروجہِ اتمّ حاصل ست

ترجمہ: خطرات نفسانی اور وساوس کا دور ہونا، حضرات خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے طریقہ میں کامل طور پہ حاصل ہے۔

شرح

حضراتِ خواجگان نقشبندیہ کی تعلیمات کے مطابق یہ امر ذہن نشین رہے کہ وصول اِلَی اللہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ، خطراتِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی ہیں۔ جب تک یہ دور نہ ہو جائیں اور سالک، تہذیبِ اخلاق اور فنائے قلب و فنائے نفس کے مرتبے سے مشرف نہ ہو جائے کوئی عبادت، ریاضت، ذکر اور وظیفہ زیادہ نافع و مفید ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا سالک کے لیے سب سے پہلے رذائل عادیہ اور کدوراتِ بشریہ مثلاً حسد، تکبّر، غصہ و غضب، ریا و طمع، بغض و عجب، کینہ، حبِ جاہ و ریاست، حبِ مال و دیگر نفسانی خواہشات وغیرھا کے داغ دھبوں سے پاک و صاف ہونا نہایت ضروری ہے۔

حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حضرات خواجگان نقشبندیہ کے طریقے میں ان تمام روحانی بیماریوں کا شافی علاج بدرجہ اتم موجود ہے۔ بعض اکابر مشائخ نے نفیٔ خواطر کے چلّے بھی کھینچے ہیں، لیکن چلّے تکلّف اور تعمّل کی خبر دیتے ہیں جب کہ مقصود کا بلا تکلّف و تعمّل حاصل ہونا یاد داشت ہے هُوَالْمَطْلُوْبُ

آپ نے تحدیثِ نعمت کے طور پہ اپنے متعلق فرمایا ہے کہ اس درویش کو بفضلہٖ تعالیٰ منعِ خواطر و دفعِ وساوس میں اس قدر ملکہ حاصل ہے کہ اگر بالفرض اس کو حضرت نوح علیہ

السلام کی عمر بھی دے دی جائے تو اس مدت میں کوئی وسوسہ یا خطرہ اس کے دل پر نہیں گزر سکے گا اور نہ ہی دوامِ حضور کا یہ ملکہ ایک لمحہ کے لیے بھی منقطع ہو سکے گا۔

سلسلہ نقشبندیہ میں نفسانی خطروں اور شیطانی وسوسوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے مراقبات، اذکار، تہلیلات ونفی اثبات کے ذریعے یادکرد اور یادداشت کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جو سالکین کے لیے انتہائی مجرّب اور مؤثر نسخہ ہے (وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ)

یادکرد اور یادداشت کا طریقہ و فرق

حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یادکرد مقامِ طریقت میں ہے اور یادداشت مقامِ حقیقت میں۔ سالک جب تک نسیان ماسوا اللہ کے درجہ تک نہیں پہنچتا وہ یادکرد کے مقام میں ہے اور وہ تکلّف اور تعمّل میں ہے اور اگر بغیر تکلّف اور تعمّل کے مطلوب کا مشاہدہ حاصل ہے اور ملکۂ حضور، دائمی ہے تو مقامِ یادداشت میں ہے اور یہی مقامِ حقیقت ہے اور اگر سالک مبتدی، تکلّف کے ساتھ عالمِ وجوب کی طرف توجہ قلبی کرے تو اس کو نگہداشت کہتے ہیں اور اگر مراتبِ وجوب میں پہنچ کر دوامِ حضور حاصل کرے تو اس کو یادداشت کہتے ہیں۔

بیلنہ نمبر ا واضح ہو کہ مذکورہ بالا مقاصد کا حصول، محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی عنایت پر موقوف ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ کسی شیخ کامل کی صحبت اور تربیّت میں رہ کر یہ دولتِ عظمیٰ حاصل کرے۔ محض خلوتوں، اربعین وعشروں (چالیس روزہ و دس روزہ چلّوں) سے دُرِّ مقصود حاصل نہ ہوگا۔ ہمارے مشائخ رحمھم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرز پر ہمارا طریق، صحبت ہے نہ کہ خلوت۔ کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے حضرات نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم نے کام کی بنیاد جمعیّت وحضور پر رکھی ہے، یہ حضرات، غیبی شکلوں اور صورتوں پر متوجہ نہیں ہوتے کشوف وکرامات وانوار کی زیادہ

پرواہ نہیں کرتے اور طالب کو چار چیزوں کے حاصل کرنے کی رغبت دلاتے ہیں اور وہ چار چیزیں یہ ہیں ۔

ترجیہاتِ اربعہ ۱۔جمعیّت ۲۔حضور ۳۔جذبات ۴۔واردات

جمعیّت حریمِ دِل میں فضول خیالات اور باطل وسوسوں کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور ماسوا اللہ کا خیال بالکل ہی دُور ہو جائے ۔

حضور دِل ہر وقت اور ہر حال میں مبداء فیاض کی طرف متوجہ رہے ۔ سوتے، جاگتے، خاموشی میں یا بات چیت کے دوران، غصہ میں یا نرمی میں کَاَنَّہٗ یَرَی اللّٰہَ یعنی گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے کا مصداق ہو جائے ۔

جذبات لطائف کی کشش اپنے اصول کی طرف ہو اور وہاں سے دوسرے اصولوں کی طرف وَھَلُمَّ جَرًّا مِنَ الْاُصُوْلِ اِلٰی اُصُوْلِھَا اِلٰی اَنْ یَّبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَہٗ، یعنی اسی طرح ایک اصول سے دوسرے اصول کی طرف بڑھتا جائے مرتے دم تک ۔

واردات اُوپر کی جانب سے قلب پر ایک فیضان ایسا ہوتا ہے جس کی تاب لانا اور برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے ۔

نمبر۲ معلوم رہے کہ جہتِ فوق کی رعایت، شرف کی وجہ سے اور اس جانب میں توجہ بلند کرنے کی عادت کی وجہ سے ہے ورنہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو دائرہ جہات سے باہر تلاش کرنا چاہیئے اور طریقت میں اس واردات کو عدم اور وجودِ عدم کہتے ہیں ۔ شروع میں دلِ سالک پر کبھی مہینے میں یہ ورود ہوتا ہے پھر ہفتے عشرے میں، رفتہ رفتہ روز و شب میں ایک آدھ بار پھر کچھ دن گزرنے کے بعد متواتر ہوتا رہتا ہے ۔ یہاں تک کہ اتصال تک پہنچ جاتا ہے[1]۔

---

[1] مدارج الخیر ملخصاً ص۸

دفتر اوّل مکتوب ۶۱

مکتوب الیہ

حضرت سیّد محمود رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

شیخ کامل کی تعریف اور اس کی علامات

اقسام فنا

مکتُوب - ۶۱

شیخِ کامل اور اقسامِ فنا

متن التفات نامۂ گرامی مشرّف ساخت چون مُنبِیٔ از طلَب و شوق و مُشعِر از درد و تعطّش بود در نظر بسیار زیبا درآمد چه طلب مُبَشِّر حصولِ مطلوب است و درد مقدمۂ وصول بمقصود

ترجمہ: آپ کا التفات نامہ وصول ہوا چونکہ طلب اور اشتیاق کی خبر دینے والا اور درد و تشنگی کا پتہ دینے والا تھا نظر میں بہت ہی پسند آیا کیونکہ طلب، حصولِ مقصود کی بشارت دیتی ہے۔

شرح

مکتوبِ گرامی کی ابتداء میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ نے طلب اور درد و شوق کی اہمیت واضح فرمائی ہے۔ دراصل وصول الی اللہ کے لیے سب سے پہلی شرط طلبِ صادق اور درد و شوق ہی ہے جو سالک کے لیے منزلِ مقصود تک پہنچنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دولتِ عظمیٰ انسان کو ودیعت فرمائی، اور فرشتے گو اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار، عابد اور ساجد ہیں مگر درد و طلب کی یہ نعمت ان کے حصّے میں بھی نہیں آئی مولانا روم مست بادۂ قیوم قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست
درد را جز آدمی درخورد نیست

صوفیائے کرام کے نزدیک آیت کریمہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1] میں امانت سے درد و شوق ہی مراد ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

لیکن یاد رہے کہ یہ طلب اور درد و شوق محض عنایت خداوندی ہے۔ ان کا حصول اور باقی رہنا اللہ کے فضل پر موقوف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل دستگیری نہ فرمائے تو یہ دولت حاصل نہیں ہوسکتی۔ کسی نے کیا خوب کہا:

میری طلب بھی ہے ان کے کرم کا صدقہ
قدم یہ اٹھتے نہیں اُٹھائے جاتے ہیں

اس کیفیّتِ درد و شوق کی محافظت کے لیے حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ نے دو طریقے بیان فرمائے ہیں۔

اوّل: اس نعمت کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا

دوم: اس کیفیّت کے باقی رہنے کے لیے بارگاہِ خداوندی میں التجا و زاری کرتے رہنا ہے جیساکہ آیت کریمہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ[2] اور حدیث مبارکہ فَاِنْ لَمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا[3] اس امر پر شاہد ہیں۔

متن این محافظت تا زمانِ وصول بشیخ کامل مکمّل است بعد ازان تفویضِ مرادات خود است بآن بزرگ و در رنگِ میّت شدنست در دستِ غسّال فناءِ اوّل فنائی فی الشیخ است و آن فناء ثانیاً وسیلۂ

---

[1] الاحزاب ۷۲ [2] ابراہیم ۷ [3] ابن ماجہ ص ۹۶

فنا فی اللّٰہ می گردد

ترجمہ: درد و طلب کی یہ محافظت شیخ کامل مکمّل کے ملنے تک ہے اس کے بعد اپنی تمام مرادیں شیخ کے سپرد کر دینی چاہییں اور اس کی خدمت میں مردہ بدستِ غسّال (غسل دینے والا) کی طرح ہو جانا چاہیئے۔ پہلی فناء فانی فی الشیخ ہے اور یہی فناء پھر فناء فی اللّٰہ کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

شرح

حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس درد و طلب کی امانتِ عظمیٰ کی محافظت، سالک کو آخر وقت تک کرنی چاہیئے تاآنکہ اس کو شیخ کامل اور مکمل تک رسائی حاصل ہو جائے۔ جب شیخ کامل میسّر آجائے تو اپنی تمام مرادیں اور سارے معاملات اس کے سپرد کر دینے چاہییں اور خود شیخ کے سامنے اس طرح بے اختیار و مطیع ہو جائے جس طرح مردہ غسل دینے والے کے ہاتھوں میں بے اختیار ہوتا ہے اور اپنی تمام خواہشات کو ترک کر کے شیخ کامل کی رضا کے تابع ہو جائے، اس کی رضا کو اللّٰہ تعالیٰ کی رضا سمجھے اور اس کی ناراضگی میں اللّٰہ تعالیٰ کی ناراضگی سمجھے۔ حصول فیض کے لیے تسلیم و انقیاد ہی پہلی منزل ہے۔ اہل طریقت کے نزدیک اس کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ[1] اور اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ[2] کے مطابق صحابہ کرام رضی اللّٰہ عنہم نے عملی نمونہ بن کر دکھا دیا۔ نیز آیت مبارکہ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ[3] میں حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حصولِ علم و فیض کیلیے تسلیم و اطاعت پر اور اعتراض نہ کرنے پر پابند

---

[1] آل عمران ۳۱ [2] النسآء ۵۹ [3] الکہف ۷۰

رہنے کی تاکید فرمائی۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

چوں گرفتی پیر را تسلیم شو
ہم چو موسیٰ زیرِ حکم خضر رو

نیز چونکہ شیخ کامل، مریدوں کے درمیان نبوّت کی وراثت کے طور پر نبی کا قائم مقام ہوتا ہے لہٰذا شیخ کے آداب بھی آدابِ نبوّت کی نہج پر استوار کرنے چاہییں۔ مشائخ نے اپنی کتابوں میں یہ روایت نقل فرمائی ہے اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِهٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِهٖ شیخ اپنے مریدوں کے درمیان اسی طرح ہوتا ہے جس طرح نبی اپنی اُمت کے درمیان۔ لیکن یہ حقیقت ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ آداب شیخ کامل کے ہیں، شیخ ناقص اور گندم نما جَو فروش، خلاف شرع پیروں اور ملنگوں کے لیے یہ آداب ہرگز نہیں اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر کامل شیخ کی تعریف اور اس کی علامات بیان کر دی جائیں۔

شیخ کامل : شیخ کامل وہ ہوتا ہے جو

۱۔ عالمِ ربانی ہو اور اہلسنّت کے معتقدات پر یقین رکھتا ہو۔

۲۔ متّبعِ سنّت اور پابندِ شریعت ہو۔

۳۔ صاحبِ اجازت و خلافت ہو۔

۴۔ اس کا شجرۂ طریقت مستند و متّصل ہو۔

۵۔ مرتبۂ احسان پر فائز ہو اور صاحبِ مشاہدہ ہو۔

۶۔ اپنے سلسلۂ طریقت کا سلوک طے کر چکا ہو۔

۷۔ خود بھی کامل ہو اور دوسروں کو بھی کامل بنا سکے۔

حضرت امامِ ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

عِلم بہ تفصیلِ احوال و مَقامات و معرفت بہ حقیقتِ مشاہدات و تجلّیات و حصولِ کشوف والہامات و ظہورِ تعبیراتِ واقعات از لوازمِ این مقامِ عالی است

(وَبِدُوْنِهَا خَرْطُ الْقَتَادِ)[1]

یعنی احوال و مقامات کا تفصیلی علم اور معرفت، مشاہدات و تجلیات کی حقیقت جاننا اور کشف و الہامات کا حصول اور واقعات کی تعبیرات کا ظہور اس بلند مقام کے لوازمات سے ہے۔

شیخِ ناقص وہ ہوتا ہے جس نے سلوک طے نہ کیا ہو، سنّت و شریعت کا پابند نہ ہو اور مذکورہ آداب و شرائط پر پورا نہ اترے ایسے شیخ ناقص کی مثال نیم حکیم جیسی ہے۔ اس کی صحبت زہرِ قاتل ہے۔ اس سے طریقہ اخذ کرنا اپنی استعداد و صلاحیت کو ضائع کرنا ہے۔ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دست نباید داد دست

شیخ ناقص دراصل وصول الی اللہ کی راہ میں رکاوٹ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طلب اور درد و شوق میں فتور کا سبب بنتا ہے ایسے شیخ ناقص کی صحبت اور بیعت سے دور رہنا چاہیئے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیتا ہے۔

اقسامِ فنا

وصول الی اللہ کے لیے شیخ کامل کی صحبت و ملازمت، بنیادی ارکان میں سے ہے کیونکہ شیخ کی محبت و اطاعت، اہل طریقت کے نزدیک وصول الی اللہ کا مقدمہ ہے، مرید کو چاہیئے کہ تصوّرِ شیخ کو اس قدر پختہ بنائے کہ فناء فی الشیخ کی منزل تک جا پہنچے۔ فنائے اوّل، فناء فی الشیخ ہے۔ اور پھر یہی فناء فناء فی اللہ کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

---

[1] دفتر اول مکتوب ۲۲۴

فنا کا معنیٰ و تعریف فنا کا لغوی معنیٰ ختم ہو جانا ہے لیکن اربابِ طریقت کے ہاں یہ ایک اصطلاح ہے جس کا معنیٰ اوصافِ مذمومہ کا سقوط اور اخلاقِ محمودہ کا وجود ہے چنانچہ فاضلِ اجل حضرت سیّد شریف جرجانی قدّس سرّہٗ رقمطراز ہیں عَدَمُ الْاِحْسَاسِ بِعَالَمِ الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ وَھُوَ بِالْاِسْتِغْرَاقِ فِیْ عَظْمَةِ الْبَارِیْ وَمُشَاھَدَةِ الْحَقِّ وَاِلَیْهِ اَشَارَ الْمَشَائِخُ بِقَوْلِهِمِ الْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِی الدَّارَیْنِ[1]

یعنی مشاہدۂ حق اور عظمتِ باری (تعالیٰ) میں اس درجہ استغراق کہ عالمِ ملک و ملکوت کا بھی احساس نہ رہے فنا کہلاتا ہے مشائخ کرام نے اپنے قول اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِی الدَّارَیْنِ (فقر دارین میں سیاہ روئی کا نام ہے) میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اہلِ طریقت نے فنا کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ فناء فی الشیخ فرطِ محبّت کی وجہ سے شیخ کے تصوّر میں اس طرح گم ہو جانا کہ اس کے اپنے حواس پر شیخ کی شکل و صورت اور حرکات و سکنات کا غلبہ ہو جائے اور اپنی ہستی کو بھول جائے یہاں تک کہ شیخ کی صورت و سیرت کے سانچے میں ڈھل جائے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جیساکہ حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ فناء فی الشیخ کے مرتبے میں اس قدر مغلوب ہو چکے تھے کہ صورت و سیرت کے اعتبار سے جمالِ نبوّت کا آئینہ دار بن گئے اور ہجرت کے موقعہ پہ اہلِ مدینہ کے لیے آقا اور غلام میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا تھا۔[2]

---

[1] کتاب التعریفات [2] بخاری ص۵۵۵ ج۱

۲۔ فناء فی الرسول عشق رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات اور اتباع سنّت کے غلبے کی وجہ سے سالک کا اوصاف و کمالاتِ نبوّت کا وارث اور آئینہ دار ہو جانا فناء فی الرسول کہلاتا ہے۔

۳۔ فناء فی اللہ دورانِ سلوک تجلیاتِ الٰہیہ میں اس درجہ استغراق و استہلاک کہ سالک کو اپنی ہستی کی ہوش نہ رہے اور ماسوی اللہ کا نسیان ہو جائے اور حظوظِ نفسانی سے مکمل نجات مل جائے فناء فی اللہ کہلاتا ہے۔

فنا کی ان اقسامِ ثلاثہ کے متعلق حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

پیر نگر کو آکے نبی نگر کو جا
نبی نگر میں بیٹھ کے درشن یار کا پا

واضح رہے کہ شیخ فیوض کا واسطہ ہے جب تک واسطہ درست نہ ہو گا مطلب بلند تک راستہ کس طرح پائے گا پس فناء فی الشیخ کے بغیر فنا فی اللہ حاصل ہونا مشکل ہے اور مرید کو چاہیئے کہ اپنے ارادے کو اپنے شیخ کے ارادہ کے تابع کرے اور اپنے آپکو پوری طرح اس کے سپرد کر دے اور اسکی صحبت میں کَالْمَیِّتِ بَیْنَ یَدَیِ الْغَسَّالِ ہو جائے۔ اور یہ معنی تمام طریقوں میں درکار ہے خاص طور پر ہمارے طریقہ میں کیونکہ اس طریقہ عالیہ میں افادہ و استفادہ انعکاسی ہے اور صحبت پر موقوف ہے۔ پس شیخِ مقتدا کے ساتھ مناسبت کے اسباب جس قدر زیادہ رکھتا ہو گا صحبت کی تاثیر اسی قدر زیادہ ہو گی اور فیض اخذ کرنے کا راستہ اسی قدر کشادہ ہو گا۔ ہاں اگر کوئی شخص اویسی ہو۔ ظاہری پیر کا محتاج نہ ہو اور صرف عنایتِ الٰہی اس کے حال کی کفالت کرنے والی ہو تو ممکن ہے کہ فنا فی الشیخ کے بغیر اس کو فنا فی اللہ حاصل ہو جائے۔[1]

---

[1] مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۵۰

دفتر اوّل مکتوب ۶۲

مکتوب الیہ

حضرت مرزا حسام الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ

موضوع

وصول الی اللہ کے دو راستے

مکتوب ۔ ۶۲

وصول الی اللہ کے دو راستے

متن طریقۂ وصول را دو جزو است جذبہ و سلوک و بعبارت دیگر تصفیہ و تزکیہ جذبہ کہ مقدّم بر سلوک است از مقاصد نیست و تصفیہ کہ پیش از تزکیہ است از مطالب نہ جذبہ کہ بعد از تمامی سلوک است و تصفیہ کہ بعد از حصولِ تزکیہ است کہ در سیر فی اللہ است از مقاصدِ مطلوبہ است۔

ترجمہ: وصول الی اللہ کے طریقہ کے دو جز ہیں جذبہ اور سلوک یا دوسرے لفظوں میں تصفیہ اور تزکیہ۔ جو جذبہ سلوک پر مقدم ہے وہ اصلی مقاصد میں سے نہیں اور جو تصفیہ تزکیہ سے پہلے ہوتا ہے وہ بھی اصلی مطالب میں سے نہیں ہاں وہ جذبہ جو سلوک کے بعد ہوتا ہے اور وہ تصفیہ جو تزکیہ حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے جو کہ سیر فی اللہ میں ہے البتہ وہ مقاصدِ مطلوبہ میں سے ہے۔

شرح

حضرت امامِ ربّانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ و تقدّس کی بارگاہ تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ جذبہ اور سلوک۔

جذبہ اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم سے سیرِ عروجی کے ذریعے قربِ الٰہی کے مراتب طے کرنے اور لطائف کے عالمِ امر کی طرف اور عالمِ امر سے عالمِ وجوب کی طرف

متوجہ رہنے کا نام جذبہ ہے۔

سلوک ذِکر و عبادت، توبہ و انابت اور مجاہدہ و ریاضت کے ذریعے قرب و وصل کی منزلیں طے کرنے کو سلوک کہتے ہیں۔

آیت کریمہ اَللّٰہُ یَجْتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ[1] میں اسی مفہوم کی طرف دلالت موجود ہے۔ اجتباء میں جذبے کی طرف اشارہ ہے اور اھتدأ میں سلوک کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

تصفیہ و تزکیہ جذبہ سے تصفیہ حاصل ہوتا ہے اور سلوک سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے تصفیہ عالِم امر سے عالم وجوب کی طرف توجہ کا نام ہے اور تزکیہ عالم خلق سے عالم وجوب کی طرف توجہ اور عالم وجوب کی تجلّیات سے مزیّن ہونے اور رذائل سے پاک ہونے کا نام ہے۔ جذبہ کی دو قسمیں ہیں۔

جذبۂ بدایت   جذبۂ نہایت

جذبۂ بدایت جذبۂ بدایت کا دوسرا نام اندراج النّہایت فی البدایت ہے جو سلسلہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے اور سالک کے مقامِ قلب یعنی فنا تک پہنچنے کے لیے معاون ثابت ہوتا ہے۔

جذبۂ نہایت جب سالک اپنے اسم مربّی اور مبداءِ فیض تک باریابی حاصل کرلیتا ہے تو نفس مزکّی ہوکر نزول کرتا ہے جب کہ روح عروج کرتی ہے۔ وہ جذبہ جو روح کو نزولِ نفس کے بعد عروج دیتا ہے جذبۂ نہایت کہلاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جذبۂ نہایت روح کا خاصہ ہے جب کہ جذبۂ بدایت نفس اور روح وغیرھا تمام لطائف کو اجتماعی طور پر عروج میں مدد دیتا ہے جذبۂ نہایت سلوک طے کرلینے کے بعد ملتا ہے جو سب سلاسلِ طریقت کا مشترکہ خاصہ ہے۔

---

[1] الشوریٰ ۱۳

بیّنہ حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ نقشبندی سلسلہ میں سالک کو سلوک طے کرنے سے پیشتر جو جذبہ (جذبۂ بدایت) دیا جاتا ہے وہ جذبہ حقیقتاً جذبہ نہیں بلکہ صورتاً جذبہ ہے اور یہ اصل مقاصد میں سے نہیں۔ حقیقی جذبہ جو اصل مقاصد میں سے ہے وہ جذبۂ نہایت ہی ہے جو کہ تمام سلاسلِ طریقت میں سلوک طے کر لینے کے بعد سیر فی اللہ میں عطا کیا جاتا ہے۔

سیرِ فی اللہ یہ سُیورِ اربعہ میں سے دوسری سیر ہے جہاں سالک، مقام فنا کی تکمیل کے بعد مقامِ بقا حاصل کرتا ہے اور اس کی ولایت کو ولایتِ کبریٰ کہتے ہیں (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

دفتر اوّل مکتوب ۶۳

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت **شیخ فرید بخاری** رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

ضرورت نبوّت ۔ اصولِ دین

انبیاء کے متفقہ کلمات

مکتوب - ۶۳

متن این بزرگواران در اصولِ دین مُتّفِق اند کلمۂ ایشان واحد ست در ذات وصفات تعالیٰ وتقدس وحشر ونشر وارسالِ رُسُل ونزولِ مَلَک ووُرودِ وحی ونعیمِ جنّت وعذابِ جحیم بطریقِ خلود و تابید اختلافِ ایشان در بعضِ اَحکام ست کہ بفروعِ دین تعلّق دارد

ترجمہ: یہ بزرگ (انبیائے کرام علیہم السلام) اصولِ دین میں متفق ہیں اور حق تعالےٰ کی ذات وصفات، حشر ونشر، رسولوں کے اِرسال، فرشتوں کے نزول، وحی کے وارد ہونے، جنت کی نعمتوں اور عذابِ دوزخ کے دائمی وابدی ہونے کے بارے میں ان سب کا مؤقف متّفق ہے اور ان کا اختلاف صرف ان بعض احکام میں ہے جو دین کے فروع سے تعلق رکھتے ہیں۔

شرح

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ نے جو عقائد بیان فرمائے ہیں

وہ نہایت واضح اور شریعتِ حقّہ کے دلائل سے ثابت ہیں اس لیے اس مکتوب کی زیادہ شرح کی چنداں حاجت نہیں تاہم نمونہ کے طور پر اس مکتوب گرامی سے چند باتوں کی شرح درج ذیل ہے۔

۱۔ ضرورتِ نبوت ۲۔ اصولِ دین ۳۔ انبیاء کے متفقہ کلمات

ضرورتِ نبوّت تخلیق انسانی کا مقصدِ وحید اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے مگر معبود و عبد کے درمیان عدمِ مناسبت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو وسیلہ بنایا جو ظاہری طور پر مخلوق میں شامل رہتے تھے اور باطنی طور پر حق تعالےٰ سے واصل رہتے تھے اور خالق و مخلوق کے درمیان بطور رابطہ کا کام سرانجام دیتے رہے۔ مزید برآں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کا تعارف بھی انہی حضرات کے ذریعے کروایا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "لَوْلَاکَ لَمَا اَظْهَرْتُ الرَّبُوْبِیَّۃَ"[1] کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور کُتبِ سماویہ اور احکام شرعیہ کی تشریح و تبلیغ کے لیے انہی حضرات کو منتخب فرمایا نیز انہی نفوسِ قدسیہ کے طفیل ان کی امتوں کو عذابِ جہنم سے دائمی نجات بخشی اور ماسوی اللہ کی گرفتاری سے آزادی عطا فرمائی۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ جن لوگوں نے بھی وسیلۂ نبوت کے بغیر خالق کی تلاش کی وہ مظاہر پرستی کا شکار ہو گئے (جیسے مختلف قومیں نبوّت کا دامن چھوڑ کر اصنام پرستی، کواکب پرستی اور گوسالہ پرستی وغیرہا میں مبتلا ہو گئیں) نیز جس طرح خارجی و داخلی اُمور و معانی کا ادراک حواسِ خمسہ اور عقل کے بغیر مشکل ہے اسی طرح امورِ غیبیہ کا ادراک، واسطۂ نبوّت کے بغیر ناممکن ہے۔ حشر و نشر، جنت و جہنم، حساب و کتاب اور دیگر امورِ غیبیہ بلکہ خود ذاتِ باری تعالیٰ (جو غیب الغیب ہے) کا علم بھی وسیلۂ نبوّت کے بغیر محال ہے۔ جیسا کہ آیۃ کریمہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ[2] سے ظاہر ہے۔

---

[1] تخریج کے لیے البیّنات شرح مکتوبات جلد اول مکتوب ۴ ملاحظہ فرمائیں [2] الاخلاص: ۱

اصولِ دین حضرت امام ربّانی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جملہ انبیاء کرام و رسل عظام علیہم السّلام اصولِ دینیہ (ذات وصفاتِ باری تعالیٰ، نبیوں اور رسولوں کی بعثت، ملائکہ کا نزول، وحی کے وارد ہونے، جنت کی نعمتوں اور عذابِ جہنم کے دائمی ہونے) میں متفق تھے جیسا کہ آیت کریمہ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ[1] سے واضح ہے ہاں بعض فروعی احکام میں باہم مختلف تھے تاکہ ان کی اُمتوں کے لیے معاشرتی حالات اور جغرافیائی تقاضوں کے مطابق دین فطرت کو قبول کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا آسان رہے۔

بلینہ نمبر ۱ حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں جو نسخ واقع ہوتا رہا وہ بعض حکمتوں پر مبنی تھا اسی طرح قرآن پاک جو ہر قسم کے تضاد و تعارض سے پاک ہے میں بھی بعض احکام کا نسخ یا تبدیلی یا کسی حکم کا ایک خاص وقت کے لیے نازل فرمانا اللہ تعالیٰ کی خاص حکمتوں پر مبنی تھا جب وہ مدت پوری ہوگئی تو اس نے اس مدتِ عمل کے اختتام کو بیان فرما دیا۔ اسی کو نسخ کہتے ہیں۔ اس سے کسی حکم کے ناقص ہونے یا شارع کی لاعلمی کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ کے علم و حکمت کا کمال ثابت ہوتا ہے۔

بلینہ نمبر ۲ جس طرح "امورِ تکوینیہ" میں تغیّر و تبدل ہوتا رہتا ہے اسی طرح "امورِ تشریعیہ" میں بھی تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ جس طرح "احکامِ تکوینیہ" کے تغیر و تبدل پر کسی کو مجالِ اعتراض و انکار نہیں ایسے ہی احکامِ شرعیہ میں حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسّلام کسی مصلحت و حکمت کے پیشِ نظر اگر کسی حکم کے منسوخ یا تبدیل ہونے کا حکم سُنا دیں تو اس میں بھی کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے۔

---

[1] النسآء ۱۶۳

متن واز جملۂ کلماتِ متفقّہ این بزرگواران نفیِ عبادَ غیرِ حق ست سبحانہ، ومنعِ اشتراک است با اُوتعالیٰ وتقدس وناگرفتنِ بعضے مخلوقاتست

ترجمہ: اور ان بزرگوں (انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے متفقہ کلمات میں سے چند یہ ہیں۔ غیرِ حق سبحانہ کی عبادت کی نفی کرنا اور حق تعالیٰ کے ساتھ شرک کی ممانعت کرنا اور مخلوق میں سے کسی کو اپنا معبود نہ بنانا۔

شرح

زیرِ نظر سطور میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ نے انبیاء کرام علیہم السّلام کے کے تین متفقّہ کلمات بیان فرمائے ہیں:

۱۔ توحیدِ باری تعالیٰ ۲۔ انبیاء کرام کی بشریّتِ مطہرہ ۳۔ معصومیّتِ ملائکہ

توحیدِ باری تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السّلام نے اپنی امتوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے "وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ" ہونے اور غیر اللہ کی عبادت کے عدمِ استحقاق کا بنیادی نظریہ پیش فرمایا اور اس عقیدہ کا اعلان بھی انہی حضرات کے کے ساتھ مخصوص رہا جیسا کہ آیت کریمہ "قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا"[1] سے واضح ہے ان کے بعد ان کے متبعین بھی اسی عقیدہ کا پرچار کرتے رہے جب کہ منکرینِ نبوّت اگر حق تعالیٰ کی وحدانیّت کے قائل ہوئے یا تو محض مسلمانوں کی دیکھا دیکھی یا پھر حق تعالیٰ سبحانہ کی

---

[1] آل عمران ۶۴

وحدانیت کو تو مانتے رہے مگر غیر اللہ کو بھی عبادت کا حق دار سمجھتے رہے ہیں۔ جب کہ مسلمان حق تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک بھی مانتے ہیں اور اسے ہی مستحقِ عبادت جانتے ہیں اور کلمہ طیبّہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اقرار و تکرار سے اپنے عقیدہٗ توحید کا اظہار و اعلان کرتے ہیں۔

انبیائے کرام کی بشریّتِ مطہّرہ

حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رشد و ہدایت کے لیے جملہ انبیاءِ کرام کو صورتِ بشری میں مبعوث فرمایا جیسا کہ آیت کریمہ "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ"[1] میں اسی حقیقت کا بیان ہے اور آیت کریمہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ[2] بھی اسی مفہوم کی غماز ہے تاکہ فیوض و برکات کے اِفادہ اور استفادہ میں آسانی رہے جب کہ فرشتوں کی نورانیّت و لطافت اور انسانوں کی بشریّت و کثافت اور باہمی عدمِ مناسبت کی وجہ سے اخذِ فیض مشکل امر تھا اس لیے کسی بھی فرشتے کو منصبِ نبوّت عطا نہیں فرمایا گیا۔ رسُول کی تعریف میں علمائے عقائد نے یوں تصریح فرمائی ہے۔

"اَلرَّسُوْلُ اِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَى الْخَلْقِ لِتَبْلِيْغِ الْاَحْكَامِ"[3]

ترجمہ: یعنی رسول اس عظیم انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ تبلیغِ احکام کے لیے خلق کی طرف مبعوث فرماتا ہے۔

بینہ نمبر ۳ نبی اور رسُول میں فرق یہ ہے کہ رسول، صاحبِ کتاب و شریعت ہوتا ہے جب کہ نبی کے لیے یہ ضروری نہیں۔

بینہ نمبر ۴ واضح رہے کہ حضور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بشریّتِ مقدسہ کا انکار جائز نہیں کیونکہ یہ مسئلہ نصِ قطعی سے ثابت ہے اور آپ کی نورانیّت کا مسئلہ دلائلِ ظنیّہ سے ثابت ہے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بشریّت بھی بے مثل تھی اور

---

[1] النحل ۴۳ [2] الکہف ۱۱۰ [3] شرحِ عقائدِ نسفی ص ۱۴

نورانیّت بھی بے مثل۔ اہلِ اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف قابلِ افسوس ہے اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو حق پر استقامت عطا فرمائے۔

معصومیّتِ ملائکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق اور معزّز بندے ہیں جو گناہوں سے مطلق معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں، انکی معصومیّت کا راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہ کرنیوالے اسباب و عوارض سے قطعاً پاک پیدا فرمایا ہے وہ گناہ کر سکتے ہی نہیں۔ وہ خدائی حکم کی تعمیل کے لیے ہمہ وقت تیار اور جذبۂ اطاعت سے سرشار رہتے ہیں جیسا کہ آیت کریمہ "لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ" [1] سے عیاں ہے۔ نفسانی خواہشات خورد و نوش وغیرہا سے مبرّا اور تذکیر و تانیث سے منزّہ ہیں۔ دُنیا میں احکامِ الٰہیہ کی تنفیذ اور امورِ مختلفہ کی تدبیر پر مامور ہیں فرشتے وحی الٰہی کے امین اور کلامِ ربّانی کے حاملین ہیں۔

مَلَک کی تعریف میں علمائے کرام نے یوں تصریح فرمائی ہے:

" هُوَ جِسْمٌ لَطِيْفٌ نُوْرَانِيٌّ يَتَشَكَّلُ بِاَشْكَالٍ مُخْتَلِفَةٍ سِوَى الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيْرِ لَا يُذَكَّرُ وَلَا يُؤَنَّثُ"

یعنی فرشتہ وہ لطیف نورانی جسم ہے جو کتّے اور خنزیر کے علاوہ ہر شکل و صورت میں متشکل ہو سکتا ہے نہ وہ مذکر ہے نہ مؤنث۔

---

[1] التحریم ۶

دفترِ اوّل مکتوب ٦٤

مکتوب الیہ

سیادت پناہ حضرت شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ

موضوع

لذت والم کی اقسام

مکتوب - ۶۴

متن در این نشأۃ کہ روح بمقامِ جسم تنزّل نمودہ است

ترجمہ: اس جہاں میں روح، جسم کے مقام میں اُتری ہوئی ہے۔

شرح

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امامِ ربّانی قدس سرہٗ ارشاد فرما رہے ہیں کہ عالمِ ارواح کی عالمِ اجسام سے قبل آفرینش ہوئی تھی دراصل یہاں آپ ایک روایت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے روح کو عالمِ اجسام سے چار لاکھ سال قبل تخلیق فرمایا تو وہ عالمِ قدس کی طرف متوجہ ہوئی مگر عالمِ قدس تک رسائی کو مجاہدہ و ریاضت کے ساتھ مربوط کر دیا گیا، لیکن امُورِ مجاہدہ جسم کے بغیر ممکن نہ تھے لٰہذا روح کو جسمِ انسانی میں اُتار کر مجاہدۂ نفس پر مامور کر دیا۔ سعادت مند ارواح مجاہدہ و ریاضت اور اطاعت و عبادت سے مشرّف ہوئیں تو اسے جسمانی و روحانی عالَم میں روحانی ارتقاء اور مقام حقیقت و معرفت تک وصل عطا فرما کر ممتاز کر دیا گیا مشائخِ طریقت کے نزدیک اُسے فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ؎

خاک شو خاک تا بروید گُل
کہ بجز خاک نیست مظہر گُل

لیکن پست فطرت، دُون ہمت ارواح نفسانی خواہشات اور جسمانی علائق سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکیں۔ اس لیے وہ لذتِ فنا، نعمتِ مجاہدہ اور رُوحانی ارتقاء سے محروم ہو گئیں اور اپنے وطنِ اصلی کو بھول گئیں حضرت شاہ شرف الدین قلندر قدس سرہٗ اس قسم کی ارواح کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

چند باشی از مقامِ خود جدا
چند گردی در بدر اے بے حیا

لذّت والَم کی اَقسام

حضرتِ امامِ ربّانی قدس سرہٗ نے لذّت والَم کی دو دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

لذّت کی دو قسمیں:

لذّتِ جسمانی اور لذّتِ روحانی

۱- **لذّتِ جسمانی** جب جسم، عیش وآرام، راحت وچین اور طغیان وعصیان میں سرگرداں رہے تو اس قسم کی باطنی امراض سے پاک روح کو تکلیف ہوتی ہے جو اس کے عالمِ قدس کی طرف سیر وطَیر میں مانع ہوتی ہیں۔

۲- **لذّتِ روحانی** جب روح، بشری کدورتوں اور نفسانی شرارتوں سے چھٹکارا حاصل کرلے تو جسمانی تکلیف سے روح لذّت گیر ہوتی ہے کیونکہ روح اور جسم ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ نیز حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ کشفِ صحیح سے معلوم ہوا ہے کہ دنیوی آلام ونوائب اور جسمانی تکالیف ومصائب روحانی اِرتقاء اور باطنی نشوونما کا ذریعہ ہیں حادثاتِ زمانہ کڑوی دوا کی مانند ہیں جو بظاہر تلخ مگر حقیقت میں نفع بخش ہیں۔

اَلَم کی دو قسمیں: اَلَمِ جسمانی اور اَلَمِ روحانی

۱- **اَلَمِ جسمانی** احکامِ الٰہیہ جلّ سلطانہ کی تعمیل اور سنّتِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) کی متابعت سے نفسانی خواہشات کمزور اور ماند پڑنے سے جسم درد و

اَلَمْ محسوس کرتا ہے کیونکہ شریعت و سُنت کی پیروی جسم پر بڑی شاق اور گراں گزرتی ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ اِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ[1] سے واضح ہے۔

۲۔ الم روحانی جب انسان جاہ و منصب، ریاست کی طلب، تکبّر و حسد وغیرہا جیسی خواہشاتِ بشریہ اور نفسانی کدورات کی تکمیل کے درپے رہے تو اس سے روح کو اذیّت اور تکلیف ہوتی ہے۔

متن پس مقصود از خلقتِ انسان خواری اوست

ترجمہ: پس انسان کی پیدائش سے مقصود (خالق کائنات کے حضور) اس کی ذلّت ہے۔

شرح

اس جملہ میں حضرت امامِ ربانی قدس سرہٗ عاجزی و انکساری اختیار کرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں دراصل عجز و نیازمندی تکوینی احکام میں سے ہے جس کے تمام جن و انس مامور ہیں۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ[2] سے عیاں ہے آپ اپنا ایک کشف و مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عام دعوتوں میں مدعو لوگ طعام میں نقص اور میزبان کی عیب جُوئی کرتے ہیں جس سے میزبان خاطر شکستہ اور دل برداشتہ ہوجاتا ہے یہ دِل شکستگی طعام میں عدمِ اخلاص وغیرہا کی بنا پر پیدا ہونے والی ظلمت کے دور کرنے اور اس کی قبولیت کا ذریعہ بن جاتی ہے پس یہی انکساری و شکستگی اور عاجزی و بیچارگی تخلیقِ انسانی کا مقصود ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ[3] سے ثابت ہے۔

---

[1] البقرہ ۴۵ [2] البقرہ ۱۱۶ [3] الذاریات ۵۶

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

غالباً اسی غایتِ تذلّل اور نہایتِ عجز کی وجہ سے دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت اَلدُّنیا سِجنُ المُؤمِنِ[1] ...... الخ سے واضح ہے۔

[1] ابن ماجہ ۳۱۳

دفتر اوّل مکتوب ۶۵

مکتوب الیہ

خانِ اعظم حضرت **مرزا عزیز** رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

اسلام کی غربت اور مسلمانوں کی کسمپرسی پر اظہارِ افسوس

باہمی الفت طبعی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے

مکتوب - ۶۵

متن مخبرِ صادق عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّسْلِیْمَاتِ اَکْمَلُھَا فرمودہ است" اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ" غربتِ اسلام تا بحدّی رسیدہ است کہ کُفّار برملا طعنِ اسلام و ذمِّ مسلمانان می نمایند

ترجمہ: مخبر صادق علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہانے فرمایا۔

اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ (یعنی اسلام غریب (بے وطن و بے کس) ہی ظاہر ہوا اور عنقریب ایسا ہی ہو جائے گا جیسا کہ شروع میں تھا پس غریبوں کے لیے خوشخبری ہے (یعنی اس کی مدد کرنے والوں کیلیے) غربتِ اسلام اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کفار اعلانیہ اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔

زیرِ نظر مکتوبِ گرامی میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ اسلام کی غریب الوطنی، مسلمانوں کی کسمپرسی، کفار کی جرأت اور مسلمانوں کی مذمّت پر اظہارِ افسوس فرما رہے ہیں اور اہل اسلام کی تقویّت پر ترغیب اور احکامِ شرعیہ کے اجراء پر مکتوب الیہ کو تحریض دلا رہے ہیں کہ دینِ اسلام کی سطوت و شوکت کا غلبہ اور دبدبہ بذریعہ شمشیر ہی ہوا کرتا ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ کے مطابق رعایا بادشاہوں کی دیکھا دیکھی شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا ہوا کرتی ہے مگر اب بادشاہوں کی بے دینی کی وجہ سے معاملہ برعکس ہو گیا ہے۔ سلطنت کے رُکن رکین، بہادر اور دیندار ہونے کی وجہ سے اس مایوس کُن صورت حال میں آپ کا وجود ہمارے لیے غنیمت ہے اور ان نامساعد حالات میں ہماری نظر آپ پر ہے نیز اسلامی غیرت اور دینی حمیّت آپ کے اندر جنون کی حد تک موجود ہے اور یہ جنون کمالِ ایمان کی علامت ہے جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت لَنْ یُؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُقَالَ لَہٗ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ☆ سے واضح ہے اس لیے اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی حمایت کے اظہار و اعلان کو جہادِ اکبر سمجھیں اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کا نعرۂ مستانہ لگاتے ہوئے اس جہاد کو جہادِ قتال سے بہتر جانیں تاکہ اسلام کی عظمتِ رفتہ واپس لوٹ آئے اور مسلمان باعزت زندگی بسر کر سکیں۔

متن حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرّہٗ

☆**تخریجِ حدیث**:۔ حضرت امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے حصن حصین میں اس حدیث مبارکہ کو یوں نقل فرمایا ہے اکثروا ذکر اللہ حتّٰی یقولوا مجنون نیز ابن حبان، امام احمد بن حنبل اور ابو یعلیٰ نے اپنی مسانید میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

می فرمودند کہ اگر من شیخی کنم ہیچ شیخی در عالم مرید نیابد امّا مرا کارِ دیگر فرموده اند و آن ترویجِ شریعت و تائیدِ ملّت است

ترجمہ: حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں پیری و مرشدی کروں تو دُنیا میں کسی پیر کو کوئی مرید نہ ملے لیکن مجھے کسی اور کام کا حکم دیا گیا ہے اور وہ شریعت کی ترویج اور ملّت کی تائید ہے۔

شرح

سُطور بالا میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ نے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کا ایک قول نقل فرما کر مکتوب الیہ کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ چونکہ آپ کو خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے ساتھ نسبت وعقیدت ہے اور سلسلہ نقشبندیہ کے غوثِ اعظم خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قُدِّسَ سِرُّہٗ کا ارشاد ہے کہ ہمارا کام صرف پیری مریدی کرنا ہی نہیں اگر میں صرف پیری مریدی کروں تو تصرّف وجذب کے ذریعے ساری دُنیا کے مریدوں کو اپنی طرف کھینچ لوں کسی اور پیر کو کوئی مرید ہی نہ ملے مگر ہمارا کام شریعتِ اسلامیہ کی ترویج اور ملّتِ نبوّیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی تائید ہے۔ آپ شاہانِ وقت کی مجالس ومحافل میں تشریف لے جاتے اور تصرف فرما کر ان سے دینِ اسلام کی اشاعت کا کام لیتے تھے۔

حضرت امامِ ربّانی قُدّس سرّہٗ مکتوب الیہ کو تاکید فرما رہے ہیں کہ چونکہ آپ ایک باوقار شخصیت کے مالک اور اربابِ اقتدار میں سے مؤثر حیثیت کے حامل ہیں اسلئے بھرپور کوشش فرمائیں کہ کفار کی رسومات اور ان کے شعائر جو مسلمانوں میں در آئے ہیں

ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے تاکہ مسلمان ہندوانہ طریقوں سے بچ جائیں اور اسلامی شعائر کو اپنا لیں (واللہ الموفق)

متن واز محبت عزیزے کہ بواسطۂ مناسبتِ فطریت خبر نکند قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

مَنْ اَحَبَّ اَخَاہُ فَلْیُعْلِمْ اِیَّاہُ

ترجمہ: یعنی (آپکے ساتھ) طبعی محبت سے جو کہ فطری مناسبت کے طور پر آپ سے ہے مطلع نہ کرنا مناسب نہ سمجھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ اَحَبَّ اَخَاہُ فَلْیُعْلِمْ اِیَّاہُ یعنی جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی سے محبّت رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنی محبت کا اظہار اس پر کر دے

شرح

سطورِ بالا میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ خانِ اعظم کے ساتھ طبعی محبت کا اظہار فرما رہے ہیں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسلام کے احکام جاری کرنے اور کفار کا مقابلہ کرنے میں بڑے جرأت مند تھے آپ نے ان کی دلیری کو داد و تحسین پیش فرمائی ہے نیز فرمایا ہے کہ ہمارا دنیا میں آکر باہمی رشتۂ محبّت استوار نہیں ہوا بلکہ ہم آپس میں روزِ اوّل سے ہی محبّت کے بندھنوں میں بندھے ہوتے ہیں. جیساکہ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا.

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْھَا اِئْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنْھَا اِخْتَلَفَ [1]

یعنی عالم ارواح میں روحیں گروہوں کی صورت میں رہا کرتی تھیں۔ جن کی وہاں

---

[1] بخاری ص ۴۶۹ ج ۱

آشنائی ہوگئی وہ یہاں (دُنیا میں) بھی ایک دوسرے سے الفت کرتے ہیں اور جن کی وہاں نفرت ہوگئی تھی وہ یہاں بھی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے خلوص وللٰہیّت کے جذبہ سے سرشار اپنی بے لوث محبّت کا اظہار ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات مَنْ اَحَبَّ اَخَاہُ فَلْیُعْلِمْ اِیَّاہُ[1] کے مطابق فرما دیا ہے اور اپنے ذاتی مفاد کی بجائے دین اسلام کی ترویج واشاعت اور ملّت کی تائید وقوت کا کام خان اعظم سے لیا ہے تاکہ اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کی سطوت، ہیبت وعظمت کی دھاک کفار کے دلوں پر بیٹھ جائے۔

---

[1]

دفتر اول مکتوب ۶۶

مکتوب الیہ

خان اعظم حضرت مرزا عزیز رحمۃ اللہ علیہ

موضوع

طریقہ نقشبندیہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا طریقہ ہے

مکتوب - ۶۶

متن این طریق بعینہٖ طریقِ اصحابِ کرام است رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ترجمہ: یہ طریقہ بعینہٖ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے۔

شرح

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ طریقتِ نقشبندیہ کی فضیلت اور انکی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے ساتھ مناسبت بیان فرمارہے ہیں اور اس طریقہ کو بعینہٖ صحابہ کرام کا طریقہ قرار دیا ہے۔ چونکہ صحابہ کرام کو اتباعِ سُنّت اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت وصحبت کی برکت کی وجہ سے ابتداء ہی میں وہ کمال حاصل ہوجاتا تھا جو اولیائے امت کو نہایت میں پہنچ کر بھی بہت کم ہی میسّر آتا ہے یہاں تک کہ خیر التابعین حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ، اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ بھی وہ شرف وفضل حاصل نہ کرسکے جو صحابہ کرام کو حاصل ہوا جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ[1] (یعنی بہترین اُمت میرے صحابہ کرام ہیں ان کے بعد بہترین وہ لوگ ہیں جن کا زمانہ اُن سے ملتا ہے پھر ان کے بعد بہترین اُمّت وہ لوگ ہیں جن کا زمانہ اُن سے متّصل ہے۔) سے ثابت ہے۔

---

[1] صحیح بخاری ص ۵۱۵ ج ۱

مذکورہ بالاحدیث مبارک میں وارد کلمہ ثُمَّ نے دوسروں کے کام کو پیچھے ڈال دیا ہے کیونکہ یہ کلمہ جس طرح تراخیٔ زمانہ کے لیے آتا ہے اسی طرح تراخیٔ مرتبہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جس طرح صحابہ کرام ان مذکورہ بزرگوں سے افضل ہیں اسی طرح صحابہ کا طریقہ بھی تمام طرق سے افضل ہے. صحابہ کرام میں بالخصوص سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں لہٰذا ان کی نسبت بھی سب سے بلند ہے. طریقتِ نقشبندیہ چونکہ براہ راست سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے اور اس کا پہلا نام طریقہ صدّیقیہ ہے. اس طریقہ کو سلسلۃ الذّہب بھی کہتے ہیں. یہی وجہ ہے کہ دیگر سلاسلِ طریقت پر اس سلسلہ عالیہ کی فضیلت ایسے ہی ہے جیسے صحابہ کرام کے زمانہ کی فضیلت دوسرے زمانوں پر.
نیز جس طرح صحابہ کرام کی فضیلت، اتّباعِ سُنّت اور صحبتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کی برکت کی وجہ سے ہے ایسے ہی سلسلہ نقشبندیہ میں روحانی ارتقاء کا انحصار اتباعِ سُنّت اور شیخ کی محبت اور صحبت پر ہے جب کہ دیگر سلاسلِ مقدّسہ میں باطنی ترقّی کا دارومدار، ریاضت اور چلّوں پر موقوف ہے. عارف جامی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

از دلِ سالک رہ جاذبۂ صحبت شاں   می برد وسوسۂ خلوت وفکرِ چلّہ را

متن جماعۂ را کہ از کمال فضل در آغاز شربی ازان جام ارزانی دارند اطّلاع بر حقیقتِ کمالاتِ ایشان غیر ایشان را متعذّر است نہایتِ ایشاں فوق نہایت دیگران خواہد بود

ترجمہ وہ جماعت جس نے کمال فضل سے ابتداء ہی میں اس جام سے ایک گھونٹ پی لیا ہو ان کے کمالات کی حقیقت پر دوسروں کا مطلع ہونا مشکل ہے. ان کی نہایت دوسروں کی نہایت سے فوق ہوگی.

شرح

سطورِ بالا میں حضرت امام ربّانی قدّس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ وصول الی اللہ کے دو راستے ہیں۔ ١۔ سلوک کا رستہ ٢۔ جذب کا رستہ

حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے نقشبندیوں کو جذب کا رستہ عطا فرمایا ہے۔ خواجۂ خواجگان حضرت شاہ نقشبند قدس سرہٗ فرماتے ہیں ما فضلیا نیم جذبۃٌ جَذَبَتْنِیْ اِلَی اللّٰہ ہم فضلی ہیں اور وہ فضل جذبہ ہے۔ میں خدا تک فضل کے رستے پہنچا ہوں واضح ہے کہ دیگر سلاسل میں جذبہ، تکمیلِ سلوک کے بعد سیر فی اللہ میں عطا کیا جاتا ہے جب کہ سلسلہ نقشبندیہ میں جذبہ، سیر فی الاشیاء کے دوران ابتدا، ہی میں عطا کر دیا جاتا ہے اسی کو اندراج نہایت در بدایت کہتے ہیں۔ جن کی ابتداء کا یہ عالم ہے ان کی انتہا کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

ع قیاس کُن ز گلستانِ من بہار مرا

دفترِ اوّل مکتوب ٦٧

مکتوب الیہ

حضرت میرزا عبدالرحیم خانِ خاناں رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

قبض وبسط کی تعریفات

متشابہات کے بارے میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا موقف

مکتوب - ۶۷

متن

تلوینات احوال از لوازم صفتِ اِمکان است

جماعہ کہ بہ تمکین رسیدہ اند نیز از تلوین سرشتہ اند

ترجمہ: احوال کا تغیّر و تبدّل اِمکان کی صفت کے لوازمات میں سے ہے جو جماعت مرتبۂ تمکین تک پہنچی ہے تلوین ان کی سرشت میں بھی ہوتا ہے۔

شرح

اس مکتوبِ گرامی میں حضرت امام ربّانی قدس سرّہ نے خان خاناں کو بغرضِ اصلاح نصیحت فرمائی ہے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ خان خاناں نے اپنے کسی مکتوب میں حاکمانہ انداز اپنایا تھا جیسا کہ آئندہ مکتوب میں اس امر کی وضاحت موجود ہے جس پر حضرت امام ربّانی قدس سرّہٗ کی غیرتِ فاروقی جوش میں آئی تو آپ نے اس کی اصلاح و فلاح کے لیے حدیث مبارکہ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ[1] کے مطابق یہ مکتوب تحریر فرمایا کہ حق تلخ اور کڑوا ہوتا ہے اگرچہ کم ہی ہو جیسا کہ مقولہ اَلْحَقُّ مُرٌّ وَلَوْ کَانَ دُرٌّ سے واضح ہے لیکن خوش بخت ہے وہ شخص جو اپنی اصلاح و تربیت کی خاطر اس تلخی کو شہد سمجھ کر پی جائے اور مسرور ہو کر ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کا نعرہ لگائے۔

نیز یہ کہ حق تعالیٰ واجب الوجود لایزال کی شان یہ ہے کہ وہ تغیّر و تبدّل سے پاک ہے جیسا کہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ سے عیاں ہے جب کہ سالک کے احوال و کیفیّات ہمیشہ بدلتے

---

[1] مسلم ص۵۴ ج۱

رہتے ہیں خواہ وہ تکمیلی مراتب میں مرتبۂ تمکین تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے کیونکہ تلوین ممکن کی سرشت میں شامل ہے وہ کبھی کیفیتِ غم و انقباض سے دوچار ہوتا ہے اور کبھی کیفیتِ سرور و انبساط سے سرشار۔ اس پر کبھی تو صفاتِ جلالیہ کا ورود ہوتا ہے اور کبھی صفاتِ جمالیہ کا نزول اور ہر کیفیت کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں لامتناہی تجلّیات کے نزول کی وجہ سے جو کیفیت ایک دفعہ آتی ہے پھر کبھی نہیں آتی جیسا کہ حدیث مبارکہ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ یُقَلِّبُهَا کَیْفَ یَشَآءُ☆ (مومن کا دل خدائے رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اسے جیسے چاہتا ہے پھیرتا ہے) میں صراحت فرمائی گئی ہے۔ سالک پر جب تجلّیاتِ جمالیہ کا پرتو پڑتا ہے تو وہ ہر حقیر و ذلیل مخلوق کا ادب واحترام کرتا ہے اور جب تجلّیات جلالیہ کا پرتو پڑتا ہے تو بڑے بڑے بادشاہوں اور کج کلاہوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا انہیں ٹوک دیتا ہے۔ ؎

کیا تخت نے سمجھا ہے کیا تاج نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ نے اس مکتوب گرامی میں تلوین و تمکین اور قبض و بسط کی اصطلاحات کا ذکر فرمایا ہے اسلئے قدرے تشریح نذر قارئین ہے۔ تلوین و تمکین کے لیے مکتوب ۱۸ کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

☆ تخریجِ حدیث: حضرت عبد اللہ بن عمرو سے یہ حدیث یوں منقول ہے:
اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ اٰدَمَ کُلَّهَا بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ کَقَلْبٍ وَّاحِدٍ یُصَرِّفُهٗ کَیْفَ یَشَآءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ۔ جسے مسلم، ص ۳۳۵ ج ۲ واللفظ لہ، ترمذی ص ۳۶ ج ۲ نے نقل فرمایا ہے

قبض اور بسط

قبض وَارِدٌ یَرِدُ عَلَی الْقَلْبِ یُوجِبُ الْاِشَارَۃَ اِلٰی عِتَابٍ وَتَأْدِیبٍ[1]

قلب پر وارد ہونے والی ایسی کیفیت جو عتاب اور تادیب کی طرف اشارہ کا موجب ہو اسے قبض کہتے ہیں۔

بسط ھُوَ وَارِدٌ یُوجِبُ الْاِشَارَۃَ اِلٰی رَحْمَۃٍ وَاُنْسٍ[2]

ایسی کیفیت جو رحمت اور اُنس کی طرف اشارہ کا باعث ہو اسے بسط کہتے ہیں

دراصل قبض و بسط کا تعلق امورِ حاضرہ سے ہوتا ہے۔

اگر وارداتِ قلبی بند ہو جائیں تو اُسے قبض کہتے ہیں

اگر وارداتِ قلبی کُھل جائیں تو اسے بسط کہتے ہیں[3]

قبض و بسط دو ایسی حالتیں ہیں جو انسانی اختیار سے باہر ہیں یہ نہ ذاتی جدوجہد سے حاصل ہوسکتی ہیں اور نہ ہی تکلّف سے دُور کی جا سکتی ہیں۔ دونوں کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے کیونکہ دونوں مُوصِل الی اللہ اور ظہورِ تجلّیات کا آئینہ ہیں جیسا کہ آیت کریمہ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ[4] سے ظاہر ہے[5]

قبض و بسط دونوں حق تعالیٰ کی طرف سے دِل پہ وارد ہوتے ہیں جب وہ معنیٰ وارد ہوتے ہیں تو باطن اس سے مسرور رہتا ہے اور نفس مقہور، یا باطن مقہور ہوتا ہے اور نفس مسرور بعض کے لیے باطن کی قبض نفس کی کشائش کا باعث ہوتی ہے اور بعض کے لیے باطن کی کشائش، انقباضِ نفس کا ذریعہ ہوتی ہے[6]

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ قلب کی قبض

---

[1] کتاب التعریفات ص۱۱۶ [2] کتاب التعریفات ص۱۱۶ [3] ص۳ سّرِ دلبراں [4] البقرہ ۲۴۵ [5] کشف المحجوب،
[6] بخاری ص۱۰۲۴ [7] کشف المحجوب

نفس کی کشائش کرتی ہے اور قلب کی کشائش نفس کی قبض کا باعث ہوتی ہے۔ مقبوض نفس خلل سے محفوظ ہوتا ہے اور کشادہ باطن لغزش سے مصئون رہتا ہے اس لیے کہ دوستی میں غیرتِ مذہب ہے اور قبض غیرتِ حق کی علامت ہے دوست کا دوست کے ساتھ عتاب شرط ہے اور بسط عتاب کی علامت ہے روایات میں معروف ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ہنستے نہ تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام روتے نہ تھے حضرت یحییٰ علیہ السلام عالم انقباض میں تھے اور حضرت عیسیٰ انبساط میں۔ جب ایک دوسرے سے ملتے تو حضرت یحییٰ فرماتے اے عیسیٰ کیا آپ فراق کے خوف سے بے نیاز ہیں۔ حضرت عیسیٰ فرماتے کیا آپ رحمت حق سے ناامید ہیں دراصل نہ آپ کا رونا تقدیر ازلی مٹا سکتا ہے اور نہ ہی میرا ہنسنا قضاء کو واپس لوٹا سکتا ہے۔[1]

اکثر حالتِ قبض ذکر سے اعراض اور معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے آتی ہے مگر بسا اوقات دیگر باطنی مصلحتیں بھی کارفرما ہوتی ہیں۔ جیساکہ آیت کریمہ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً[2] سے واضح ہے۔

کیفیتِ قبض میں سالک کو شیخ کی صحبت اور استغفار کی کثرت کرنی چاہیئے، نیز یَا بَاسِطُ کا تکرار اور حق تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری بھی رفع قبض کیلئے نافع ہیں۔

متشابہات کے متعلق متکلّمینِ اہلسنّت کی آراء

زیرِ نظر مکتوب میں وارد مذکورہ بالا احادیث اور اس قسم کی دیگر آیات واحادیث مبارکہ متشابہات میں سے ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہے اپنی رائے وقیاس سے ان میں کلام کرنا حرام اور ان کو آسان کرنے کی کوشش کرنا ممنوع ہے۔ ان کے بارے میں مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہیئے کہ یہ حق تعالیٰ کی بلاکیف صفات میں سے ہیں چونکہ ان کی کیفیت مجہول ہے لہٰذا ان کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

---

[1] کشف المحجوب [2] الانبیآء ۳۵

متشابہات کے بارے میں اہلِ علم کے دو مؤقف ہیں ا۔ مُفوّضین ۲۔ مؤوّلین

مُفوّضین ان کا مؤقف یہ ہے کہ اَصابع اور یَدْ وغیرہا کا معنیٰ انگلیاں اور ہاتھ ہی کرنا چاہیئے ان کی تاویل سے اجتناب کرنا چاہیئے لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یہ انگلیاں مخلوق کی طرح ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انگلیاں تو ہیں ہم ان پر ایمان لاتے ہیں مگر ان کی حقیقت و کیفیت سے ہم آگاہ نہیں ان کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ[1] سے واضح ہے اسلاف کے نزدیک یہی مؤقف اسلم ہے۔

مؤوّلین ان کا مؤقف ہے کہ متشابہات کو ظاہری معنی پر محمول کرنے سے تشبیہ و تمثیل کا اثبات ہوتا ہے جو سراسر الحاد اور زندقہ ہے لہٰذا ان کی تاویل کرنا ضروری ہے۔

واضح رہے کہ بعض متشابہات کی تاویل نہایت دشوار ہے لہٰذا ان کی تاویل سے ساکت و صامت رہنا چاہیئے صرف ان پر ایمان و اعتقاد رکھنا چاہیئے ایسے موقعہ پر تاویل کو حرام جاننا چاہیئے جیسا کہ آیت کریمہ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ[2] سے آشکارا ہے۔[3]

حضرت امام ربانی کا مؤقف لفظِ قُرب، معیّت اور احاطۂ حق سبحانہٗ، جو قرآن مجید میں واقع ہوئے ہیں متشابہات قرآنی میں سے ہیں جیسا کہ لفظ ید اور وجہ وغیرہ اور یہی حال لفظِ اوّل، آخر، ظاہر، باطن اور ان جیسے دیگر الفاظ کا ہے پس ہم حق سبحانہٗ کو قریب کہتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ قرب کا معنی کیا ہے اسی طرح ہم اسے اوّل کہتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ اوّل سے کیا مراد ہے قرب اور اوّلیت کے جو معنی ہمارے علم و فہم کے احاطہ میں آتے ہیں حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس سے منزّہ

---

[1] آل عمران ۷، [2] بنی اسرائیل ۳٦ [3] عقائد توربشتی

اور برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف و شہود میں سما سکتا ہے حق تعالیٰ اس سے بہت بلند اور پاک ہے اور حق تعالیٰ کے قرب اور معیّت کی جس کیفیت کو بعض متصوّفین نے بطریق کشف دریافت کیا ہے وہ اسی کشفی معنی کے لحاظ سے حق سبحانہ کو قریب اور ساتھ (مَعَ) سمجھتے ہیں وہ مستحسن نہیں ہے انہوں نے فرقۂ مجسّمہ کے مذہب میں قدم رکھدیا ہے اور جو کچھ بعض علماء نے اس کی تاویل میں فرمایا ہے اور قرب سے مراد قربِ علمی لیا ہے تو وہ اسی طرح ہے جیساکہ انہوں نے ید کی تاویل قدرت اور وجہ کی تاویل ذات سے کی ہے یہ ان لوگوں کے نزدیک جائز ہے جو تاویل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں ہم تو تاویل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس کی تاویل کو حق سبحانہ و تعالیٰ کے علم کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ [1]

بیّنہ یہ امر مستحضر رہے کہ حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ کے متشابہات کی تاویلات کے جواز اور عدمِ جواز کے متضاد اقوال کو اوقات و احوال کے متعدّد و مختلف ہونے پر محمول کرنا چاہیئے اور دوسرے قول پر ہی اعتماد کرنا چاہیئے، کیونکہ ہر مقام کے علوم و معارف جُدا جُدا ہیں اور ہر حال کا قال علیحدہ ہے جیساکہ اربابِ حال و کیف سے پوشیدہ نہیں ہے (فافہم)

---

[1] مبدأ و معاد منہا ۲۵

دفترِ اوّل مکتوب ۶۸

مکتوب الیہ

حضرت میرزا عبدالرّحیم خانِ خاناں رحمۃ اللہ علیہ

موضوع

تواضع کی اہمیت

مکتوب - ۶۸

تواضع کی اہمیّت

تواضع از اربابِ غنا زیبا است واستغنا
از اہلِ فقر لِاَنَّ الْمُعَالَجَۃَ بِالْاَضْدَادِ

ترجمہ: تواضع دولت مندوں کی طرف سے زیبا ہے اور بے نیازی فقیروں (کی طرف) سے اسلئے کہ معالجہ اضداد کے ساتھ ہوتا ہے۔

شرح

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ نے خانِ خاناں کو متکبرانہ اندازِ تحریر پر تنبیہ اور تواضع اپنانے کی تلقین فرمائی ہے دراصل بسا اوقات امیر طبقہ دولت کے خمار اور نشۂ اقتدار میں مست، علماء اور فقراء پر رعب جمانے کی کوشش کرتا ہے خان خاناں صاحبِ ثروت اور سلطنت کے رُکن رکین ہونے کے باوصف فقیروں کے ارادت مند اور خدمتگار تھے مگر ان کی تحریر سے تحکّم و تکبّر کی بُو آتی تھی جس پر حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ نے انہیں تواضع اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی تاکہ فقراء کی خدمت کرنے پر انہیں اجر و ثواب مل سکے ورنہ آیت کریمہ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی[1] کی رُو سے ثواب سے محروم رہیں گے۔

---

[1] البقرہ ۲۶۴

دراصل تکبّر ایک روحانی اور اخلاقی مرض ہے جس کا علاج تواضع، عاجزی اور انکساری سے ہی ممکن ہے۔ کیونکہ علاج ضد کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح خشکی کا علاج تری سے، حرارت کا برودت سے کیا جاتا ہے ایسے ہی تکبّر کا علاج تواضع سے ہوتا ہے۔

تواضع جنّت کی کلید ہے اور عظمت کی نوید ہے۔ تواضع گو دوائے تلخ مزا ہے مگر حرمت افزا بھی ہے۔ تواضع سببِ خیر و برکت بھی ہے اور موجبِ فضل و رحمت بھی۔

تواضع غرباء کا اظہارِ حال بھی ہے اور امراء کے لیے باعثِ کمال بھی جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات طُوْبیٰ لِمَنْ تَوَاضَعَ فِیْ غَیْرِ مَسْکَنَۃٍ[1] (یعنی خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو صاحبِ ثروت ہو کر بھی تواضع اختیار کرے)

دانائے شیراز شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

متن

بلے اَتقیاءِ اُمّتِ او عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَ اَکْمَلُھَا از تکلّف بری اند

ترجمہ: ہاں آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمّہا واکملہا کی اُمت کے متقی لوگ تکلّف سے بری ہیں۔

شرح

اس جملہ میں حضرت امام ربّانی قدس سرّہٗ ارشاد فرمارہے ہیں کہ حضور اکرم علیہ

---

[1]

التحیۃ والثناء کی امت کے پاکباز افراد تکلّف سے پاک ہوتے ہیں کیونکہ سالک کو طریقت میں نیک امور سرانجام دینا پڑتے ہیں مگر جب وہ روحانی امراض سے پاک اور تزکیۂ نفس سے شادکام ہوجاتا ہے تو غصہ درعونت وغیرہا جیسی روحانی امراض کی جگہ اسلامی غیرت اور دینی حمیت لے لیتی ہے غالباً ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوات اَمَّا التَّكَبُّرُ مَعَ الْمُتَكَبِّرِيْنَ صَدَقَةٌ (مگر تکبر کرنے والوں کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے) میں اسی امر کو بیان فرمایا گیا ہے یہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کی عزت وتکریم عند الشّرع مطلوب ومحبوب ہے ان کے دشمنوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے لہٰذا ان خاک نشینوں اور خلوت گزینوں کو ذلیل وحقیر سمجھنے سے باز رہنا ہی دانشمندی ہے۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

متن مقصود از آشنائی فقراء اطلاع بر عیوب مکنونہ است وظہورِ رذائلِ مخزونہ

ترجمہ: فقیروں کی آشنائی سے مقصود پوشیدہ عیوب پر مطلع ہونا اور چھپی ہوئی بری عادتوں کا ظاہر ہونا ہے۔

شرح

سطور بالا میں حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ ارشاد فرمارہے ہیں کہ اہل اللہ کی حق گوئی اور تلخ نوائی سے رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے اس سے ان کا مقصود دل آزاری نہیں بلکہ طالبین کی خیر خواہی ہوتا ہے تاکہ ساتھ ساتھ سالک کی باطنی امراض اور کمینی حرکات کا ازالہ بھی ہوتا رہے اور وہ پامردی کیساتھ عالمِ قدس کیطرف پرواز کرتا رہے۔

لہ

نیز جب کسی دوست سے مشورہ لیا جائے تو وہ اپنی مصلحت اور ذاتی مفاد کے پیش نظر چاپلوسی سے بھی کام لیتا ہے حالانکہ حدیث اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ[1] کے مطابق مشیر امین ہوتا ہے نہ کہ خائن جب کہ اہل اللہ خوشامد پسند اور مصلحت بین نہیں ہوتے بلکہ بے لوث اور بے خوف ہوتے ہیں اسی لیے وہ کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کئے بغیر ٹوک دیتے ہیں۔

---

[1]

دفترِ اوّل مکتوب ۶۹

مکتوب الیہ

حضرت میرزا عبدالرحیم خانِ خاناں رحمۃ اللہ علیہ

موضوع

ناجی گروہ

مکتوب ۔ ۶۹

متن چون رعایتِ آدابِ فُقَراء نموده اند و بتواضُع سخن رانده اند امیدست کہ بحکم مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ این تنزُّل موجبِ رِفعتِ دینی و دنیوی گردد بلکہ گشت بُشْرٰی لَکُمْ

ترجمہ: چونکہ آپ نے فقراء کے آداب کا لحاظ رکھا ہے اور تواضع سے گفتگو کی ہے۔ لہٰذا "جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی اللہ نے اسے بلند کر دیا" کے مطابق اُمید ہے کہ آپ کا یہ عجز دینی و دنیوی رفعت کا سبب ہو جائے بلکہ ہو گیا ہے آپ کو بشارت و مُبارک ہو۔

شرح

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ خان خاناں کو قبولیتِ توبہ کی نوید جانفزا سُنا رہے ہیں اور توبہ کے آداب و شرائط کی رعایت کی نصیحت فرما رہے ہیں کہ ہماری تنبیہہ و تلقین پر جب آپ نے تواضع کو اختیار کر لیا ہے تو حق تعالیٰ نے اس درویش (حضرت امام ربانی قدس سرہٗ) کے دست حق پرست پر آپ کی توبہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا ہے اس سے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی نظر کشفی اور شانِ مجددیت کا اظہار ہوتا ہے ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

متن

بِالْجُمْلَةِ طَرِيْقُ النَّجَاةِ مُتَابَعَةُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ كَثَّرَهُمُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِي الْاَقْوَالِ وَالْاَفْعَالِ وَفِي الْاُصُوْلِ وَالْفُرُوْعِ فَاِنَّهُمُ الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ وَمَاسِوَاهُمْ مِنَ الْفِرَقِ فَهُمْ فِيْ مَعْرَضِ الزَّوَالِ وَشَرَفِ الْهَلَاكِ

ترجمہ: مختصر یہ کہ نجات کا طریقہ افعال و اقوال اور اصول و فروع میں اہلسنّت و جماعت (اللہ سبحانہٗ ان کی کثرت فرمائے) کی متابعت کرنے میں ہے کیونکہ یہی نجات پانے والا گروہ ہے۔ اس کے سوا تمام فرقے مقامِ زوال اور ہلاکت کے کنارے پر ہیں۔

شرح

سطورِ بالا میں حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ اہل سنّت وجماعت کی عقائد و اعمال میں متابعت کی نصیحت فرما رہے ہیں کیونکہ یہی ناجی جماعت ہے ان کے علاوہ جتنے بھی بدعتی اور گمراہ فرقے ہیں وہ محلِّ زوال اور قربِ ہلاک میں ہیں۔ دراصل یہاں آپ نے درج ذیل حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

تَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِيَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ [1]

یعنی میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان تہتر فرقوں میں سے ایک کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا وہ ایک فرقہ کونسا ہے آپ نے فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پہ ہوگا۔

---

[1] جامع ترمذی ص ۸۹/۲ مشکوٰۃ ص ۳۰

آج اگر کوئی اس ناجی جماعت کی حقانیّت میں متردّد ہے تو کل قیامت کے روز حق و باطل میں امتیاز ہو جائے گا مگر اس وقت کا جاننا بے سود ہوگا جیسا کہ آیت کریمہ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا [1] سے واضح ہے۔

---

[1] الفرقان ۴۲

دفترِ اوّل مکتوب ۲

مکتوب الیہ

حضرت میرزا عبدالرحیم خانِ خاناں رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

حق تعالیٰ سے قرب اور بُعد انسان کی جامعیت کی وجہ سے ہوتا ہے

صورتِ نیت اور حقیقتِ نیت

مکتوب ۔ ۷۰

حق تعالیٰ سے قرب اور بُعد انسان کی جامعیّت کی وجہ سے ہوتا ہے

متن آدمی را ہم چنانکہ جامعیّت سببِ قرب و تکریم و تفضیل ست سببِ بُعد و تضلیل و تجہیل نیز ہمان جامعیّت ست

ترجمہ: جس طرح انسان کی جامعیت اس کے لیے قرب بزرگی اور فضیلت کا سبب ہے اسی طرح اس کی دُوری (حق تعالیٰ سے) گمراہی اور جہالت کا سبب بھی وہی جامعیت ہے.

شرح

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ انسان کی جامعیت کے باعث حق تعالیٰ سے قرب و بُعد اور فضیلت و جہالت کو بیان فرمارہے ہیں درحقیقت انسان ایک نسخۂ جامعہ ہے جو عالمِ خلق و عالمِ امر کے لطائف سے مرکّب ہے. انہی متضاد اجزائے ترکیبی کی وجہ سے یہ ہدایت و گمراہی اور خیر و شر کا مجموعہ ہے ہدایت و خیر کی بنا پر اس کا آئینۂ قلب، حق تعالیٰ کی صفاتی و ذاتی تجلّیات کے ظہور کی استعداد رکھتا

ہے جو قُربِ حق کا سبب ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی لَا یَسَعُنِی اَرْضِی وَلَا سَمَائِی وَلٰکِنْ یَسَعُنِی قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ ☆ (نہ میری زمین میری وسعت رکھتی ہے نہ میرا آسمان بلکہ میری وسعت و گنجائش میرے بندۂ مومن کا دِل رکھتا ہے) میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جب کہ شر اور جملہ موجودات کے ساتھ احتیاجی، گمراہی اور حق تعالیٰ سے دوری کا موجب ہے۔

اگر حق تعالیٰ سُبحانہ کا فضل دستگیری فرمائے اور انسان عالمِ قدس کی طرف رُوحانی پرواز کرے تو وہ فرشتوں پر بھی گوئے سبقت لے جاتا ہے۔ ؎

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست
درد را جز آدمی درخورد نیست

مختصر یہ کہ جامعیّت کی وجہ سے تمام انسانوں میں حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء بہترین و افضل انسان ہیں اور ابُوجہل لعین بدترین انسان واقع ہوا ہے۔

متن پس ناچار تا از گرفتاریِ ہمہ نجات میسّر نشود گرفتاریِ یکے کہ منزّہ است از یکے نیز حاصل نیاید خرابی در خرابی ست

☆ **تخریجِ حدیث**

مذکورہ بالا حدیث کو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلُوم میں نقل فرمایا ہے لیکن لَا یَسَعُنِی کی بجائے لَمْ یَسَعْنِی اور لٰکِنْ یَسَعُنِی کی بجائے وَسِعَنِی کے الفاظ ہیں۔ طبرانی میں یہ حدیث یوں منقول ہے اِنَّ لِلّٰہِ اٰنِیَۃً مِنَ الْاَرْضِ وَاٰنِیَۃُ رَبِّکُمْ قُلُوْبُ عِبَادِہِ الصَّالِحِیْنَ (یعنی بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے زمین میں ظروف ہیں اور تمھارے رب کے ظروف اسکے صالح بندوں کے دل ہیں)۔ ج۱، ص۱۸۲ نیز دیلمی نے اسے مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اور حضرت امام احمد نے وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے مگر مفہوم سب کا ایک ہی ہے

ترجمہ: پس لامحالہ جب تک ان سب کی گرفتاری سے نجات میسّر نہ آئے ایک ذات کی جو ایک ہونے سے (یعنی وحدت سے) بھی منزہ و پاک ہے، اس کی گرفتاری حاصل نہیں ہوتی۔ غیرِ حق کے ساتھ گرفتاری خرابی ہی خرابی ہے۔

شرح

سُطور بالا میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب تک قلب ماسوی اللہ کی محبت سے بیزار اور حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتار نہیں ہو جاتا سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ آپ کے اس جملے "یکے کہ منزّہ است از یکے" یعنی ایک ذات جو کہ ایک ہونے سے بھی منزّہ ہے کی قدرے تفصیل نذرِ قارئین ہے۔

دراصل حضرت امام ربانی قدّس سرّہٗ نے یہاں ایک دقیق نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ایک کا استعمال اس جگہ کیا جاتا ہے جہاں دو تین چار کا امکان موجود ہو لیکن جہاں سرے سے دو تین چار کا امکان ہی نہ ہو تو پھر وہاں ایک (واحد) کی صفت استعمال کرنا ضروری نہیں ہاں البتہ حق تعالیٰ کو بطریقِ عدد واحد نہیں کہنا چاہیئے بلکہ وحدہٗ لاشریک ہونے کے اعتبار سے اسے واحد کہا جاتا ہے کیونکہ واحد (ایک) منقسم ہے اور احد (یکتا) غیر منقسم جو حق تعالیٰ کے شایانِ شان ہے۔

درحقیقت واحد، عدد و شمار ہے۔ اس کی اقسامِ خمسہ میں سے پہلی چار قسمیں واحد جنسی، نوعی، عددی اور اتّصالی ہیں وحدت عارضی ہے جو حق تعالیٰ کی شان کے منافی ہے کیونکہ حق تعالیٰ ہر قسم کی مجانست و مماثلت، اتّصال و انفصال تکثّر و تعدّد، امکان و حدوث اور ترکیب و تبعیض سے قطعاً پاک ہے تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا البتہ حق تعالیٰ واحد حقیقی ہے اس کی وحدت عارضی نہیں بلکہ اصلی، ذاتی اور مستقل ہے۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ[1]

---

[1] البقرہ ۱۶۳

میں حق تعالیٰ کی وحدت ذاتی و حقیقی کا ہی بیان ہے۔

جب کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ[1] میں حق تعالیٰ کی احدیّت کا بیان ہے جو شمار و حساب اور علم وعقل کی حدود سے وراء ہے کیونکہ ہر ماسوا کو فنا ہے اور صرف ذاتِ حق تعالیٰ کو ہی بقا ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس عقیدۂ توحید کی یوں صراحت فرمائی ہے۔

وَاللّٰهُ تَعَالٰی وَاحِدٌ لَا مِنْ طَرِيْقِ الْعَدَدِ وَلٰكِنْ مِنْ طَرِيْقِ اَنَّهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ..... الخ)[2]

واضح رہے کہ واحد میں حق تعالیٰ کی وحدتِ مطلقہ اور احد میں احدیتِ الٰہیہ کا

بلینہ بیان ہے۔ وہ اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے۔ درحقیقت کوئی بھی کسی امر میں اس کے ساتھ شریک نہیں البتہ مشارکتِ اسمی اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے۔ حق تعالیٰ کی صفات اور افعال اسکی ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہیں اور وہ ممکنات کی صفات وافعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔

صورتِ نیّت اور حقیقتِ نیّت

متن اگر حقیقتِ نیّت میسّر نشود خود را بہ تکلّف برین نیت باید آورد

ترجمہ اگر نیّت کی حقیقت میسّر نہ ہو تو اپنے آپ کو تکلّف کے ساتھ اس نیّت پر لانا چاہیے۔

---

[1] الاخلاص ۱ [2] الفقہ الاکبر

شرح

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نیّت کی درستگی اور حقیقتِ نیّت کی تحصیل کی نصیحت فرمارہے ہیں۔ نیّت کی دو قسمیں ہیں۔ صورتِ نیّت اور حقیقتِ نیّت۔

سالکینِ طریقت کو تزکیۂ نفس کے بعد ہی نیّت کی حقیقت میسّر آتی ہے۔ اس سے قبل تکلّف کے ساتھ ہی نیّت کو درست کرنا چاہیئے اور ارشادِ نبوی علیہ التحیۃ والثناء فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكُوْا [1] کے مطابق بارگاہِ ایزدی میں التجاء و تضرّع کرتے رہنا چاہیئے تاکہ تکلّف سے چھٹکارا حاصل ہو اور معاملہ صورت سے گذر کر حقیقت تک پہنچ جائے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

---

[1] ابن ماجہ ۹۶

دفتر اوّل مکتوب ۱

مکتوب الیہ

حضرت میرزا عبد الرحیم خانِ خاناںؒ رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

ہر نعمت پر شکر واجب ہے

مشائخ اہلسنت کے طریقے کے مطابق سلوک طے کرنا چاہیئے

مکتوب ۔ ۱۷

ہر نعمت پر شکر واجب ہے

متن شکرِ مُنْعِم بر مُنْعَم علیہ واجب است عقلاً وشرعاً

ترجمہ: عقلی اور شرعی اعتبار سے نعمت والے پر نعمت عطا کرنے والے (رب تعالیٰ) کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

شرح

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربّانی قُدِّس سرّہٗ حق تعالیٰ سبحانہٗ کی عطا فرمودہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے اور ممنونِ احسان ہونے کے وجوب کو بیان فرما رہے ہیں۔ یہاں شکر کی تعریف میں نعمت کی اقسام اور اس کی اہمیت قدرے وضاحت سے نذر قارئین ہے۔

شکر کی تعریف اَلشُّکْرُ عِبَارَۃٌ عَنْ مَعْرُوْفٍ یُقَابِلُ النِّعْمَۃَ سَوَاءٌ کَانَ بِاللِّسَانِ اَوْ بِالْیَدِ اَوْ بِالْقَلْبِ[1]

ترجمہ: یعنی شکر نعمت کا مقابل ہے جو زبان سے یا ہاتھ سے یا دل سے تعریف کرنے سے عبارت ہے۔

---

[1] کتاب التعریفات ص ۵۶

بندے پر نعمتِ عظیمہ اور احسانِ کریمہ کی بنا پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرنا دو وجوہات سے لازم ہے۔ دوامِ نعمت اور زیادتِ نعمت۔

دوامِ نعمت کے لیے شکر اس لیے ضروری ہے تاکہ وہ نعمت ہمیشہ کے لیے بندے کو ملتی رہے جیساکہ حضور اکرم صلّی اللہ عَلَیہ وسَلّم نے ارشاد فرمایا اِنَّ لِلنِّعَمِ اَوَابِدُ کَاَوَابِدِ الْوَحْشِ فَقَیِّدُ هَا بِالشُّکْرِ[1]

(نعمتیں بھی اسی طرح بھاگ جاتی ہیں جیسے جنگلی جانور بھاگ جاتے ہیں تو ان کو شکر کے ساتھ پابند کرو)

نیز اگر بندہ حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اضافہ فرماتا رہتا ہے جیساکہ آیت کریمہ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ[2] (اگر تم شکر کروگے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا) سے واضح ہے۔

ویسے بھی دانا مالک جب غلام کو نعمت کا حق ادا کرتے دیکھتا ہے تو اس پر مزید احسان کرتا چلا جاتا ہے ورنہ احسانات منقطع کر دیتا ہے۔

نعمت کی قسمیں ۱- دنیوی ۲- دینی

دنیوی نعمت کی دو قسمیں ہیں ۱- منفعتِ نعمت ۲- مدافعتِ نعمت

نفع نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے مناسب و منافع کی چیزیں اسے عطا فرمائے

مدافعتِ نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے بگاڑ پیدا کرنے والی اور تکلیف دہ چیزوں کو روکے رکھے۔

دینی نعمتوں کی دو قسمیں ہیں۔ نعمتِ توفیق اور نعمتِ عصمت

نعمتِ توفیق یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کو اسلام کی توفیق بخشے پھر اتباعِ سنّت اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق سے مالا مال کرے۔

---

[1] منہاج العابدین [2] ابراہیم ۷

نعمتِ عصمت یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندے کو کفر و شرک سے بچائے اور بدعت و ضلالت سے محفوظ رکھے۔

مختصر یہ کہ حق تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کا شمار و حساب ممکن نہیں جیسا کہ آیت کریمہ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا[1] سے عیاں ہے کفرانِ نعمت سے سلبِ نعمت کا خدشہ اور عذاب کا امکان ہے سب سے تلخ اور مشکل زوالِ نعمت عزت کے بعد ذلت، قرب کے بعد بُعد اور وصال کے بعد فراق ہے[2]

شکر حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا محبوب اور پسندیدہ عمل ہے جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے۔

اِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ حَتّٰى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا[3] یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو عبادت کے لیے کھڑے رہتے یہاں تک کہ قدم مبارک پھٹنے کے قریب ہو جاتے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب آپ کے اگلوں اور پچھلوں سب کے گناہ معاف کر دیے آپ نے فرمایا کیا میں اس کا شکر گذار بندہ بننا پسند نہ کروں؟

معلوم ہوا کہ صرف زبان سے شکر شکر کرنا شکر نہیں بلکہ احکام خداوندی کی تعمیل اور عبادات کی بجا آوری کا نام شکر ہے لہٰذا اہلسنت وجماعت کے علمائے شریعت اور مشائخ طریقت کے مطابق عقائد کی درستگی، احکامات کی بجا آوری، قلبی تنویر اور باطنی تطہیر کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ حق تعالیٰ (منعمِ حقیقی) کا شکر ادا ہو سکے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ

---

[1] ابراہیم ۳۴ [2] ملخصاً از منہاج العابدین [3] بخاری ص ۷۱۶ ج ۲

متن بتصفیہ و تزکیہ است برطبقِ سلوکِ صوفیہ علیہ ایں فرقہ سنیّہ

ترجمہ: اس عالی گروہ (اہلسنت وجماعت) کے صوفیائے کرام کے سلوک کے مطابق تصفیہ و تزکیہ حاصل کرنا ہے۔

شرح

مذکورہ جملے میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ مشائخ اہلسنّت کے اختیار کردہ طریقے کے مطابق سلوک طے کرنے، یونانی فلسفیوں اور ہندوستانی برہمنوں کے وضع کردہ غیر شرعی چلّوں اور ریاضتوں سے اجتناب کرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں دراصل تصفیہ عالمِ امر کے لطائف کو مُصفّٰی بنانا اور تزکیہ عالمِ خلق کے لطائف کی تطہیر کرنا ہے عالم امر کے لطائف ذاتی طور پر نورانی ہیں مگر عالمِ خلق کے لطائف کی مجاورت و ہمسائیگی کی وجہ سے ان پر غبار آجاتا ہے اس لیے ان کا تصفیہ کرنا چاہیئے جب کہ عالمِ خلق کے لطائف ذاتی طور پر مکدّر اور کثیف ہیں اس لیے یہ تزکیہ و تطہیر سے ہی مطیع اور نیازمند ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ تمام انسانی قویٰ اور جسمانی اعضاء کا حق تعالیٰ کی بندگی میں مصروف ہونا اور غیر حق کی گرفتاری سے فارغ ہونا ہی شکر ہے۔

بے غم و درد تو صد حیف زعمرے کہ گذشت
پیش ازیں کاش گرفتار غمت می بودم

بلینہ نمبر ۱: واضح رہے کہ حدیثِ جبریل[1] (علیہ السلام) میں ایمان اور اسلام کے بعد

---

[1] صحیح بخاری ج۱ ص۱۲، صحیح مسلم ج۱ ص۲۷، مشکوٰۃ ص۱۱

احسان کا ذکر دین متین کی تعلیم کا بیان ہے اور اسی پر دین اسلام کی تکمیل موقوف ہے۔
جیسے حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ علم، عمل اور اخلاص سے تعبیر فرماتے ہیں۔
شریعت کے عالم و عامل اور طریقت کے حامل شخص کو ہی محقق کہا گیا ہے

بیّنہ نمبر ۲ علمِ شریعت کے بغیر محض تصوف و احسان زندقہ ہے اور علمِ احسان کے بغیر محض علمِ فقہ فسق ہے۔ جیساکہ امام دارالہجرتین حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے

مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ [1]

بیّنہ نمبر ۳ یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جو ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ ایمان، اسلام اور احسان سے موافقت نہیں رکھتے وہ معصیت، نافرمانی اور حق تعالیٰ کی ناشکری میں داخل ہیں۔

---

[1] اشعۃ اللمعات

دفتر اوّل مکتوب ۲

مکتوب الیہ

حضرت دوست محمدؐ خواجہ جہاں رحمۃ اللہ علیہ

موضوع

ترکِ دنیا کا مفہوم

مکتوب - ۲۷

متن جمع ساختن دین و دُنیا را از قبیل جمع اَضداد است پس طالب آخرت را ترکِ دُنیا لابدّ آمد

ترجمہ: دین اور دنیا کا جمع کرنا، جمعِ اَضداد کے قبیل میں سے ہے پس طالبِ آخرت کے لیے دُنیا کا ترک کرنا ضروری ہے۔

شرح

اس مکتوبِ گرامی میں حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ طالبِ آخرت کو ترکِ دُنیا کی نصیحت فرما رہے ہیں۔ چونکہ دُنیا اور آخرت دو سوکنوں کی مانند ہیں لہٰذا ان کا جمع ہونا مشکل ہے دانا آدمی وہ ہے جو دُنیا پر دین و آخرت کو ترجیح دے اور دُنیا کو ترک کر دے۔

ترک کی دو قسمیں ہیں۔ ترکِ حقیقی اور ترکِ حکمی

ترکِ حقیقی دشوار ہونے کی بناء پر ناچار ترکِ حکمی کو ہی اختیار کر لینا چاہیئے اور نشست و برخاست، خورد و نوش، مال و مویشی اور معاشرت و معاملات ایسے دُنیوی اُمور میں شریعتِ مطہرہ اور سُنّتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو مدِنظر رکھنا ترکِ حکمی ہے بہر حال جو چیز اللہ تعالےٰ کی ذات سے غافل کر دے وہ دُنیا ہے اس کا ترک صوفیائے کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے

قرب کی سیڑھی ہے اسلامی عبادات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان میں بھی ترک کا پہلو موجود ہے اسی لیے ضروری ہے کہ اگر ترکِ دُنیا کُلّی طور پہ نہ ہو سکے تو ترکِ جزوی کو ہی اختیار کر لیا جائے ۔

دفتر اوّل مکتوب ۷۳

مکتوب الیہ

حضرت قلیج اللہؒ بن قلیج خان رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

دنیا اور اہلِ دنیا کی مذمت ۔ فضول مباحات سے اجتناب

عزیمت و رخصت کا فرق ۔ فکرِ آخرت

مکتوب الیہ

قلیج اللہ بن قلیج خان عہد جہانگیر کے امراء میں سے تھے ان کے نام تین مکتوبات تحریر فرمائے گئے۔ (دفتر اوّل مکتوب ۷۳، ۱۸۴ دفتر دوم مکتوب ۳۲)

مکتوب - ۳۷

زیر نظر مکتوب میں حضرت امام ربّانی قدس سرہ نے نہایت قیمتی مسائل و معارف بیان فرمائے ہیں چونکہ یہ مکتوب عام فہم ہے اس لیے چند اصطلاحات کی تشریح ہدیۂ قارئین ہے۔

دُنیا اور اہل دُنیا کی مذمت

متن اے فرزند دُنیا محل آزمایش و ابتلا ست ظاہرِ او را بانواعِ مُزخرفات مُموّہ و مزیّن گردانیده اند صورتِ او را بخال وخط و زُلف وخدِ موہومہ مزیّب ساختہ اند ....

ترجمہ: اے فرزند! دُنیا آزمائش اور ابتلا، کا مقام ہے اس کے ظاہر کو قسما قسم کی باطل آرائشوں سے آراستہ اور مزّین کیا گیا ہے اس کی صورت کو موہوم خط و خال اور زلف و رخسار سے پیراستہ کیا گیاہے۔

شرح

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدّس سّرہٗ دُنیا اور اہل دُنیا کی مذمت بیان فرمارہے ہیں دراصل دُنیا اپنی آرائش و زیبائش اور حلاوت وطراوت کی وجہ سے بڑی دیدہ زیب اور دلکش ہے۔ اس کا ظاہر سراب اور خواب کی مانند ہے مگر اس کا باطن خراب اور

اور پژمردہ ہے اس لیے اس پر فریفتہ شخص سحر زدہ اور فریب خوردہ ہے۔

◎ دُنیا حق تعالیٰ کی نہایت ناپسندیدہ اور مغضوبہ ہے غالباً یہی وجہ ہے کہ اس کی محبت ہر گناہ کی بنیاد اور اس کا خواستگار لعنت و پھٹکار کا حقدار ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَافِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللهِ[1] سے واضح ہے۔

◎ دُنیا ایسا مردار ہے جو بظاہر تو بڑا خوشبودار ہے مگر حقیقت میں نہایت بدبودار ہے اس لیے اس کے طالب کو کُتا فرمایا گیا جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت اَلدُّنْيَا جِيْفَةٌ وَطَالِبُهَا كِلَابٌ[2] سے عیاں ہے۔

◎ دُنیا اس مہلک و منقش اژدھا کی مانند ہے کہ جس کے زہر کا کوئی تریاق نہیں لہٰذا دنیا کی گرفتاری سے بچنا ہی دانائی اور عقلمندی ہے۔

؎ زہرِ ایں مارِ منقّش قاتل است باشد از وے دور ہر کہ عاقل است

◎ دُنیا اور آخرت کے درمیان بُعد المشرقین ہے جتنا ایک کے قریب جاؤ گے اتنا ہی دوسری سے دُور ہوتے چلے جاؤ گے یہ دو متضاد چیزیں ہیں لہٰذا ان کا اجتماع مشکل ہے اس لیے ان کو جمع کرنے والا دیوانہ ہے۔

؎ ہم خدا خواہی و ہم دُنیائے دوں ایں خیال است و محال است و جنوں

بلّینہ نمبر ا واضح رہے کہ جو چیز حق تعالیٰ سے دُور اور اس کی یاد سے غافل کر دے وہی دنیا ہے۔ دُنیوی اُمور میں مصروفیت کے باوجود جس سالک کا دل خدا کی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہو بلکہ ہر وقت حق تعالیٰ کے ساتھ قرب و محبّت کی کیفیات سے سرشار رہے خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم اس کیفیّت کو خلوت در انجمن سے تعبیر فرماتے ہیں۔

---

[1] ابن ماجہ ص۳۰۲، ترمذی ص۵۶ ج۲ [2]

فضول مباحات سے اجتناب

متن ای فرزند کار ایں ست کہ از فضولِ مُباحات اجتناب باید نمود واز مباحات بقدرِ ضرورت اکتفا باید کرد

ترجمہ: اے فرزند کام کرنے کا یہی ہے کہ فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے اور بقدر ضرورت مباحات پر کفایت کرنی چاہیئے۔

شرح

سُطور بالا میں حضرت امام رّبانی قدّس سرّہٗ فضول مباحات سے اجتناب کی تلقین فرما رہے ہیں۔ چونکہ مباح امور کے اختیار کرنے سے بعض اوقات فرائض و واجبات فوت ہو جاتے ہیں جو حق تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے اِعراض کی علامت ہے۔ نیز فضول کاموں میں مصروفیّت اور لایعنی علوم میں مشغولیّت سے پرہیز اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ مبادیات سے آگے مقاصد اور فروعات سے گذر کر اصول تک رسائی نصیب ہو جیسا کہ ارشاد نبوی علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات عَلَامَۃُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالیٰ عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَالَا یَعْنِیْہِ☆ سے واضح ہے۔

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جان کندن است

بقدر ضرورت مباحات کو اس لیے اپنانا چاہیئے تاکہ طاعات میں جمعیتِ خاطر

☆ تخریجِ حدیث اگلے صفحہ پر

اور حضورِ قلب نصیب ہو خوراک اس لیے کھانی چاہیے تاکہ عبادات کی ادائیگی میں قوت ملے اور لباس اس لیے پہننا چاہیے تاکہ ستر عورت اور ادائے نماز کے وقت زینت نصیب ہو جیسا کہ آیۃ کریمہ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ[1] سے عیاں ہے۔

رخصت و عزیمت کا فرق

متن اکابرِ نقشبندیہ قَدَّسَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَسْرَارَہُمْ عمل بعزیمت اختیار کردہ اند و از رخصت مہما اَمکن اجتناب فرمودہ از جملہ عزائم اکتفاست بقدرِ ضرورت

ترجمہ: سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر قدّس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے عزیمت پر عمل کرنا اختیار فرمایا ہے اور رخصت سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے یہ بھی عزیمت میں داخل ہے کہ بقدرِ ضرورت پر اکتفا کی جائے۔

شرح

سطورِ بالا میں حضرت امام ربّانی قدّس سرّہ سلسلہ نقشبندیہ کے اکابرین رحمۃ اللہ

---

[1] الاعراف ۳۱

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

تخریجِ حدیث: یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ترمذی ص۵۵ ج۲ میں مرفوعاً یوں مذکور ہے مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ امام نووی نے اسے حسن قرار دیا ہے ابن عبد البر نے کہا کہ علی متقی نے جَوَامِعُ الْکَلِمِ میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے الفاظ کیساتھ اسے مرفوعاً ذکر فرمایا ہے اور ابن حجر نے شرح اربعین میں کہا ہے مِنْ عَلَامَاتِ اِعْرَاضِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اَنْ یَّجْعَلَ شُغْلَہٗ فِیْمَا لَا یَعْنِیْہِ یہ قول حسن ہے۔

علیہم اجمعین کا عزیمت اور رخصت پر عمل کے بارے مؤقف بیان فرمارہے ہیں۔ دراصل عزیمت ورخصت ماموراتِ شرعیہ میں سے ہیں ان کا اجمالی فرق ہدیۂ قارئین ہے۔

فاضلِ اجل حضرت سیّد شریف جرجانی قدّس سرّہٗ رخصت کی تعریف کے بارے رقمطراز ہیں۔

رخصت اَلرُّخْصَۃُ فِی اللُّغَۃِ الْیُسْرُ وَالسُّھُوْلَۃُ وَفِی الشَّرِیْعَۃِ اِسْمٌ لِّمَا شُرِعَ مُتَعَلِّقًا بِالْعَوَارِضِ اَیْ بِمَا اسْتُبِیْحَ بِعُذْرٍ مَعَ قِیَامِ الدَّلِیْلِ الْمُحَرِّمِ[1]

یعنی لغت میں رخصت آسانی اور سہولت کو کہتے ہیں جب کسی مشکل امر کو عوارض کے ساتھ متعلق کرکے مشروع کیا گیا ہو یعنی دلیل محرّم کے ہوتے ہوئے عذر کی بناء پر وہ اباحت کا تقاضا کرے اسے شریعت میں رخصت کہتے ہیں۔

جیسے اگر کوئی مجبور شخص قلبی طور پر مطمئن بالایمان ہوتے ہوئے کفریہ کلمہ زبان پر لے آئے تو شریعت مطہرہ کی طرف سے اسے جان بچانے کے لیے اس امر کی اجازت ہے جیسا کہ آیہ کریمہ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ[2] سے واضح ہے۔

علمائے اصولییّن نے نتیجہ کے اعتبار سے رخصت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں

۱۔ رخصتِ فعل کے باوجود اس کام کی حرمت باقی رہتی ہے جیسے مجرم کو معاف کردینے سے حالتِ اکراہ میں اطمینان قلب کی صورت میں زبان پر کلمۂ کفر جاری کرنے سے، کسی نبی کو (معاذ اللہ) سب وشتم کرنے اور کسی نفس کو ظلماً قتل کرنے کی اجازت ملنے کے باوجود یہ کام حلال نہیں ہوجاتے بلکہ حرام ہی رہتے ہیں۔ حکم اس رخصت کا یہ ہے کہ اگر وہ معذور ومجبور شخص قتل وغیرہ کی دھمکیوں کے باوجود حضرت شارع علیہ السلام

---

[1] التعریفات ص ۴۸ [2] النحل ۱۰۶

کی تعظیم میں ان برائیوں سے مجتنب رہے تو اجر و ثواب کا حقدار ہوگا۔

۲۔ رخصت کی وجہ سے فعل کی صفت بھی بدل جاتی ہے یعنی وہ کام جو پہلے حرام تھا اب اس کے حق میں مباح ہوجاتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ[1] سے واضح ہے۔

حکم اس کا یہ ہے کہ اگر وہ حالتِ اضطرار میں حرام کھانے سے باز رہے حتّٰی کہ مر جائے تو گناہ گار ہوگا کیونکہ اس نے ایک جائز چیز استعمال کرنے سے گریز کر کے خودکشی کا ارتکاب کیا ہے۔

علمائے لغت عزیمت کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں۔

عزیمت

فِي اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَنِ الْاِرَادَةِ الْمُؤَكَّدَةِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اَیْ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ قَصْدٌ مُؤَكَّدٌ فِي الْفِعْلِ بِمَا اُمِرَ بِهٖ وَفِي الشَّرِيْعَةِ اِسْمٌ لِمَا هُوَ اَصْلُ الْمَشْرُوْعَاتِ غَيْرُ مُتَعَلِّقٍ بِالْعَوَارِضِ[2]

یعنی لغت میں پختہ ارادے کو عزیمت کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے ارشاد فرمایا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) ان کا کوئی قصد یعنی جس فعل کے نہ کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس کا ارتکاب کر بیٹھنے میں ان کا پختہ ارادہ نہ تھا۔ وہ حکم جو عوارض کے ساتھ متعلق کیے بغیر اصلاً مشروع ہو اسے شریعت میں عزیمت کہتے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ[3] سے واضح ہے۔

---

[1] البقرہ ۱۷۳ [2] التعریفات ص۶۴

[3] ترمذی ص۴۰/۲، ابوداؤد ص۲۴۱/۲ واللفظ لہ، مشکوٰۃ ص۳۲۲

یہ امر مستحضر رہے کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر اَولیٰ
بیّنہ نمبر۲ کام کے بجالانے سے اس کا ترک کرنا بہتر ہوتا ہے جیسا کہ حدیثِ نبوی
علیٰ صاحبہا الصلوٰت اِنَّ اللّٰہَ کَمَا یُحِبُّ اَنْ یُّوْتٰی بِالْعَزِیْمَۃِ یُحِبُّ اَنْ یُّوْتٰی
بِالرُّخْصَۃِ[1] میں وارد ہے[2]۔

فکرِ آخرت

متن
فکر باید کرد و عقلِ دور اندیش را کار باید فرمود فردا غیر از ندامت و خسارت ہیچ بدست نخواہد آمد

ترجمہ: فکر کرنا چاہیئے اور عقلِ دور اندیش سے کام لینا چاہیئے ورنہ کل قیامت کے روز سوائے ندامت اور خسارہ کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

شرح
سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرّہٗ فکرِ آخرت کی نصیحت فرما رہے ہیں۔
دراصل دُنیا دار الغرور ہے اس لیے انسان دُنیوی کاموں میں مشغول ہوکر بارگاہِ ایزدی میں جوابدہی اور احتساب کے تصور کو یکسر فراموش کر بیٹھتا ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی[3] سے واضح ہے حالانکہ اسے اپنے ہر قول و فعل کا جواب و حساب دینا ہوگا۔ سالک کو چاہیئے کہ وہ صحت و عافیت اور فرصت کے اوقات کو غنیمت جانے، اعمالِ صالحہ کی بجا آوری میں غفلت کو ترک کردے ورنہ سراسر ہلاکت

---

[1] [2] دفتر اوّل مکتوب ۳۱۲ [3] القیامہ ۳۶

ونقصان ہے۔ جیساکہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات هَلَكَ الْمُسَوِّفُوْنَ (سَوْفَ أَفْعَلُ کہنے والے یعنی آج، کل کرنے والے ہلاک ہو گئے) سے آشکار ہے۔

تخریج حدیث: اس حدیث کو دیلمی نے الفردوس ص۵/۲ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اَلتَّسْوِیْفُ شُعَاعُ الشَّیْطَانِ یُلْقِیْهِ فِیْ قَلْبِ الْمُؤْمِنِ کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اِیَّاكَ وَالتَّسْوِیْفَ بِالتَّوْبَةِ (الفردوس ص۳۸۸/۱) کے الفاظ کیساتھ روایت فرمایا ہے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اسے مرسلاً روایت کیا ہے اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ، سے ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے لَعَنَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمُشَوِّفَاتِ اَوِ الْمُسَوِّفَاتِ (التاریخ الکبیر ص۲۶۹/۱)

دفتر اوّل مکتوب ۴۷

مکتوب الیہ

حضرت مرزا بدیع الزّمان رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

فقراء کی اہمیت

خلاف شرع لقب پر تنبیہہ

مکتوب الیہ

حضرت مرزا بدیع الزماں رحمۃ اللہ علیہ آقائے ملا دولت دار کے صاحبزادے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے۔ آقائے ملا دولت دار تصوف میں اپنے چچا حضرت شیخ نجیب الدین سہروردی قدس سرہٗ سے مستفیض تھے۔ مرزا کی ایک بیٹی ارادت خاں میر اسحاق شاہجہانی سے منسوب تھی۔ ان کے نام دو مکتوب ملتے ہیں مکتوب ۴۷، ۵۷۔

مکتوب - ۴۷

متن

حمدًا لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ کہ از فحوائے آں محبتِ فقراء و توجّہ درویشاں مفہوم گشت کہ سرمایۂ سعادات است لِاَنَّھُمْ جُلَسَآءُ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَھُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ (الخ)

ترجمہ: الحمد للہ کہ اس کے مضمون سے فقیروں کی محبّت اور درویشوں کی طرف توجہ و عقیدت معلوم ہوئی جو کہ تمام سعادتوں کا سرمایہ ہے کیونکہ یہ لوگ اللہ سُبحانہٗ کے ہم نشین ہیں اور یہ وہ بابرکت لوگ ہیں جن کا ہمنشین بدبخت نہیں ہوتا۔

شرح

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ فقراء کی معیّت کی تشویق اور انکی محبّت کی ترغیب دلا رہے ہیں جیسا کہ آیت کریمہ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[1] اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ[2] سے واضح ہے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم محبوبوں کے سردار ہونے کے باوجود مردانِ خدا

---

[1] التوبہ ۱۱۹ [2] ترمذی ص ۱۸۷ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۲۱۹

کے ساتھ معیّت پر مامور ہیں جیساکہ آیت کریمہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ الآیۃ[۱] سے ظاہر ہے نیز حضرت امام ربّانی قدس سرّہ غافلوں کو سمجھاتے ہیں کہ اہل اللہ کی محبّت نعمتِ اتمّ اور ان کی معیّت امر اَہمّ ہے۔ ان کی صحبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی کا باعث اور بدنصیبی سے نجات کا ذریعہ ہے جیساکہ حدیث قدسی وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ۔۔۔ الخ[۲] سے آشکار ہے۔ حضرت مولانا روم قدس سرّہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
او نشیند در حضور اولیا،

غوث الثقلین حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرّہ اپنے ہم نشین کو گردشِ دوراں سے بے خوف ہونے کا مژدہ سناتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَنَا مِنْ رِجَالٍ لَا يَخَافُ جَلِيْسُهُمْ رَيْبَ الزَّمَانِ وَلَا يَرٰى مَا يَرْهَبُ

خلافِ شرع لقب پر تنبیہ

متن سعادت آثارا فقرہ در صحیفۂ گرامی اندراج یافتہ بود کہ حضرتِ لو نشائتین این نعتیست کہ مخصوص بحضرت واجب الوجود ست جَلَّ سُلْطَانُهٗ عَبْدٌ مَّمْلُوْكٌ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ را چہ رسد کہ

---

[۱] الکہف ۲۸ [۲] بخاری ج۲ ص۱۱۰۱، مشکوٰۃ ص۱۹۶

بوجہ از وجوہ بخداوندِ خود جَلَّ سُلطَانُہٗ مُشارکت

جوید و درراہِ خداوندی پوید۔

ترجمہ: اے سعادت مند آپ کے مکتوب گرامی میں ایک فقرہ خدیو نشأتین (مالکِ دوجہاں) درج تھا یہ ایسی صفت ہے جو واجب الوجود جلّ شانہٗ (حق تعالیٰ) کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے. بندۂ مملوک کو جو کسی بھی چیز پر قادر نہیں کیا حق حاصل ہے کہ وہ کسی وجہ سے بھی اپنے خداوند تعالیٰ جلّ سلطانہ کے ساتھ مشارکت ڈھونڈھے اور خداوندی کے راستہ پر چلے۔

شرح

سطورِ بالا میں حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ خلافِ شرع لقب پر تنبیہ فرما رہے ہیں اور مکتوب الیہ کو اپنے لیے خدیو نشأتین (شہنشاہ) کے خطاب سے منع فرما رہے ہیں کیونکہ یہ لقب وصفت (شہنشاہ) حق تعالیٰ کا خاصہ ہے اس کے سوا کوئی بھی اس صفت سے نہ تو متّصف ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس قسم کے لقب سے کوئی ملقّب ہو سکتا ہے. جیسا کہ ارشادِ نبوی عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلوٰتُ اِنَّ اَخْنَعَ اسْمٍ عِنْدَ اللّٰہِ (عَزَّوَجَلَّ) رَجُلٌ یُسَمّٰی مَلِكُ الْاَمْلَاكِ[1] (اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُرا نام یہ ہے کہ کسی شخص کو شہنشاہ کہا جائے) سے ظاہر ہوتا ہے۔

بیّنہ عالمِ دُنیا میں حقیقی طور پر اور عالمِ آخرت میں حقیقی و مجازی طور پر ہر قسم کی مالکیّت و بادشاہی حق تعالیٰ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے ساتھ مخصوص ہے البتہ مشارکتِ اسمی اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے۔

---

[1] صحیح مسلم ص ۲۰۸ ج ۲

دفتر اوّل مکتوب ۷۵

مکتوب الیہ

حضرت مرزا بدیع الزّماں رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

عقائد و اعمال اہلسنت کے بغیر عالم قدس کی طرف پرواز محال ہے

قبلۂ توجہ صرف اپنا شیخ ہی ہونا چاہیئے

مکتوب ۔ ۷۵

متن نقدِ سعادتِ دارَین منوط بمتابعۃِ سیّدِ کونین است عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَ التَّسۡلِیۡمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکۡمَلُھَا بر نہجیکہ علماءِ اہلِسُنّت شَکَرَ اللہُ تَعَالٰی سَعۡیَھُمۡ بیان فرمودہ اند

ترجمہ: سعادتِ دارین کی دولت سیّدِ کونین عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسۡلِیۡمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکۡمَلُھَا کی متابعت کے ساتھ وابستہ ہے (جب کہ وہ متابعت اس طریق پر ہو جس کو علمائے اہلِ سنّت شَکَرَ اللہُ تَعَالٰی سَعۡیَھُمۡ نے بیان فرمایا ہے)

شرح

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ علمائے اہلسنّت کی کتاب و سُنت کی روشنی میں بیان فرمودہ تعلیمات و تعبیرات کو سعادتِ دارین قرار دیتے ہوئے تلقین فرما رہے ہیں کہ اپنے عقائد و اعمال کو علمائے اہلسنت وجماعت کی آراء کے مطابق درست کرنے اور ان پر عمل درآمد کے بعد راہِ سلوک کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے ان (عقائد واعمال) کے بغیر خار دار جھاڑی پر ہاتھ مارنا اور اپنی منزل کھوٹی کرنا ہے۔

ایک مکتوب میں ہرکس وناکس کی گفتگو سے اعراض کرنے کے بارے میں رقمطراز ہیں؛

پس باید کہ مدارِ اعتقاد را بر آنچہ معتقدِ اہلسُنّت است دارند وسخنانِ زید وعمرو را در گوش نیارند مدارِ کار را بر افسانہائے دروغ ساختن خود را ضائع کردن است تقلیدِ

فرقۂ ناجیہ ضروریست تا امیدِ نجات پیدا شود [1]

ترجمہ: پس چاہیئے کہ اہل سُنت وجماعت کے معتقدات پر اعتقاد کا مدار رکھیں اور زید وعمرو کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ جھوٹے افسانوں پر اپنے کام کی بنیاد رکھنا خود کو ضائع کرنا ہے۔ فرقۂ ناجیہ (اہلسنّت) کی تقلید ضروری ہے تاکہ نجات کی اُمید پیدا ہو۔

ایک مقام پر یوں تحریر فرماتے ہیں:

وبے حصولِ این دو باز و طیران و وصول بعالمِ حقیقت محالست۔ بیت

محال است سعدی کہ راہِ صفا توان رفت جز در پیٔ مصطفٰے

ترجمہ: ان دو بازوؤں (تصحیح عقائد و اعمالِ صالحہ) کے حاصل ہوئے بغیر عالم حقیقت کی طرف پرواز اور وصول محال ہے۔

تجھے حاصل نہ ہو جب تک نبی کی پیروی کرنا
نہیں ممکن کبھی اہلِ صفا کی راہ پر چلنا

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَآءُ

متن بلند ہمت باید بود و از حق سبحانہٗ وتعالیٰ بوسیلہ یا بے وسیلہ او را تعالیٰ باید طلبید

ع کار اینست وغیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: بلند ہمت ہونا چاہیئے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے بوسیلہ یا بے وسیلہ اسی کو طلب کرنا چاہیئے۔

---

[1] دفترِ اوّل مکتوب ۲۵۱

ع اصل کام یہی ہے اس کے سوا سب ہیچ ہے۔

شرح

سطورِ بالا میں حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ ہر حال میں مطلوبِ حقیقی جلّ سلطانہٗ کی طلب کی تاکید اور بلند ہمتی کی تلقین فرما رہے ہیں۔ بقول کسے

ع یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

شیخ الاسلام حضرت خواجہ عبداللہ انصاری قدّس سرّہٗ نقل فرماتے ہیں "الٰہی مردم از تو حاجات ہا میخواہند و من آمدہ ام از تو ترا میخواہم" یعنی بار الٰہا! لوگ تجھ سے اپنی حاجات برآری کی دعا کرتے ہیں، میں تو تجھ سے تجھی کو مانگنے آیا ہوں یعنی مجھے اپنا قرب عطا فرما۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی کو حق تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے تو اس کے پاس کائنات کی ہر چیز ہے۔

گر از دگشتی ہمہ چیز از تو گشت
ور از گشتی ہمہ چیز از تو گشت

حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ نے "بوسیلہ" اور "بے وسیلہ" کے الفاظ استعمال

بلینہ فرما کر محبّوں اور محبوبوں کے وصل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ محبوبوں کے ساتھ حق تعالیٰ اپنے فضل والا معاملہ فرماتا ہے، انہیں بغیر وسیلہ کے شرف باریابی سے نوازتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ محبوبوں کو راہِ وصل میں جو شرط اور ادب درکار ہوتا ہے حق تعالیٰ ان کی تعلیم و تربیّت کا اہتمام فرما دیتا ہے اور کسی شیخ کامل کی طرف اُن کی راہنمائی کر دی جاتی ہے۔
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ جب کہ محبّ، وسیلہ کے محتاج ہوتے ہیں۔

ع کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر

قبلۂ توجہ صرف اپنا شیخ ہی ہونا چاہیئے

متن بُشْرٰی لَکُمْ سَالِمًا وَغَانِمًا مراجعت خواہند نمود امّا یک شرط را مرعی دارند و آن وحدتِ قبلۂ توجّہ است قبلۂ توجّہ را متعدِّد ساختن خود را در تفَرِقہ انداختن است

ترجمہ: آپ کو بشارت ہو کہ آپ باسلامت اور مالِ غنیمت کے ساتھ واپس لوٹیں گے لیکن ایک شرط مدّنظر رکھیں وہ یہ ہے کہ قبلۂ توجہ ایک ذات ہونی چاہیئے توجہ کے قبلہ کا متعدّد بنانا اپنے آپ کو انتشار میں ڈالنا ہے۔

شرح

سُطورِ بالا میں حضرت امام ربّانی قدّس سِرّہٗ اپنے ایک کشف کا اظہار فرماتے ہوئے مکتوب الیہ کو فتح و نصرت کی خوشخبری سنا رہے ہیں لیکن اس بشارت کو اس امر کے ساتھ مشروط فرمایا ہے کہ اپنی توجہ کا قبلہ صرف اور صرف اپنے مرشد گرامی کو ہی رکھیں۔ کیونکہ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی قبلۂ توجہ ضرور ہوتا ہے جیساکہ آیت کریمہ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا[1] سے واضح ہے جب طالبِ صادق کو مرشدِ کامل مکمل نصیب ہو جائے تو سالک کو چاہیئے کہ کلّی طور پر اسی کی طرف متوجہ رہے اور ہر قسم کے فیض و برکت کے حصول کا ذریعہ اسے ہی جانے اور جنون کی حد تک اس سے قلبی تعلق استوار رکھے کیونکہ

---

[1] البقرہ ۱۴۸

یہی رشتۂ محبت، شیخ سے اخذِ فیض کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے اور اگر قبلۂ توجہ متعدد ذوات اور مختلف افراد ہوں تو سالک التفاتِ شیخ سے محروم رہتا ہے اور فیض حاصل نہیں کر پاتا۔ حضرت امامِ ربّانی قدّس سرّہٗ نے مشہور مثل نقل فرما کر توجہ کو کُلیتہً شیخ کی طرف مرکوز رکھنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

ہر کہ یکجا ہمہ جا و ہر کہ ہمہ جا ہیچ جا

یعنی جو ایک جگہ قائم ہے وہ ہر جگہ ہے اور جو ہر جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں۔

عارف کھڑی میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا:

ے دلبر دے دروازے اُتے محکم لا یئے جھوکاں

نویں نویں ناں یار بنا یئے وانگ کمینیاں لوکاں

دفتر اوّل مکتوب ۷۶

مکتوب الیہ

حضرت شیخ محمد قلیج خان اندجانی رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

ورع اور تقویٰ کی اہمیت ۔ حقوق العباد کی اہمیت

شہر لاہور کی اہمیت ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مختصر تعارف

حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

مکتوب ۔۷۶

ورع اور تقویٰ کی اہمیت

متن مدارِ نجات بر دو جزو آمد امتثالِ اوامر و انتہا از نواہی و معظّم ترینِ این دو جزو جزوِ اخیر است کہ معبّر بورع و تقویٰ ست

نجات کا مدار دو چیزوں پر ہے اَوامر کا بجالانا اور ممنوعات سے رُک جانا اور ان دونوں جزوں میں سے جزِوآخر زیادہ عظمت والا ہے جسے ورع وتقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شرح

اس مکتوبِ گرامی میں حضرت امام ربّانی قدّس سرہٗ نجات کا دار و مدار اوامر کی بجاآوری اور نواہی سے باز رہنے کو قرار دے رہے ہیں بالخصوص ممنوعہ اُمور سے رُک جانا زیادہ اہم ہے جیساکہ آیۂ کریمہ وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا[1] کے بعد وَاتَّقُوا اللّٰہَ کے تاکیدی جملہ سے واضح ہے اسی کو ورع اور تقویٰ کہتے ہیں۔
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ورع اور تقویٰ کی تعریفات اور کچھ تفصیلات

---

[1] الحشر۷

بیان کر دی جائیں تاکہ مکتوب کے سمجھنے میں آسانی رہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

ورع کی تعریف امام ہمام حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ ورع کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

ھُوَ اِجْتِنَابُ الشُّبُھَاتِ خَوْفًا مِّنَ الْوُقُوْعِ فِی الْمُحَرَّمَاتِ[1] محرّمات میں واقع ہونے کے خوف سے شبہات سے اجتناب کرنے کو ورع کہتے ہیں۔

احادیثِ نبویّہ (عَلٰی صاحِبِھَا الصَّلَوٰتُ) اور ورع حضور اکرم صلّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ورع کی فضیلت کے بارے میں چند ارشادات نقل کیے جاتے ہیں تاکہ سالکین کے سامنے اس کی اہمیت مزید دوچند ہو جائے

◎ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص کی عبادت و ریاضت کا ذکر کیا گیا تو حضور اکرم نے ارشاد فرمایا لَا تَعْدِلُ بِالرِّعَۃِ یَعْنِی الْوَرَعَ[2] (ورع کے برابر کوئی چیز نہیں ہے)

◎ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا مَلَاکُ دِیْنِکُمُ الْوَرَعُ[3] (تمہارے دین کا مقصود ورع ہے)

◎ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عَبْدِیْ اَدِّ مَا افْتَرَضْتُ عَلَیْکَ تَکُنْ مِنْ اَعْبُدِ النَّاسِ وَانْتَہِ عَمَّا نَھَیْتُکَ عَنْہُ تَکُنْ مِنْ اَوْرَعِ النَّاسِ[4] یعنی میرے بندے جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے اس کو ادا کر پس تو سب لوگوں سے زیادہ عابد ہو جائے گا اور جن امور سے میں نے تجھ کو منع کیا ہے ان سے باز رہ پس تو سب لوگوں سے زیادہ صاحبِ ورع بن جائے گا۔

◎ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے

---

[1] التعریفات ص۱۱۵ [2] مشکوٰۃ ص۴۲۱ [3] مشکوٰۃ ص۴۲ [4] تشیید المبانی ۸۹

ارشاد فرمایا کُنْ وَرِعًا تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ[1] یعنی تو صاحبِ ورع بن جا پس تو تمام لوگوں سے زیادہ عابد بن جائے گا۔

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، اور ورع ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غلام کا پیش کردہ کھانا تناول فرمالیا۔ بعد میں غلام نے عرض کیا کہ اس کھانے میں شبہ تھا تو سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، نے اپنی انگلی منہ میں ڈالکر قے کرکے اپنے پیٹ کو صاف کر دیا[2]

آپ فرمایا کرتے تھے کُنَّا نَدَعُ سَبْعِیْنَ بَابًا مِّنَ الْحَلَالِ مَخَافَۃَ اَنْ نَقَعَ فِیْ بَابٍ مِّنَ الْحَرَامِ[3] یعنی ہم ستر حلال چیزوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں کسی حرام چیز میں نہ پڑ جائیں۔

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، اور ورع حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کُنَّا نَتْرُکُ تِسْعَۃَ اَعْشَارِ الْحَلَالِ مَخَافَۃَ اَنْ نَقَعَ فِی الْحَرَامِ[4] یعنی ہم دس حلال چیزوں میں سے نو کو اس خوف سے ترک کر دیتے تھے کہ کہیں ہم حرام میں نہ پڑ جائیں۔

امام اعظم قدس سرہٗ اور ورع امام الائمہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے ساجھی کے پاس تجارت کے لیے کپڑے کے تھان بھیجے جن میں سے ایک تھان میں کوئی نقص اور عیب تھا۔ آپ نے اپنے ساجھی سے فرمایا کہ جب اس تھان کو فروخت کرنا تو اس کا عیب ضرور بیان کر دینا۔ ساجھی نے اس تھان کو فروخت تو کر دیا مگر گاہک سے اس کا عیب بیان کرنا بھول گیا اور بعد میں یہ بھی یاد نہ رہا کہ کس شخص کے ہاتھوں وہ تھان فروخت کیا تھا۔ امام اعظم کو جب واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے تیس ہزار درہم کی مالیت کے ان تمام تھانوں کی قیمت صدقہ کر دی[5]

---

[1] ابن ماجہ ص۳۱۱ [2] صحیح بخاری ص [3] حقائق عن التصوف [4] فتوح الغیب [5] تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ

امام ربّانی قدس سرہٗ اور ورع حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ رقمطراز ہیں کہ جب کسی شیخ کے زیرِ تربیت کوئی سالک ہو تو وہ اسے یوں تاکید کرے:

وتاکید نماید کہ در لقمۂ محرّم ومشتبہ احتیاط رانیک مرعی دارد وہرچہ باید نخورد واز ہرجا کہ باید تناول نہ نماید تافتوئ شریعت غرّا دریں باب درست نکند بالجملہ در جمیع امور کریمہ مَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا را نصب عین خود سازد[1]

یعنی اس بات کی تاکید کرے کہ غذا کے معاملے میں حرام اور مشتبہ لقمہ میں نہایت احتیاط سے کام لے جو کچھ ملے یا جہاں سے حاصل ہو جائے نہ کھائے تاوقتیکہ اس کا کھانا شرعاً جائز نہ ہو مختصر یہ کہ تمام کاموں میں اس آیت کریمہ کو مدِ نظر رکھے۔ مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔

اہلِ ورع کے طبقات

ارباب طریقت نے اہل ورع کے تین طبقے بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ عوام کا ورع ۲۔ خواص کا ورع ۳۔ خاص الخواص کا ورع

عوام کا ورع یہ ہے کہ وہ شبہات سے پرہیز کریں تاکہ وہ احکامِ الٰہیہ کی مخالفت میں مبتلا نہ ہو جائیں جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے۔

اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَاِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ وَبَیْنَھُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِھَاتٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَی الشُّبُھَاتِ اِسْتَبْرَءَ لِدِیْنِہٖ وَعِرْضِہٖ[2]..... الخ

بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ

---

[1] مبداو معاد منہا ۱۰۔ [2] صحیح بخاری ص۱۳، صحیح مسلم ص۲۸ واللفظ لہٗ

امور ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شبہات میں واقع ہوا وہ حرام میں واقع ہو جاتا ہے (اس کی مثال) اس چرواہے کی مانند ہے جو چراگاہ کے اردگرد اپنے جانور چراتا ہے ممکن ہے کہ وہ اس چراگاہ میں چرنے لگیں۔ خبردار! بے شک ہر بادشاہ کے لیے خاص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں۔

خواص کا ورع یہ ہے کہ ہر ایسی چیز سے اجتناب کیا جائے جو قلب کو مکدّر کر دے اور اس درجہ کے لوگ قلب میں کھٹکنے والے خواطر اور سینے میں پیدا ہونے والے وساوس سے بھی احتراز کرتے ہیں جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات اَلْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ[1] سے واضح ہوتا ہے۔

اس قسم کے اربابِ قلوب جب بھی کسی معاملے میں متردّد ہوتے ہیں تو فوراً قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور قلب کے فتویٰ کے مطابق عمل کرتے ہیں جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے: اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ .... وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ وَاَفْتَوْكَ[2] یعنی اپنے دل سے پوچھو خواہ فتویٰ دینے والے کچھ ہی فتویٰ دیتے رہیں۔

خاصُ الخواص کا ورع یہ ان واصلین اور عارفین کا ورع ہے جو غیرِ حق سے تعلق منقطع کر کے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں کہ کسی غیر کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے ان کا مؤقف یہ ہے كُلُّ مَا شَغَلَكَ عَنِ اللّٰهِ فَهُوَ مَشْئُوْمٌ عَلَيْكَ[3] یعنی جو چیز تجھے حق تعالیٰ سے غافل کر دے وہ تمہارے لیے منحوس ہے۔

◎ جب حضرت ابوبکر شبلی قدس سرّہ سے ورع کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اَنْ تَتَوَرَّعَ اَنْ لَّا يَتَشَتَّتَ قَلْبُكَ عَنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ طَرْفَةَ عَيْنٍ[4]

---

[1] صحیح مسلم ص ۲/۳۱۴ [2] مسند احمد ص ۴/۲۲۸ ، مسند ابی یعلی رقم ۱۵۸۴ [3] کتاب اللمع [4] کتاب اللمع

یعنی ورع یہ ہے کہ تیرا دل حق تعالیٰ سے آنکھ جھپکنے جتنی دیر بھی پریشان نہ ہو۔

حصولِ ورع کیلئے دس چیزیں لازم ہیں

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ علمائے ربانیین فرماتے ہیں کہ جب تک سالک ان دس چیزوں کو اپنے اُوپر لازم نہیں کرلیتا اس وقت تک اسے کمال ورع حاصل نہیں ہوتا۔

۱۔ غیبت سے زبان کو محفوظ رکھے۔ ۲۔ بدگمانی سے اجتناب کرے۔
۳۔ مسخرہ پن سے پرہیز کرے۔ ۴۔ حرام اشیاء سے آنکھ بند کرلے۔
۵۔ سچ بولے۔ ۶۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا احسان جانے تاکہ نفس مغرور نہ ہو۔
۷۔ اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرے اور باطل جگہ میں خرچ کرنے سے بچے۔
۸۔ اپنے نفس کے لیے بلندی اور بڑائی کا طالب نہ ہو۔ ۹۔ نمازوں کی محافظت کرے۔
۱۰۔ اہل سنت وجماعت (کے عقائد) پر استقامت اختیار کرے۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1]

تقویٰ کی تعریف

حضرت شیخ جرجانی قدس سرہٗ تقویٰ کی تعریف کے متعلق رقمطراز ہیں۔

فِی اللُّغَۃِ بِمَعْنَی الْاِتِّقَاءِ وَھُوَ اتِّخَاذُ الْوِقَایَۃِ وَعِنْدَ اَھْلِ الْحَقِیْقَۃِ ھُوَ الْاِحْتِرَازُ بِطَاعَۃِ اللّٰہِ عَنْ عُقُوْبَتِہٖ وَھُوَ صِیَانَۃُ النَّفْسِ عَمَّا تَسْتَحِقُّ بِہِ الْعُقُوْبَۃُ مِنْ فِعْلٍ اَوْ تَرْکٍ۔[2]

یعنی لغت میں تقویٰ، اتقاء کے معنی میں ہے جس کا مطلب ہے حفاظت

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۴ [2] التعریفات ص۲۹

اختیار کرنا اور اہل حقیقت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرکے اس کی سزا سے بچنا اور اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی جو عذاب کی موجب ہو اس سے اپنے نفس کو بچانا تقویٰ ہے۔

◎ تقویٰ کا محل قلب ہے۔ تقویٰ حصول علم کا زینہ اور عزت وکرامت کا خزینہ ہے جیسا کہ آیہ کریمہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ[1] سے عیاں ہے۔

◎ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سے کسی نے سوال کیا کہ تقویٰ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تو کسی خار دار وادی سے کبھی گذرا ہے؟ عرض کیا ہاں فرمایا تو وہاں سے کس طرح گذرا تھا؟ عرض کیا اپنے دامن کو کانٹوں سے بچاتا ہوا گذرا تھا فرمایا ذَالِکَ التَّقْوٰی[2] بس یہی تقویٰ ہے۔

ارباب طریقت کے نزدیک تقویٰ کی اقسام

اہل طریقت نے اس کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

◎ عوام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ شرک سے اجتناب کریں

◎ خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی نافرمانی سے احتراز کریں

◎ اولیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے پرہیز کریں۔

◎ انبیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے اس لیے کہ ان کا تقویٰ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ ہر چیز سے دامن بچا کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں[3]

بلینہ نمبر ا: واضح رہے کہ انسان کی ملائکہ پر فضیلت نواہی سے اجتناب اور ورع و

---

[1] الحجرات ۱۳ [2] تفسیر قرطبی ۱/۱۶۲ [3] رسالہ قشیریہ

تقویٰ ہی کی وجہ سے ہے اور قربِ الٰہی کے مرتبوں تک ترقی کا انحصار بھی اسی پر ہے جب کہ فرشتے اوامر کے بجا لانے میں انسان کے ساتھ شریک ہیں لیکن نواہی سے باز رہنے کے پابند نہیں اس لیے ان میں ترقی مفقود ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ[1] سے عیاں ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ ورع و تقویٰ کو ہمیشہ مدّنظر رکھے جو اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی نہایت اہم ضروریات میں سے ہے۔ ورع و تقویٰ کامل طور پر اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا ھٰذَا

بلینہ نمبر ۲ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک جملہ امور میں ان دیندار علمأ کے فتویٰ کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہیئے جنہوں نے عزیمت کا راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ اور رخصت سے اجتناب کرتے ہیں اور اس کو ہی آخرت کی دائمی نجات کا وسیلہ بنانا چاہیئے۔[2]

حقوق العباد کی اہمیّت

متن واجتناب از محرّمات نیز بر دو قسم است قسمی است کہ بحقوقِ اللہ سُبحانہٗ تعلق دارد و قسمی است کہ بحقوقِ عباد متعلّق است و رعایتِ قسمِ ثانی اہم تر است .... الخ

---

[1] الصّافّات ۱۶۴ [2] دفترِ اوّل مکتوب ۷۰

ترجمہ: حرام چیزوں سے بچنا بھی دو قسم پر ہے ایک قسم وہ ہے جو اللہ سبحانہ، کے حقوق سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہے۔ دوسری قسم کی رعایت زیادہ اہم ہے۔

شرح

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی نصیحت اور حقوق العباد کی زیادہ رعایت کی تلقین فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ اگر حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوئی کمی بیشی ہوئی تو امید ہے کہ حق تعالیٰ اپنے کمال فضل سے معاف فرمائے گا کیونکہ وہ غنیٔ مطلق اور ارحم الراحمین ہے جب کہ بندہ فقیر محتاج اور فطرۃً کنجوس و بخیل ہے اس لیے حقوق العباد کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت ہے۔

اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ) اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَيَاْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ [1]

ترجمہ: یعنی کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون شخص ہے؟۔ حاضرین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہوں نہ سامان تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے کسی کو گالی دی ہوگی

---

[1] مسلم ص ۳۲۰ ج ۲

کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ پس ہر ایک حقدار کو اس کی نیکیوں میں سے اس کے حق کے برابر نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر حقداروں کے حقوق پورے ہونے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان حقداروں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو نارِ جہنم میں جھونک دیا جائے گا اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہَا

بلینہ نمبر ۳ یہ امر مستحضر رہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا لحاظ نہ رکھنا کبائر میں سے ہے۔ بنیادی طور پر گناہ کی دو قسمیں ہیں گناہِ صغیرہ اور گناہِ کبیرہ۔ پھر گناہِ کبیرہ کی مزید دو قسمیں ہیں ایک وہ گناہ جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے وہ گناہ جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ گناہ صغیرہ سے بھی توبہ کرنی چاہیئے مگر اعمالِ صالحہ (نماز، روزہ حج وغیرہا) صغیرہ گناہوں کے لیے کفارہ بنتے رہتے ہیں جیسا کہ آیہ کریمہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ[1] سے عیاں ہے۔

بلینہ نمبر ۴ کبیرہ گناہ کا تعلق اگر حقوق اللہ سے ہو تو بارگاہِ خداوندی میں توبہ و انابت سے معاف ہو جاتے ہیں اور اگر ان کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو ان کے لیے اس حق کی ادائیگی یا صاحبِ حق سے معاف کروانا ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت میں ہے:۔

اَلدَّوَاوِیْنُ ثَلَاثَۃٌ دِیْوَانٌ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ الْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَدِیْوَانٌ لَا یَتْرُکُہُ اللّٰہُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَہُمْ حَتّٰی یَقْتَصَّ بَعْضُہُمْ مِنْ بَعْضٍ وَدِیْوَانٌ لَا یَعْبَأُ اللّٰہُ بِہٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَہُمْ وَبَیْنَ اللّٰہِ فَذَاکَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَآءَ عَذَّبَہٗ وَاِنْ شَآءَ تَجَاوَزَ عَنْہُ۔[2]

---

[1] ہود ۱۱۴ [2] مشکوٰۃ ص ۴۳۵

یعنی نامہ ہائے اعمال تین ہیں ایک وہ نامۂ عمل جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے بیشک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک ٹھہرانے والے کو نہیں بخشے گا۔ دوسرا نامۂ عمل وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔ حتّٰی کہ ایک دوسرے سے بدلہ لے لیں اور تیسرا نامہ عمل وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں فرمائے گا وہ بندوں کا حق تعالیٰ کے حقوق میں زیادتی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو معاف فرمادے۔

لاہور بلادِ ہند میں قطبِ ارشاد کی مانند ہے

متن وآن بلدہ نزدِ فقیر ہمچو قطبِ ارشاد است نسبت بہ سائر بلادِ ہندوستان خیر و برکتِ آن بلدہ بجمیع بلادِ ہندوستان ساریست

ترجمہ: فقیر کے نزدیک وہ شہر (لاہور) ہندوستان کے تمام شہروں میں قطب ارشاد کی مانند ہے اس شہر کی خیر و برکت ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیلی ہوئی ہے۔

شرح

حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ شہر لاہور کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے اسے بلادِ ہند کے تمام شہروں میں قطب ارشاد قرار دے رہے ہیں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ شہر ہمیشہ سے علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں ہزاروں عُلمائے راسخین اور اولیائے کاملین موجود رہے ہیں۔ حضرت امام ربّانی کے دور میں علم اور فضل حاصل کرنے کے لیے لوگ لاہور کی طرف رجوع کرتے تھے بالخصوص یہاں امامُ الواصلین حجۃ الکاملین حضرت سیدنا علی بن

عثمان الہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش قدس سرہٗ العزیز کا مزار اقدس ہے۔ دراصل جہاں اللہ کا بندہ بیٹھ کر حق تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو ذکر کی تاثیرات کی وجہ سے فضاؤں میں لطافت اور مٹی میں شرافت آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کی خانقاہوں اور آستانوں کو شریف کہا جاتا ہے جیسے بغداد شریف، اجمیر شریف، سرہند شریف وغیرہا نیز وہاں فرشتوں کا نزول بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ[1] سے واضح ہے۔ اسی لیے جب شیخ کبیر حضرت بابا فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ سے حضرت داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ کے آستانہ پر گھٹنوں کے بل حاضر ہونے کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے جواباً یوں ارشاد فرمایا تھا۔ ؎

لاہورِ ما بجنّتِ اعلیٰ برابر است
آہستہ پا بنہ کہ ملک سجدہ می کنند

متن قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذَالِكَ

ترجمہ: یعنی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ مخالفین اسلام پر غالب اور دینِ حق پر قائم رہے گا۔ ان کی ذلت و رسوائی کا ارادہ رکھنے والے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے اور وہ

---

[1] حٰمٓ السجدہ ۳۰

اپنے حال پر قائم ہوں گے۔

شرح

حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ نے مکتوب الیہ کو احکامِ شرعیہ کی ترویج اور ملّتِ اسلامیہ کی تائید پر دُعا دیتے ہوئے زیرِ نظر ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کو نقل فرمایا ہے درحقیقت اس حدیث مبارکہ میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس امر کی خوشخبری سنائی ہے کہ میری امت کا ایک گروہ بیان و برہان کے ذریعے کفّار پر ہمیشہ غالب رہے گا جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ میری امت کا ایک گروہ غیر مسلموں پر شمشیر و سنان کے ذریعے ہمیشہ غالب رہے گا۔ جیساکہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوات لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ[۲] ..... الخ سے واضح ہے لیکن اس امر کی صراحت نہیں فرمائی گئی کہ وہ کون سی قوم اور قبیلہ ہوگا تاہم غلبۂ اسلام انہی لوگوں کے ساتھ وابستہ ہوگا جو راسخ العقیدہ مسلمان اور کتاب وسنّت کی تعلیمات پہ کاربند ہوں گے البتہ روایات میں ہے کہ قربِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا نزول اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور ہوگا جن کے ذریعے حق تعالیٰ دینِ اسلام کو غلبہ اور سربلند فرمائے گا۔ جیساکہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوات میں ہے لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ قَالَ فَیَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) فَیَقُوْلُ اَمِیْرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَیَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَکْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ[۳]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ قیامت تک غلبے کے ساتھ ہمیشہ حق کی خاطر لڑتا رہے گا اور فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم صلّی اللہ علیہ وسلم نازل ہوں گے

---

[۱] مسلم ص۱۴۳ ج۲ [۲] مسلم ص۸۷ ج۱ [۳] مشکوٰۃ ص۴۸۰

تو ان کا امیر کہے گا آیئے! ہمیں نماز پڑھایئے، وہ فرمائیں گے نہیں، تم ہی آپس میں ایک دوسرے کے امام ہو، یہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو عزت بخشی ہے۔

بعض روایات میں حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کی صراحت بھی موجود ہے جیساکہ ارشادِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰت میں ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَنْزِلُ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ فَیَقُوْلُ اَمِیْرُھُمُ الْمَھْدِیُّ تَعَالِ صَلِّ بِنَا..... الخ یعنی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نازل ہوں گے تو ان کے امیر مہدی (رضی اللہ عنہ) کہیں گے آیئے! ہمیں نماز پڑھایئے

مذکورہ بالا ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصّلوات کی روشنی میں ملتِ اسلامیہ کو پُرعزم رہنا چاہیئے اور اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہیئے کہ وہ دن دُور نہیں جب کفر و طغیان کے پہاڑ ہٹ جائیں گے اور ظلم و ستم کے بادل چھٹ جائیں گے..... کفر کا منہ کالا ہوگا اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

بشرطیکہ ہم حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سچے وفادار اور حقیقی مسلمان بن جائیں۔ جیساکہ آیۂ کریمہ لَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ [1] سے عیاں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کا اجمالی تذکرہ کر دیا جائے تاکہ قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ ہو۔

حضرت عیسیٰ کا مختصر تعارف

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السّلام خدا کے برگزیدہ بندے اور اولو العزم رسول ہیں اُنکی

---

[1] آل عمران ۱۳۹

پیدائش ایک معجزہ اور خدا کی قدرت کا عظیم اظہار ہے۔ عالمِ شیر خوارگی میں ہی اپنی عبدیت اور نبوّت کا اعلان فرمایا۔ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے۔ مُردوں کو باذنِ اللہ زندہ کرتے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیتے تھے۔ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیہ والثناء کی آمد کی نوید جانفزا سنائی۔ بنی اسرائیل نے جب انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو حق تعالیٰ نے ان سے بشری علائق کو سلب فرما کر زندہ آسمان پر اُٹھا لیا۔ اب قربِ قیامت دمشق کی جامع مسجد میں صبح کے وقت نزول فرمائیں گے اور حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز فجر ادا فرمائیں گے، دجال کی پیٹھ میں نیزہ مار کر اسے واصلِ جہنم کریں گے۔ صلیب توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے، جتنے غیر مسلم ہوں گے وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لیں گے۔ روئے زمین پر صرف دینِ اسلام ہی ہوگا جیسا کہ نزول عیسیٰ (علیہ السلام) کے متعلق ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت وَيُهْلِكُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ[1] سے واضح ہے۔ امن و آشتی کا ایسا دور دورہ ہوگا کہ بچے سانپ سے کھیلیں گے، شیر اور بکری ایک ساتھ چریں گے اور کوئی کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ آپ نکاح بھی فرمائیں گے، اولادِ امجاد بھی ہوگی، چالیس برس دنیا میں جلوہ افروز رہنے کے بعد ان کا وصال ہوگا۔ تجہیز و تکفین کے بعد مسلمان نماز جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کریں گے اور گنبد خضریٰ کے نیچے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونگے

حضرت امام مہدی کا مختصر تعارف

وارثِ کمالاتِ محمدیہ، حاملِ نسبتِ صدیقیہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ سیدۃ عالمین حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ذریت میں سے نجیب الطرفین سید ہوں گے۔

---

[1] ابو داؤد ص ۲۳۸ ج ۲

آپ کا اسم گرامی محمد اور والد کا نام عبد اللہ ہو گا۔ آپ مدینہ منورہ میں متولد ہوں گے آپ کے بدن کی رنگت عربوں جیسی اور جسمانی ساخت اسرائیلیوں جیسی ہوگی۔ دائیں رخسار پر تل ہو گا، چہرہ انور درخشاں ستارے کی مانند چمکے گا۔ جب زمین پر کفر و الحاد، فتنہ و فساد اور ظلم و بربریت حد سے تجاوز کر جائیگی اور اسلام حرمین طیبین تک ہی محدود ہو کر رہ جائے گا تو مکہ مکرمہ میں دورانِ طواف ہاتفِ غیب سے ندا آئے گی "یہ مہدی ہیں ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرو" لوگ ان کی بیعت کریں گے، لوگوں کو آپ کی محبت پلا دی جائیگی، آپ کے پاس دو صحیفے ہوں گے جن میں قیامت تک کے لیے آپ کے متبعین و مخالفین کے نام درج ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھوں اسلام کو فتح و نصرت اور سطوت و شوکت عطا فرمائے گا۔ حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام دائیں بائیں ان کے ہمرکاب ہوں گے اس لیے جو بھی آپ کے مدمقابل آئے گا خائب و خاسر ہو گا۔ آپ احکامِ شرعیہ کی تنفید، عساکرِ اسلامیہ کی تجہیز اور سُنّتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت کی ترویج فرمائیں گے۔ اسلامی لشکروں کو کامیابی نصیب ہوگی، روئے زمین پر دین اسلام کو غلبہ و چرچا اور بالادستی حاصل ہوگی، کفار و یہود اور ہنود مردود کا خاتمہ ہو جائے گا، زمین اناج و خزانے اُگل دے گی، ہر طرف عدل و انصاف اور خوشحالی ہوگی۔ آپ سات یا نو سال تک حکومت فرمانے کے بعد وصال فرما جائیں گے اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھنے کا شرف حاصل کریں گے۔ کَذَا صُرِّحَ فِیْ کُتُبِ الْحَدِیْثِ وَغَیْرِھَا

بیّنات

◎ واضح رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد شریعت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت کی اتباع و شیوع فرمائیں گے کیونکہ شریعتِ اسلامیہ جملہ سابقہ ادیان کی ناسخ ہے

◎ یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ قربِ قیامت مہدی کامل علی الاطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہوں گے۔ ان کا مرتبہ پیغمبر مرسل ہونے کی بنا پر حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ،

سے بدرجہا زیادہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرنے کی وجہ سے ان کے مراتبِ عالیہ کی تنقیص اور حضرتِ امام مہدی کی ان پر ترجیح و تفضیل کے خدشہ کے پیشِ نظر غالباً حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لَا مَھْدِیَ اِلَّا عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ[1] فرمایا جس سے مطلق نفی مراد نہیں بلکہ فضیلت کی نفی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی مہدی فضیلت میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے مثل نہیں ہو سکتا۔

◎ اہلِ سُنّت و جماعت کے نزدیک حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ، کے ظہور کی پیشین گوئی ارشاداتِ نبویہ (علیٰ صاحبہا الصّلوات) اور آثارِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے ثابت ہے اس لیے ان کی آمد پر ایمان لانا واجب ہے۔ آپ کی تشریف آوری پر آپ کی اطاعت کرنا لازم اور آپ کی تکذیب کرنا کفر ہوگا جیسا کہ احادیثِ مبارکہ: فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِیْعُوْا[2] اور مَنْ كَذَّبَ بِالْمَهْدِیْ فَقَدْ كَفَرَ[3] سے واضح ہے۔

◎ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ معصوم نہیں بلکہ محفوظ ہوں گے۔ عقائدِ اہلسنّت کے مطابق صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی ذوات ہی معصوم ہیں۔

◎ تمام سلاسلِ طریقت میں صرف سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، سے ہے اسی لیے نقشبندی حضرات پر حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کے کمالات زیادہ ظاہر ہوتے ہیں اور نسبتِ صحو کا غلبہ رہتا ہے حضرت امام مہدی موعود رضی اللہ عنہ، اسی نسبتِ صدیقیہ کے حامل ہوں گے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تتمیم و تکمیل فرمائیں گے۔ چنانچہ حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ رقمطراز ہیں:

انگارم کہ حضرتِ مہدی موعود کہ باکملیّتِ ولایت معہود است نیز بر این نسبت خواہد بود و تتمیم و تکمیل این سلسلہ علیہ خواہد فرمود[4]

---

[1] عقائد تورپشتی [2] الحاوی للفتاوٰی ص ۷۶/۲ [3] الحاوی للفتاوٰی ص ۸۳/۲ [4] دفتر اوّل مکتوب ۲۵۱

دفتر اوّل مکتوب ۲۲

مکتوب الیہ

حضرت جباری خان رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

حق تعالیٰ بے چون و بے چگون ہے ۔ نبوّت ولایت سے افضل ہے

صفات باری تعالیٰ اور حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ

متابعت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰت کے درجات سبعہ

ولایت خاصۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت

مکتوب ۔ ۷۷

حق تعالیٰ بے چون و بے چگون ہے

متن عبادتِ خدائے بیچون و بیچگون جَلَّ سُلطَانُہٗ، وقتے میسّر شود کہ از رِقیّتِ تمام ماسوٰی آزاد شدہ قبلۂ توجہ جُز ذاتِ اَحدیّت ہیچ نماند

ترجمہ: بے مثل و بے کیف خدائے جلّ سلطانہٗ کی (خالص) عبادت اس وقت میسّر ہوتی ہے جب کہ ماسوی اللہ کی بندگی سے آزاد ہوکر توجّہ کا قبلہ، ذاتِ احدیّت کے سوا اور کچھ نہ رہے۔

شرح

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ رقمطراز ہیں کہ حق تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت اس وقت میسّر آتی ہے جب سالک ماسوی اللہ کی غلامی سے آزاد ہوکر حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتار ہوجائے۔ اس کی علامت حق تعالیٰ کی طرف سے اِنعام و اِیلام کا سالک کے لیے مساوی ہوجانا ہے اور اگر عبادت، انعام کے حصول اور ایلام سے نجات پانے کے لیے کی جائے تو یہ عبادت ناقص ہوگی کیونکہ اس قسم کی عبادت درحقیقت اپنے نفس کی نجات کے لیے ہے۔

ع
تا تو در بندِ خویشتن باشی
عشق گوئی دروغ زن باشی

لیکن جب سالک ولایتِ خاصہ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے حصول کے ذریعے فنائے مطلق سے مشرّف ہوجائے اور اس کی ذاتِ حق بلا کیف جَلّ سلطانہٗ تک رسائی ہوجائے اس وقت اسے خالص بندگی نصیب ہوتی ہے اور اس کی عبادت خالص حق تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ایلام کو مرغوب جاننا ہر کسی کا مقام نہیں بلکہ بعض محبوبوں کا خاصہ ہے لہٰذا اس مرتبے میں وہ انعام و ایلام ہر دو کو یکساں سمجھتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بے چون و بے چگون کی قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سُہولت رہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیقُ۔

بے چُون و بے چگون بے چون کا معنیٰ بے مثل اور بے چگون کا معنی بے نمون و بے کیف ہے۔ در اصل بے چون و بے چگون صفاتِ سلبیہ میں سے ہیں اور علمِ کلام کی مصطلحات ہیں۔ بنیادی طور پر صفات باری تعالیٰ کی دو قسمیں ہیں صفاتِ سلبیہ اور صفاتِ ثبوتیہ۔

۱۔ صفات سلبیہ وہ صفات ہیں جو خدا تعالیٰ کی ذات میں موجود نہیں بلکہ اس سے مسلوب ہیں جیسا کہ آیۂ کریمہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ[1] سے ثابت ہے۔

۲۔ صفات ثبوتیہ وہ صفات جو خدا تعالیٰ کی ذات میں موجود اور ثابت ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں صفاتِ ذاتیہ اور صفاتِ فعلیہ

صفات ذاتیہ خدا تعالیٰ کی حقیقی اور کمالی صفات کو کہتے ہیں جن کا ذاتِ اقدس

---

[1] الشوریٰ ۱۱

سے اِنفکاک محال ہے۔ متکلّمینِ ماتریدیہ رحمہم اللہ اجمعین کے نزدیک ان کی تعداد آٹھ ہے جنہیں صفاتِ ذاتیہ حقیقیہ ثمانیہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ حیات، علم، کلام، سمع، بصر ارادہ، قدرت اور تکوین جب کہ اشاعرہ کے نزدیک ان کی تعداد سات ہے، صفتِ تکوین ان میں شامل نہیں۔

صفاتِ ذاتیہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱.... وہ صفات جو وجودِ خارجی رکھتی ہیں جیسے صفاتِ ثمانیہ متعارفہ

۲.... وہ صفات جن کا وجود خارجی نہیں بلکہ انتزاعی اور اعتباری ہے جیسے ازلیّت، ابدیّت، قِدم، بقا اور غنا وغیرہا

وَهِيَ الَّتِي يَتَوَقَّفُ ظُهُوْرُهَا عَلٰى وُجُوْدِ الْخَلْقِ[1]۔

صفاتِ فعلیہ یعنی یہ وہ صفات ہیں جن کا ظہور وجودِ خلق پر موقوف ہے اور یہ صفات ذاتیہ کے آثار ہیں۔ یعنی ایسی صفات جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو صفاتِ فعلیہ کہلاتی ہیں جیسے خدا تعالیٰ رحیم ہے اس کی ضد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ قہّار بھی ہے صفات فعلیہ کی مثالیں، تخلیق، ترزیق، تصویر، احیاء، اماتۃ وغیرہا ہیں[2]

صفاتِ باری تعالیٰ اور حضرت امام ربّانی

حضرت امامِ ربانی قدس سرّہٗ کے نزدیک صفاتِ باری تعالیٰ کی تین اقسام ہیں

قسمِ اوّل : صفاتِ اضافیہ ہیں جیسے خالقیّت اور رازقیّت

قسمِ دوم : صفات حقیقیہ ہیں لیکن وہ اپنے اندر اضافت کا ایک رنگ رکھتی ہیں جیسے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

---

[1] شرحِ فقہ اکبر لعلی قاری ص۲۱ [2] تہذیب العقائد و شرح فقہ اکبر وغیرہا۔

قسمِ سوم : حقیقتِ محض ہے جیسے حیات، پس اس میں اضافت کا کوئی امتزاج نہیں ہے۔ اضافت سے ہماری مراد عالم یعنی دنیا کے ساتھ تعلق ہونا ہے۔ تیسری قسم تینوں قسموں میں سب سے اعلیٰ اور تمام اقسام کی جامع ترین ہے اور اُمہاتِ صفات میں سے ہے۔ صفت علم اپنی جامعیت کے باوجود صفت حیات کے تابع ہے[1]۔

حضرت امام اعظم کا بیچون اور بیچگون کے متعلق مؤقف

امام الائمہ حضرت امام اعظم ابُو حنیفہ رضی اللہ عنہ، خالق کی مخلوق کے ساتھ اور مخلوق کی خالق کے ساتھ عدمِ مشابہت کے متعلق رقمطراز ہیں۔

لَا يُشْبِهُ شَيْئًا مِّنَ الْاَشْيَاءِ مِنْ خَلْقِهٖ وَلَا يُشْبِهُهٗ شَيْءٌ مِّنْ خَلْقِهٖ[2]

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی کوئی چیز مخلوق میں سے اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔

کیونکہ مخلوق ممکنُ الوجود ہے اور اللہ تعالیٰ واجبُ الوجود، صَمَدْ اور غنی ہے جب کہ مخلوق ہر لحاظ سے اس کی محتاج اور اس کے ساتھ مشابہت و مماثلت سے عاجز ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ[3] اور لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[4] سے عیاں ہے حق تعالیٰ کے متعلق اس کے برعکس اعتقاد رکھنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے جیسا کہ حضرت نعیم بن حماد فرماتے ہیں مَنْ شَبَّهَ اللّٰهَ بِشَيْءٍ مِّنْ خَلْقِهٖ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ اَنْكَرَ مَا وَصَفَ اللّٰهُ بِهٖ نَفْسَهٗ فَقَدْ كَفَرَ[5]

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، نے صفات باری تعالیٰ کے بیچگون اور بے کیف ہونے کے متعلق یوں تصریح فرمائی ہے۔

---

[1] مبدأ و معاد منہا ۵۹ [2] فقہ اکبر [3] محمد ۳۸ ص [4] الشوریٰ ۱۱ [5] شرح فقہ اکبر لعلی قاری ص ۱۵

صِفَاتُہٗ (تَعَالٰی) فِی الْاَزَلِ بِلَا کَیْفٍ[1] اللہ تعالیٰ کی صفات ازل سے ہی بے کیف ہیں یعنی ان کی کیفیت مجہول ہے۔ بس ان پر ایمان لانا واجب ہے اور اُن کے بارے میں بحث کرنا بدعت ہے۔ لٰہذا کفِّ لسان ہی اَسْلَم و بہتر ہے۔

حق تعالیٰ کی ذات وصفات بیچون ہیں

حضرت امام ربانی قدّس سرّہٗ ذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق رقمطراز ہیں۔

او تعالیٰ بذات و صفاتِ خود یگانہ است، ذات و صفاتِ او مخالف اند مرذات وصفاتِ مخلوقات را و بہیچ وجہ مناسبت ندارند، پس او سبحانہ منزّہ باشد از مثل یعنی از مماثلِ موافق واز ندّ یعنی از مماثلِ مخالف و در معبودیّت و صانعیّت و واجبیّت او را تعالیٰ شانہٗ شریک نیست[2]

ترجمہ: حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بالکل یگانہ ہے اس کی ذات وصفات مخلوقات کی ذات وصفات سے قطعاً مختلف ہیں اور کسی طرح بھی ان سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ لٰہذا حق سبحانہٗ "مثل" یعنی مماثلِ موافق سے بھی منزّہ ہے اور "ندّ" یعنی مماثلِ مخالف سے بھی۔ حق تعالیٰ شانہٗ، کے معبود ہونے، صانع ہونے اور واجب ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

حضرت امام ربانی قدّس سرّہٗ ایک مقام پر ذات وصفات حق کیساتھ مماثلت کی نفی کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (اس کی مثل کی طرح بھی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے) حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بلیغ ترین انداز پر اپنی ذات سے مماثلت کی نفی فرمادی ہے کیونکہ اس آیت میں اپنے مثلِ مثل (یعنی مثل جیسی

---

[1] فقہ اکبر [2] معارف لدنیہ معرفت ۱۶

چیز) کی نفی فرمائی گئی ہے، حالانکہ مقصود اپنے مثل کی نفی کرنا تھا مطلب یہ ہے کہ جب اس کے مثل کا بھی مثل نہیں ہو سکتا تو اس کا مثل تو بطریق اولیٰ نہیں ہوگا لہٰذا کنایۃً اصل مثل کی نفی ہوگئی کیونکہ یہ کنایہ صریح کے مقابلے میں بلیغ ترین ہے جیسا کہ علمائے بیان نے اس کو ثابت کیا ہے اور اس کے متصل ہی وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ فرمایا جس سے مقصود صفاتی مماثلت کی بھی نفی کر دینا ہے جیسا کہ پہلے حصے (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) سے مماثلت ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ حق سبحانہٗ ہی سمیع اور بصیر ہے کسی دوسرے کو سمع اور بصر حاصل نہیں ہے۔ یہی حال باقی صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ اور کلام وغیرہا کا ہے۔ پس مخلوقات میں صفات کی صورت پائی جاتی ہے۔ انکی حقیقت نہیں پائی جاتی ہے[1]

حق تعالیٰ کا مثل نہیں ہو سکتا مثال ہو سکتی ہے

حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ کے نزدیک حق تعالیٰ سبحانہٗ کا مثل نہیں ہو سکتا البتہ مثال ہو سکتی ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں۔

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ مثل سے منزّہ ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (کوئی چیز اس کی مانند نہیں) لیکن علماء نے مثال اور مثل کو جائز قرار دیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ تعالیٰ کے لیے بلند ترین مثال ہے) ارباب سلوک اور اصحاب کشوف کو مثال ہی سے تسلّی دیتے ہیں اور خیال سے آرام بخشتے ہیں، بیچون کو چون کی مثال سے ظاہر کرتے ہیں، وجوب کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں۔ بے چارہ سالک، مثال کو عین صاحب مثال خیال کرتا ہے اور صورت کو عین ذی صورت۔ یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے احاطہ کی صورت کو اشیاء میں دیکھتا ہے اور اس احاطہ کی مثال کو جہان میں مشاہدہ کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ احاطہ کی حقیقت دکھائی دے رہی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے،

---

[1] معارف لدنیہ معرفت ۲۱

بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ بیچون اور بیچگون ہے اور اس سے منزّہ و پاک ہے کہ وہ شہود (مشاہدہ) میں آسکے اور کسی پر ظاہر ہو جائے ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق سبحانہٗ ہر چیز کو محیط ہے لیکن ہم اس کے اس احاطہ کو نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے ، اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ اس احاطہ کی شبیہ اور مثال ہے۔ حق تعالیٰ کے قرب اور اس کی معیّت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے کہ جو کچھ مشاہدہ اور کشف میں آتا ہے وہ ان کی شبیہ اور مثال ہے اس کی حقیقت نہیں ہے بلکہ ان تمام باتوں کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے یہ ہمارا ایمان ہے کہ حق تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ کے اس قرب اور معیّت کی حقیقت کیا ہے ، ممکن ہے کہ جو حدیث نبوی علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰت والتسلیمات میں آیا ہے کہ یَتَجَلّٰی رَبُّنَا ضَاحِکاً (ہمارا پروردگار ہنستے ہوئے ظاہر ہوگا) وہ صورت مثالی کے اعتبار سے ہوگا کیونکہ کمالِ رضا و خوشنودی کا حصول ، مثال میں ہنسنے کی صورت میں ہی دکھایا جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہاتھ ، چہرہ ، قدم اور انگلی کا اطلاق بھی مثالی صُورت کے اعتبار سے ہی ہو۔ میرے پروردگار نے مجھے ایسی ہی تعلیم دی ہے۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

بلینہ نمبر ۱ متکلّمینِ ماتریدیہ کے نزدیک صفات فعلیہ قدیم ہیں جب کہ متکلّمینِ اشاعرہ کے ہاں یہ صفات حادث ہیں ارباب تدقیق کے نزدیک یہ نزاع ، نزاع لفظی ہے در اصل فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا فعل اس کی صفتِ ازلی ہے اور مفعول جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فعل متعلق ہے وہ مخلوق اور حادث ہے لہٰذا اس کا فعل تو قدیم ہے مگر مفعول جس کے ساتھ وہ فعل متعلق ہے وہ حادث ہے جیسے کلامِ نفسی قدیم ہے مگر کلام لفظی حادث ہے (وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ)

بلینہ نمبر ۲۔ واضح رہے کہ بعض وحدت الوجودی صوفیاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان موجودیّت

لے مبدأ و معاد منہا ۶۰

میں بھی شریک کی نفی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو موجود نہیں جانتے۔ ان کا اِستشہاد (دلیل) ان کا کشف ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس قول سے بہت سے اصولِ دین کا انہدام لازم آتا ہے اور بعض اصولِ دین کو اس قول سے تطبیق دینے میں انہوں نے تکلفات سے کام لیا ہے۔ لیکن ان کی پوری کی پوری مطابقت میں کلام ہے بعض دیگر اصولِ دین تو بالکل تطبیق کے قابل ہی نہیں ہیں جیسے واجب تعالیٰ جلّ وعلا کی صفات کی نفی کی بحث[1]

نبوّت ولایت سے افضل ہے

متن گفتہ اند ولایت نبی افضل است از نبوّتِ او

ترجمہ: بعض (اہل سکر) بزرگوں نے کہا کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے

شرح

حضرت امام ربّانی قدس سرّہ یہاں ایک اہم مسئلے کو بیان فرما رہے ہیں۔

دراصل اس مسئلہ میں صوفیائے کرام کی آراء مختلف ہیں

◎ مُطلق ولایت نبوّت سے افضل ہے۔

◎ نبی کی ولایت اس کی نبوّت سے افضل ہے جیسا کہ حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرّہ اَلْوَلَایَۃُ اَعْلٰی مِنَ النُّبُوَّۃِ کی توجیہہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ولی تابع ہوتا ہے اور

---

[1] معارف لدنیہ معرفت ۱۶

نبی متبوع، تابع متبوع سے کبھی بھی اعلیٰ نہیں ہوسکتا بلکہ اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوّت سے افضل ہے[1]

◎ حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ علمِ کلام کے مجتہد ہیں نیز آپ کے لیے استدلالی علوم ومعارف کشفی بنا دیئے گئے ہیں اس لیے آپ کا مؤقف متکلمینِ اہلِ سُنّت کے موافق ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں، نبوّت افضل باشد از ولایت خواہ ولایتِ نبی باشد خواہ ولایتِ ولی[2]۔ نبوّت ولایت سے افضل ہے خواہ ولایت نبی کی ہو یا ولی کی۔

ایک مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں؛

بعض مشائخ نے حالتِ سکر میں کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دیگر مشائخ نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تاکہ نبی پر ولی کے افضل ہونے کا وہم رفع ہو جائے لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ نبی کی نبوّت اس کی ولایت سے افضل ہوتی ہے (مقامِ) ولایت میں تو (ولی) تنگیٔ سینہ کے باعث توجہ خلق کی طرف نہیں کی جاسکتی لیکن نبوّت میں کمال انشراح صدر کی وجہ سے نہ تو حق سبحانہٗ کی طرف متوجّہ ہونا مخلوق کی طرف توجہ سے مانع ہوتا ہے اور نہ ہی خلق کی طرف توجہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے مانع ہوتی ہے نبوّت میں صرف مخلوق ہی کی طرف توجہ نہیں ہوتی تاکہ ولایت کو جس میں رُخ حق کی طرف ہوتا ہے نبوّت پر ترجیح دیں عیاذاً باللہ سبحانہٗ، صرف مخلوق کی طرف رُخ رکھنا عوام کالأنعام کا مرتبہ ہے شانِ نبوت اس سے بہت بلند و برتر ہے اس معنی (حقیقت) کا سمجھنا اربابِ سُکر پر دشوار ہے مستقیم الاحوال اکابر ہی اس معرفت کے ساتھ ممتاز ہیں[3]

ایک مکتوب میں اس مسئلہ کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

بعض مشائخ کا یہ کلام اَلْوَلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النُّبُوَّۃِ از قبیلِ سُکر ہے ان کا خیال

---

[1] ملخصاً از فصوص الحکم کلمہ عزیزیہ [2] دفتر اوّل مکتوب ۹۵ [3] دفتر اوّل مکتوب ۱۰۸

ہے کہ ولایت میں رُخ حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور نبوّت میں توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ مخلوق کی طرف توجہ کرنے سے خالق کی طرف توجہ کرنا افضل ہے بعض مشائخ نے اس جملے کی توجیہہ یوں کی کہ نبی کی ولایت اس کی نبوّت سے افضل ہے

اس فقیر کے نزدیک اس قسم کی باتیں دور از کار اور فضول ہیں کیونکہ نبوت میں رخ صرف مخلوق کی طرف ہی نہیں ہوتا بلکہ مخلوق کی طرف توجّہ کے باوجود حق تعالیٰ کی طرف بھی توجہ رہتی ہے یعنی اس کا باطن حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ جس شخص کی تمام تر توجہ مخلوق کی طرف ہی ہو وہ تو بدبختوں میں سے ہے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات تمام موجودات میں سب سے بہتر ہیں لہٰذا بہترین دولت و نعمت بھی انہی کا حصہ ہے ولایت نبوت کا جزو ہے اور نبوت کل ہے یہی وجہ ہے کہ نبوت ہی افضل ہے خواہ نبی کی ولایت ہو یا ولی کی ولایت [1]

ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

ولایتِ ولی جزوے ست از اجزائے ولایتِ نبی او علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ولی را ہر چند درجاتِ علیا میسّر شود آں درجات جزوے ست از اجزائے درجاتِ آں نبی خواہد بود، جزو ہر چند عظمت پیدا کند کمتر از کل خواہد بود کہ "اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ" قضیۂ بدیہیہ است احمقے باشد کہ کلانیٔ جزو را تخیل نمودہ از کل افزوں داند کہ کل عبارت ازاں جزو از اجزائے دیگر است [2]

ولی کی ولایت اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت کا جز ہوتی ہے ولی کو خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجات حاصل ہو جائیں پھر بھی وہ درجات اس نبی کے درجات کا ایک جز ہی ہوتے ہیں، جزو خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے پھر بھی کل سے کم ہی رہے گا۔ کیونکہ اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ۔ یعنی کل ہمیشہ اپنے جزو سے بڑا ہے ایک بدیہی قضیہ ہے۔ وہ شخص احمق

---

[1] دفتر اوّل مکتوب ۹۵ [2] مبدأ و معاد منہا ۵۸

ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ جزو کل سے بڑا ہوتا ہے کیونکہ کل کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ دوسرے اجزاء کے علاوہ اس میں یہ جزو بھی موجود ہے۔

بلینہ نمبر ۳ واضح رہے کہ تفضیلِ ولایت کے قائلین صوفیاء کا یہ بیانِ حال ہے بیانِ عقیدہ نہیں اور ان کا یہ قول سکرِ وقت اور غلبۂ حال کی بنا پر ہے اس لیے وہ معذور ہیں۔

بلینہ نمبر ۴ حضرت شیخ ابو نصر طوسی رحمۃ اللہ علیہ تفضیلِ ولایت کے قائلین کو فرقہ ضالّہ قرار دینے کے بعد رقمطراز ہیں۔

وَالْوِلَايَةُ وَالصِّدِّيْقِيَّةُ مُنَوَّرَةٌ بِاَنْوَارِ النَّبُوَّةِ فَلَا تُلْحِقُ النُّبُوَّةَ اَبَدًا فَكَيْفَ تُفَضَّلُ عَلَيْهَا[1] یعنی ولایت اور صدیقیت انوارِ نبوت سے منور ہیں اس لیے یہ نبوت سے ابد تک ملحق نہیں ہو سکتیں تو یہ نبوت سے افضل کیسے ہو سکتی ہیں۔

بلینہ نمبر ۵ تمام ولایتوں (ولایت صغریٰ، ولائت کبریٰ اور ولایت علیا) کے کمالات مقام نبوّت کے کمالات کے ظلال ہیں اور وہ تمام کمالات خاص ان کمالات کی حقیقت کے لیے شبیہہ اور مثال کی مانند ہیں۔ دریائے محیط کو بھی قطرہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ہوتی ہے لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود ہے مگر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ مقام نبوت کو مقام ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسی کہ غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے[2]

بلینہ نمبر ۶ تفضیلِ ولایت کے قائلین صوفیاء کی کمالات نبوّت تک رسائی نہیں ہوئی اور وہ ان کمالات سے بہرہ ور نہ ہونے کی وجہ سے ان کی معلومات نہیں رکھتے اسی بناء پر انہوں نے ولایتِ انبیاء کو ان کی نبوّت سے بہتر جانا مگر وہ حضرات جنہیں کمالات، نبوت تک رسائی حاصل ہوگئی ہے وہ ولایت انبیاء کو ان کی نبوت کا زینہ پلتے ہیں۔

بلینہ نمبر ۷ حضرت امامِ ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام کی ولایت حق تعالیٰ کے ظلال صفات سے تعلق رکھتی ہے ولایت انبیاء صفات سے مرلوط ہے

---

[1] کتاب اللمع [2] دفتر اوّل مکتوب ۲۶۰

اور ولایت ملاءِ اعلیٰ شیونات ذاتیہ سے ربط رکھتی ہے لیکن نبوت انبیاء ذاتِ حق تعالیٰ کی معرفت سے ممتاز ہے بقیہ تمام ولایتیں اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ وصول سے قاصر ہیں ان تشریحات و توضیحات سے واضح ہوگیا کہ مقام نبوت، عالی ترین مقامات سے ہے مقام ولایت اس مقام سے قیاس کے قابل ہی نہیں وہ صوفیائے کرام جنہوں نے مقام ولایت کو مقام نبوت سے بلند قرار دیا ہے یہ ان کی نارسائی کی بناء پر ہے اگر ان کی کمالات نبوت تک رسائی ہوجاتی تو اس قسم کی باتیں نہ کرتے۔

ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

متن سَبَبُ عَدَمِ الْوُصُوْلِ اِلٰی تِلْكَ الْوِلَایَةِ الْقُصُوْرُ فِیْ کَمَالِ مُتَابَعَتِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَلِلْقُصُوْرِ دَرَجَاتٌ فَلَاجَرَمَ حَصَلَ التَّفَاوُتُ فِیْ دَرَجَاتِ الْوِلَایَةِ وَلَوْ تَیَسَّرَ کَمَالُ الْاِتِّبَاعِ لَاَمْکَنَ الْوُصُوْلُ اِلٰی تِلْكَ الْوِلَایَةِ

ترجمہ: اس ولایت (خاصہ محمدیہ) تک نہ پہنچنے کا سبب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال متابعت میں کمی ہے اور اس کمی کے بہت سے درجات ہیں اس لیے ولایت کے درجات میں تفاوت ہوجاتا ہے اور اگر آپ کی کمال اتباع میسر ہوجائے تو آپ کی ولایت تک پہنچنا ممکن ہے۔

شرح

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ

تک وصول نہ ہونے کی وجہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کامل اتباع میں کمی کو قرار دے رہے ہیں چونکہ متابعت کے مختلف درجے ہیں اس لیے سالکین کو حاصل ہونے والے درجاتِ ولایت میں تفاوت ہوجاتا ہے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے سات مراتب و درجات اور ہر درجے کی دوسرے درجے پر فضیلت کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

متابعتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوات) آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے

کے درجاتِ سبعہ کئی درجات و مراتب رکھتی ہے۔

درجۂ اول عوام اہلِ اسلام کا ہے یہ تصدیق قلبی کے بعد اطمینانِ نفس سے قبل جوکہ درجہ ولایت سے مربوط ہے احکامِ شرعیہ کی بجا آوری اور سنّتِ سنیّہ کی اتباع ہے علمائے ظواہر، عابد اور زاہد حضرات جن کا معاملہ ابھی تک اطمینانِ نفس تک نہیں پہنچا سب اس درجہ میں مشترک ہیں۔ اس متابعت صُوری کے حصول میں سب برابر ہیں۔ چونکہ نفس اس مقام میں کفر و انکار سے آزاد نہیں ہوتا تو لازمی طور پر یہ خاص درجہ صرف متابعت کی صورت رکھتا ہے متابعت کی یہ صورت حقیقی متابعت کی مانند آخرت کی فلاح اور خلاصی کا موجب عذابِ نار سے نجات دلانے والی اور دخولِ جنّت کی بشارت سنانے والی ہے۔ حق تعالیٰ نے کمالِ کرم سے انکارِ نفس کا اعتبار نہ کرکے صرف تصدیقِ قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق کے ساتھ مربُوط فرما دیا ہے۔

درجۂ دوم میں آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان اَقوال و اعمال کی متابعت ہے جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں جیسے اخلاق کی تہذیب، صفاتِ رذیلہ کی مدافعت، باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا ازالہ کرنا ہے۔ متابعت کا یہ درجہ مقامِ طریقت سے متعلق اور ان اربابِ سلوک سے مخصوص ہے جو طریقہ صوفیاء کو شیخ مقتدا سے اخذ کرکے سیر الی اللہ کی وادیوں اور بیابانوں کو قطع کرتے ہیں۔

درجۂ سوم آن سرور علیہ وعلیٰ الہٖ الصلوٰۃ والسلام کے اَحوال، اَذواق اور مواجید کی متابعت ہے جو ولایتِ خاص کے مقام سے تعلق رکھتا ہے اور یہ درجہ ان اربابِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہوں۔

درجۂ چہارم متابعت کا یہ وہ درجہ ہے کہ پہلے درجے میں اس متابعت کی صورت تھی یہاں اس متابعت کی حقیقت ہے متابعت کا یہ درجہ علمائے راسخین شکرَ اللہُ تعالیٰ سَعْیَہُمْ کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینان نفس کے بعد حقیقتِ متابعت کی دولت سے متحقّق ہیں۔ اولیاء اللہ قدّس اللہُ تعالیٰ اَسْرارَھُم کو تمکینِ قلب کے بعد اگرچہ ایک طرح کا اطمینانِ نفس حاصل ہوجاتا ہے لیکن نفس کو کمال درجۂ اطمینان کمالاتِ نبوّت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے یہ کمالات علمائے راسخین کو بطریقِ وراثت حاصل ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ میں عارف مقطّعاتِ قرآنیہ کے اسرار کے فہم اور کتاب و سنّت کے متشابہات کی تاویل سے فائز المرام ہوتا ہے۔ یہ خیال نہ کریں کہ یہ تاویل یَد (ہاتھ) کی قدرت اور وَجہ (چہرہ) کی تاویل ذات سے کرنے کی مانند ہے کیونکہ یہ تاویل علم ظاہر سے پیدا ہوتی ہے ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اسرارِ خاصہ ہیں جو بالاِصالت انبیائے کرام علیہم السلام کا حصہ ہیں اور وراثۃً صدّیقین اور اولیاء کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اس دولتِ عظمیٰ تک پہنچنا دوسرے راستوں کی نسبت ولایت کی راہ سے زیادہ آسان اور اَقرب ہے اور وہ سنّتِ سَنیّہ کا التزام اور بدعتِ نامرضیّہ کے اسم و رسم سے اجتناب ہے۔ آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے، کیونکہ سارا جہاں دریائے بدعت میں غرق اور سُنّت نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوات سے دُور ہے۔

درجۂ پنجم آنسرور علیہ وعلیٰ الہٖ الصلوٰت والسلام کے صرف ان کمالات کا اتّباع ہے جن کے حصول میں علم و عمل کا کوئی دخل نہیں بلکہ ان کمالات کا حصول محض فضلِ ربّانی اور احسانِ رحمانی پر موقوف ہے۔ یہ درجہ اس قدر بلند ہے کہ سابقہ درجات کو اس درجہ سے ادنیٰ نسبت بھی نہیں ہے یہ کمالات بالاصالت اُولوالعزم انبیائے عظام علیہمُ السّلام کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے طفیل بعض اولیائے کرام کو ان کمالات سے مشرّف فرماتے ہیں۔

درجہ ششم آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مقامِ محبوبیّت کے ساتھ مخصوص ہیں جس طرح درجۂ پنجم میں کمالات کا فیضان محض فضل واحسان پر تھا اسی طرح اس درجۂ ششم میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے، جو کہ تفضّل واحسان سے فوق ہے یہ درجہ اگرچہ بالاصالت حضور اکرم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ مخصوص ہے لیکن حضور اکرم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تبعیّت میں اولیائے صدّیقین میں سے اقلّ قلیل کو نصیب ہوتا ہے۔

پہلے درجہ کے علاوہ متابعت کے یہ پانچ درجات مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان کا حصول بھی صعود (عروج) سے ہی مربوط ہے۔

درجۂ ہفتم متابعت کا یہ درجہ ہبوط ونزول سے متعلق ہے اور یہ درجہ سابقہ درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقامِ نزول میں تصدیقِ قلبی بھی ہے اور تمکینِ قلبی بھی، نفس کا اطمینان بھی اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے، جو طغیان وسرکشی سے باز آگئے ہیں سابقہ درجات گویا اس درجۂ متابعت کے اجزا تھے اور یہ درجہ ان اجزا کے کل کی مانند ہے اس درجہ میں پہنچ کر تابع متبوع کے اس قدر مشابہ ہو جاتا ہے کہ دُور سے دیکھنے والا خیال کرتا ہے کہ یہ دونوں (تابع ومتبوع) متحد ہو گئے ہیں اور ان دونوں کے درمیان امتیاز ختم ہو گیا ہے۔ کامل تابعدار وہ شخص ہے جو ان سات درجات سے آراستہ ہو۔[1]

(رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِحَقِیْقَۃِ الْمُتَابَعَۃِ الْمَرْضِیَّۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالْبَرَکَۃُ وَالتَّحِیَّۃُ)

ولایتِ خاصۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ولایت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ولایتِ عامہ اور ولایتِ خاصہ، ولایتِ عامہ سے مطلق ولایت مراد ہے اور ولایت خاصہ

---

[1] ملخصاً از دفتر دوم مکتوب ۵۴ ومکتوباتِ سعیدیہ مکتوب ۸۵

سے ولایتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ مراد ہے ولایت خاصہ میں فنائے تام اور بقائے اکمل حاصل ہو جاتی ہے جو شخص بھی اس نعمتِ عظمیٰ سے مشرف ہوتا ہے اس کا بدن اطاعت حق سبحانہٗ میں مطیع ہو جاتا ہے اسلام حقیقی کے لیے اس کا شرح صدر ہو جاتا ہے اور اس کا نفس امّارگی ولوامگی (شرارت وشرمندگی) سے آزاد ہو کر مطمئنہ ہو جاتا ہے اور راضیہ مرضیہ کے مرتبہ پر فائز المرام ہو جاتا ہے۔ یہ ولایت عُروج ونزول کے دونوں طرفوں میں ولایت کے تمام مراتب سے ممتاز اور جُدا ہے۔

عُروج کی طرف اس وجہ سے کہ لطیفۂ اخفیٰ کی فنا اور بقا ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصَّلوات کے ساتھ مختص ہیں. جب کہ بقیہ تمام ولایتوں کا عُروج تفاوتِ درجات کے اِعتبار سے لطیفۂ خفی تک محدود ہے۔ نیز حضرت محمد مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کی ولایت جمیع انبیائے کرام وجملہ رُسل عظام علیہم الصَّلوات والتسلیمات کی ولایتوں سے افضل ہے اسی طرح ان بزرگواروں (خواجگان نقشبندیہ علیہم الرحمۃ والرضوان) کی ولایت بھی دیگر جملہ اولیائے کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہُم کی ولایتوں سے بالاتر ہے اور بالاتر کیوں نہ ہو جب کہ ان کی ولایت حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کی طرف منسوب ہے [1]

ولایتِ خاصہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱..... ولایت خاصہ بمعنائے عام

یہ جمیع انبیائے کرام علیہمُ الصلوات کی ولایت ہے اس ولایت میں عارف بواسطہ فنا وبقا خواہشاتِ نفسانی سے رہائی پالیتا ہے۔

۲..... ولایتِ خاصہ بمعنائے خاص

یہ تنہا حضور اکرم علیہ التحیۃ والثناء کی ولایت ہے اور یہ ولایت کا انتہائی درجہ ہے۔

بینہ نمبر ۸۔ تمام مومن ولایتِ عامہ میں شریک ہیں حق تعالیٰ تمام مومنوں کو ولی اور دوست رکھتا

---

[1] ملخصاً از دفتر اول مکتوب ۲۱، ۱۳۵

ہے جیساکہ آیہ کریمہ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا[1] سے عیاں ہے اس ولایت کو ولایتِ ایمان بھی کہا جاتا ہے اگرچہ یہ ولایت ایک نعمتِ عظمٰی ہے لیکن اس میں انسان خواہشاتِ نفسانی سے رہائی نہیں پاسکتا اور اسکا ایمان فقط ایمانِ قلبی ہی ہوتا ہے جب کہ ولایتِ خاصہ کے مراتب میں نفس کو بھی ایمان نصیب ہوجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ ولایت ایک قربِ خاص ہے اسے ولایتِ احسان بھی کہتے ہیں جیساکہ ارشادِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ[2] سے واضح ہے حضرت امامِ ربانی قدس سرہٗ ایک مقام پر ولایتِ خاصہ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْوِلَایَۃَ الْخَاصَّۃَ الْمُحَمَّدِیَّۃَ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَخْصُوْصَۃٌ بِالْمَجْذُوْبِیْنَ السَّالِکِیْنَ الَّذِیْنَ سُمُّوْا بِالْمُرَادِیْنَ وَلَیْسَ لِلْمُرِیْدِیْنَ بِحَسَبِ اِسْتِعْدَادَاتِہِمُ الذَّاتِیَّۃِ مِنْہَا نَصِیْبٌ وَنَعْنِیْ بِالْمُرِیْدِیْنَ الَّذِیْنَ تَقَدَّمَ سُلُوْکُہُمْ عَلٰی جَذْبَتِہِمْ اِلَّا اَنْ یُّرَبِّیَ الْمُرَادُ الْمَحْبُوْبُ الْمُرِیْدَ الْمُحِبَّ وَیَتَصَرَّفُ فِیْہِ وَیَجْذِبُہٗ بِکَمَالِ تَصَرُّفِہٖ نَحْوَ جَذْبِہٖ کَمَا ھُوَ حَالُ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہٗ فَاِنَّہٗ سَالِکٌ مَجْذُوْبٌ وَصَلَ اِلٰی وِلَایَۃِ الْخَاصَّۃِ بِتَرْبِیَتِہٖ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَکَمَالِ تَصَرُّفِہٖ فِیْہِ وَجَذْبِہٖ اِیَّاہُ بِخِلَافِ الْخُلَفَاءِ الثَّلٰثِ الْمُتَقَدِّمَۃِ عَلَیْہِ فَاِنَّ جَذْبَہُمْ مُقَدَّمٌ عَلٰی سُلُوْکِہِمْ کَمَا ھُوَ حَالُ حَضْرَۃِ الرِّسَالَۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ فَاِنَّ جَذْبَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مُقَدَّمٌ عَلٰی سُلُوْکِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا یُتَوَہَّمُ اَنَّ کُلَّ مَجْذُوْبٍ سَالِکٍ یَصِلُ اِلٰی تِلْکَ الْوِلَایَۃِ کَلَّا بَلْ لَوْ وُجِدَ وَاحِدٌ مِّنَ الْوُفٍ مِّنْہُمْ کَذٰلِکَ بَعْدَ

---

[1] البقرہ ۲۵۷ [2] بخاری ص ۱۲/۱

قُرُوْنٍ مُتَطَاوِلَةٍ لَاغْتَنَمَ وُجُوْدَهٗ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ[1]

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ ولایت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات مجذوب سالکوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کو مرادین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مریدین کو ان کی ذاتی استعدادات کے لحاظ سے اس (ولایت) سے کوئی حصہ نہیں ملتا مریدین سے ہماری مراد وہ حضرات ہیں جن کا سلوک ان کے جذب پر مقدم ہو. سوائے اس مراد محبوب کے جو کسی مرید محبّ کی خصوصی تربیّت فرمائے اور اس میں تصرّف سے کام لے اور اسے کمالِ تصرّف سے ایسا جذب عطا کر دے جو خود اس مراد کے جذب کی مانند ہو جیساکہ امیر المومنین علی بن ابی طالب کرّم اللہ وجہہ کا معاملہ تھا بے شک وہ بھی سالک مجذوب تھے۔ لیکن وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیّت اور ان میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کمالِ تصرّف کی بنا، پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جذب فرمالیا تھا ولایت خاصہ کے درجہ تک پہنچ گئے تھے۔ بخلاف خلفائے ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) کے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے ہوئے ہیں کیونکہ ان کا جذب ان کے سلوک پر مقدّم ہے بعینہٖ اسی طرح جیساکہ حضرت رسالت مصطفویہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کا حال ہے کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا جذب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلوک پر مقدم ہے اور اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ ہر مجذوب سالک ولایت خاصہ تک پہنچ سکتا ہے ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ اگر ان ہزارہا مجذوب سالکوں میں سے کئی صدیوں کے بعد ایک شخص بھی ایسا پایا جائے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیئے ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔

بیّنہ نمبر ۹ : یہ امر مستحضر رہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبعین اور صاحبانِ

---

[1] معارف لدنیہ معرفت ۲۲

ولایتِ خاصۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات وراثۃً اور تبعیۃً غیر محمدی المشرب سالک مجذوبوں کو تصرف فرما کر دائرہ ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں داخل فرما سکتے ہیں جیسا کہ امام ربانی قدس سرہٗ نے اپنے صاحبزادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کو ولایت موسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات سے کھینچ کر ولایتِ خاصۂ محمدیہ کے دائرہ میں داخل کر دیا تھا۔[1]

---

[1] دفتر اوّل مکتوب ۲۲۴

دفتر اوّل ۔ مکتوب ۷۸

مکتوب الیہ

حضرت جباری خان رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

سیر آفاقی ۔ سیر انفسی

حق تعالیٰ بندے کے احوال سے آگاہ ہے

مکتوب ۔۷۸

متن چند روز است کہ از سفر دہلی و آگرہ مراجعت واقع شدہ است وبوطن مالوف آرامی حاصل گشتہ

ترجمہ: چند دن ہوئے کہ دہلی اور آگرہ کے سفر سے واپسی ہوئی ہے اور اپنے وطنِ مالُوف میں آرام حاصل ہوا ہے۔

شرح

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربّانی قدس سرّہٗ ظاہری و مکانی سفر سے سفرِ سلوک کی طرف انتقال کو لطیف اشارہ میں بیان فرما رہے ہیں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ کے اس فرمان کی دو تعبیریں ہو سکتی ہیں ایک تعبیر ظاہری اور دوسری تعبیر باطنی و معنوی

۱۔۔۔ تعبیرِ ظاہری سفرِ دہلی و آگرہ سے عبارت ہے

۲۔۔۔ تعبیرِ معنوی سیرِ آفاقی و سیر انفسی سے عبارت ہے

سیر کی دو قسمیں ہیں سیر آفاقی اور سیر انفسی

سیرِ آفاقی سالک کا اپنے وجود سے باہر عالمِ مثال اور زمین و آسمان وغیرہا میں انوار و تجلّیات کا مشاہدہ کرنا سیرِ آفاقی ہے بالفاظِ دیگر ماسوٰی کی محبتوں، دنیوی لذتوں کا ترک اور ماسوی اللہ کا فراموش ہو جانا سیرِ آفاقی ہے۔

سیرِ انفسی اپنے نفس کی محبت سے سالک کا آگے گذر جانا، اخلاقِ رذیلہ کا اخلاقِ حسنہ سے بدل جانا اور اپنے وجود میں انوار و تجلیات اور قدرتِ حق کے نشانات کا مشاہدہ کرنا سیرِ انفسی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ [1] سے واضح ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جذبہ سیرِ انفسی اور سلوک سیرِ آفاقی کے مترادف ہے نیز طریقتِ نقشبندیہ میں جذبہ سلوک سے مقدم ہے حالانکہ حضرت امامِ ربانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ معرفت آفاق میں تھی اور یہ معرفت انفس میں ہوتی ہے۔

سوال مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ اجمعین کے نزدیک سیرِ انفسی، سیرِ آفاقی سے مقدم ہے جب کہ حضرت امام ربّانی قدس سرّہٗ کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرِ آفاقی سیرِ انفسی پر مقدم ہے ان متضاد اقوال کی کیا وجہ ہے

جواب طریقتِ نقشبندیہ میں جذبہ سلوک پر مقدم ہے اس سے مراد جذبہ بدایت (جذبہ اولیٰ) ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جذبہ سیرِ انفسی کے مترادف ہے اس سے جذبہ ثانی مراد ہے نہ کہ جذبہ اولیٰ، جذبہ اولیٰ سیرِ آفاقی سے مقدم ہے اور جذبہ ثانی جو سیرِ انفسی کے مترادف ہے سیرِ آفاقی سے مؤخر ہوتا ہے جذبہ اولیٰ عینِ جذبہ نہیں بلکہ صورتِ جذبہ ہے اس لیے حضرت امام ربّانی قدّس سّرہٗ فرماتے ہیں کہ طریقت نقشبندیہ میں ابتداء ہی میں سیرِ انفسی کی چاشنی کا ایک نمونہ چکھا دیا جاتا ہے یعنی ابتداء میں جذبہ کا نمونہ (جذبہ بدایت) دے دیتے ہیں نہ کہ عینِ جذبہ (جذبہ نہایت) جو سیرِ انفسی کے مترادف ہے اور سیرِ آفاقی سے مؤخر ہے جو سیر فی اللہ میں دیتے ہیں نیز اس مکتوب میں بھی صراحت فرمائی گئی ہے کہ طریقت نقشبندیہ میں بھی سیرِ آفاقی، سیرِ انفسی کی نسبت مقدم واقع ہوتی ہے اور بعض رسائل میں بھی ایسا ہی ہے تاکہ سالک ممکنات

---

[1] الذاریات ۲۱

میں سیر کر سکے یعنی عرش تک سیر آفاقی ہے اور اس کے بعد جو سیر عالمِ ارواح اور اسماء و صفات میں ہوتی ہے وہ سیرِ فی اللہ اور سیرِ انفسی ہے۔

متن حق سبحانہٗ و تعالیٰ بر احوال جزئی و کلّی او مطّلع است و حاضر و ناظر

ترجمہ: حق سبحانہٗ و تعالیٰ اس کے جزئی اور کلّی حالات سے آگاہ اور حاضر و ناظر ہے۔

شرح

حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ یہاں اس امر کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ بندے کا خالق اور مالک ہے اور اس کے ہر قسم کے اطوار و حالات سے واقف ہے اور اس کی ناشائستہ حرکات و سکنات کو ملاحظہ بھی فرما رہا ہے اس لیے ایسی عظیم و برتر ہستی کے سامنے قبیح افعال کے ارتکاب اور ناپسندیدہ اعمال سے اجتناب کرنا چاہیے تاکہ کل قیامت کے روز اسے پشیمان اور شرمندہ نہ ہونا پڑے

بلینہ نمبر ا واضح رہے کہ علماء اعلام اور مفسّرین کرام کے نزدیک حق تعالیٰ کے لیے حاضر و ناظر کا استعمال حقیقی اور لغوی اعتبار سے جائز نہیں البتہ تاویلاً اور مجازاً اطلاق جائز ہے لہٰذا حاضر علیم اور ناظر بصیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور علیم اور بصیر حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ ہیں جیسا کہ آیات کریمہ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ[1] اور اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ[2] سے واضح ہے۔

---

[1] البقرہ ۲۹ ، [2] الاسراء ۱

بلینہ نمبر ۲ واضح رہے کہ نبی اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناضر ہونے کا انکار جائز نہیں کیونکہ یہ مسئلہ کتاب و سنت اور اہل کشف کے مکشوفات و مشاہدات سے ثابت ہے اہلِ اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف قابل افسوس ہے اللہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کو حق پر استقامت عطا فرمائے۔

بلینہ نمبر ۳ واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو حاضر و ناظر کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت مطہرہ ہر جگہ اور ہر ایک کے سامنے موجود ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ عالم کا ذرہ ذرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت و نورانیت کی جلوہ گاہ ہے اور روحانیت و نورانیت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے لیے قرب اور بُعدِ مکان یکساں ہے کیونکہ عالمِ خلق زمان و مکان کی قید سے مقید ہوتا ہے لیکن عالمِ امر ان قیود سے پاک ہے لہٰذا ایک وقت متعدد مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف فرما ہونا اور ایک ہی وقت میں دور دراز مقاماتِ کثیرہ اور اَمکنۂ متعددہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلُ اللہ کا دیکھنا اور کھلم کھلا بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا دلائل کی روشنی میں ایسا واضح امر ہے کہ جس کا انکار کوئی متدین مسلمان نہیں کر سکتا۔[1]

---

[1] تسکین الخواطر

دفتر اوّل مکتوب ۷۹

مکتوب الیہ

حضرت جباری خان رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ اسماء و صفات کے جامع اور مظہر ہیں

جامعیتِ قرآن۔ شریعت محمدیہ کی جامعیت

مکتوب - ۹۷

متن چونکہ مقرر شدہ است کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامعِ جمیعِ کمالاتِ اسمائی و صفاتی است و مظہرِ جمیع اینہا بر سبیلِ اعتدال

ترجمہ: چونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حق تعالیٰ کے) تمام اسمائی وصفاتی کمالات کے جامع ہیں اور ان سب (اسماء وصفات) کے اعتدال کے طور پر مظہر ہیں۔

شرح

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ اسماء وصفات کے کمالات کا جامع ومظہر قرار دیا ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ اقدس میں تمام صفاتِ عالیہ اور سافلہ کا ظہور ہوا لیکن دیگر انبیائے عظام علیہم السلام ان اوصاف کے جامع نہیں ہیں بقول شاعر ؎

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دراصل اس مسئلہ میں حضرت ابن عربی قدس سرہٗ اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی آراء مختلف ہیں:

◎ حضرت ابن عربی قدس سرہٗ کا مؤقف ہے "جمع محمدی اجمع است از جمع بے پایانِ الٰہی جلّ سلطانہ[1]" جمع محمدی بے پایانِ الٰہی جلّ سلطانہ، سے اجمع (زیادہ جامع) ہے

---

[1] دفتر اوّل مکتوب ۱۷

یعنی حضرت شیخ اکبر قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وجوب اور امکان کے جامع ہیں کیونکہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ممکنات میں سے ہیں اور صفاتِ واجب تعالیٰ (حیات و علم وغیرہا) بھی ان کی ذات مبارک میں ظاہر ہیں۔ حضرت ابن عربی قدس سرّہٗ نے امکان و وجوب کو جمع کرنے کا نظریہ یوں بیان فرمایا ہے وَصُوَرُ الْعَالَمِ لَا یُمْکِنُ زَوَالُ الْحَقِّ عَنْہَا اَصْلًا[1] یعنی عالم کی صورتوں سے حق تعالیٰ کا جُدا ہونا ہرگز ممکن نہیں۔

◎ حضرت امام ربّانی قدس سرّہٗ کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم جملہ اسماء و صفات کے کمالات کے جامع و مظہر ہیں۔

حق تعالیٰ کی صفات اپنے کمال تقدّس و تنزّہ کی وجہ سے صفاتِ ممکنات سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں جیساکہ حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں: صفاتِ واجب الوجود جلّ سُلطانہٗ ..... از کمالِ تقدّس و تنزّہ ہیچ نسبتے بصفاتِ ممکن ندارند ..... والیضاً صفاتِ ممکن حکمِ میّت دارند و جماد محض اند[2]

لیکن حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی خلقت صفاتِ اضافیہ سے ہے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا وجود مبارک عالم ممکنات سے نہیں ہے بلکہ اس عالم سے فوق ہے یہی وجہ ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا سایہ نہ تھا چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

بکشفِ صریح معلوم گشتہ است کہ خلقت آنسرور علیہ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلوٰاتُ و التّسلیماتُ ناشی ازین امکان ست کہ بصفاتِ اضافیہ تعلق دارد نہ امکانے کہ در سائر ممکناتِ عالم کائن است و ہرچند بدقّتِ نظرِ صحیفۂ ممکناتِ عالم را مطالعہ نمودہ می آید وجود آنسرور آنجا مشہود نمیگردد بلکہ منشأ خلقت و امکانِ او عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ وجود صفات اضافیہ و امکانِ شان محسوس میگردد و چون وجودِ آنسرور عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ در عالم

---

[1] فصوص الحکم کلمہ نوحیہ [2] دفتر سوم مکتوب ۱۱۳

ممکنات نباشد بلکہ فوقِ این عالم باشد ناچار اور اسا یہ نبود[1]

اسی مکتوب میں ایک مقام پر یوں رقمطراز ہیں:

باید دانست کہ خلقِ محمدی در رنگ خلق سائر افرادِ انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افرادِ عالم مناسبت ندارد کہ او صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ باوجودِ نشأ عُنصری از نورِ حق جَلَّ وَعَلَا مخلوق گشتہ است کَمَا قَالَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ و دیگران را این دولت میسر نشدہ است

ترجمہ:- جاننا چاہیئے کہ خلقِ محمدی (علٰی صاحبہا الصلوات) دوسرے افرادِ انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ افرادِ عالم میں سے کوئی فرد اُن کی پیدائش سے مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم باوجود عنصری پیدائش کے نُورِ حق جلّ وعلا سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا خُلِقْتُ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ (میں اللہ تعالیٰ کے نُور سے پیدا کیا گیا ہوں) اور دوسروں کو یہ دولت حاصل نہیں ہوئی۔

سردارِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صفت العلم اور شان العلم کا مظہر ہیں جو دیگر صفات سے فوق تر ہیں چنانچہ حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ رقمطراز ہیں:

پس علم را با ذاتِ عالم اتحادے ست و اضمحلالے کہ غیر او را نیست ازینجا قربِ احمد با احد باید دریافت چہ واسطہ کہ درمیان دارد و آن صفتِ علم ست امر یست کہ اتحاد مطلوب دارد پس حجابیت را دران جا چہ گنجائش و ایضاً علم را حسنے ست ذاتی کہ غیر او را ز صفات این حسن ثابت نیست لہٰذا بزعم این فقیر محبوب ترین صفات واجبی نزدِ حق جَلَّ وَعَلَا صفۃ العلم ست و چون حسن آن شائبہ بے چونی دارد حس در ادراک آن قاصر است ادراکِ تام آن حسن مربوط بنشأ آخرت است کہ موطن رویت ست چون خدا را عزوجل بہ بینند جمالِ محمد را دریابند ہر چند درین نشأ دو ثلث حُسن بحضرت یوسف مسلّم شد و ثلث باقی

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۱۰۰

بہمہ تقسیم شد اما دران نشأ حُسن حسنِ محمدی ست وجمال جمالِ محمدی ست عَلَیْہِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ کہ محبوبِ خداوند است جلّ سلطانہ، چگونہ حسنِ دیگرے را با حسنِ او مشارکت بود کہ حُسن او بواسطۂ اتحادیّت بمطلوب حُسنِ عین مطلوب ست و دیگرے را چون اتحاد نیست آن حُسن نیست پس خلقتِ محمدی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ باوجودِ حُدُوث مستند بقِدَمِ ذات گشت تعالیٰ و امکانِ او نیز منتہی بوجوبِ ذات شد تعالیٰ وحُسن او حُسنِ ذات آمد تعالیٰ کہ شائبۂ غیر حسن بروے کائن نیست چون چنین شد ناچار متعلق بہ محبّت جمیل مطلق گشت و محبوبِ او آمد سُبْحَانَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ [1]

ترجمہ: پس علم کو ذاتِ عالِم کے ساتھ ایسا اتحاد اور نیستی ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے اس جگہ احمد کا احد کے ساتھ قُرب دریافت کرنا چاہیئے کہ کونسا واسطہ ان کے درمیان ہے وہ صفتِ علم ہے وہ ایک ایسا امر ہے جو مطلوب کے ساتھ اتحاد رکھتا ہے لہٰذا حجاب کو اس جگہ کیا گنجائش ہو سکتی ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ علم کا ایک ذاتی حُسن ہے کہ دوسری صفات کے لیے یہ حُسن ثابت نہیں ہے لہٰذا اس فقیر کے خیال کے مطابق صفات واجبی میں سے محبوب ترین صفت حق تعالیٰ کے نزدیک صفتُ العلم ہے اور چونکہ اس کا حُسن بے چُونی کی آمیزش رکھتا ہے لہٰذا حسّ اس کے ادراک سے قاصر ہے اس حُسن کا کامل ادراک آخرت کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ مقامِ رؤیت ہے جب خدا تعالیٰ کے دیدار سے مشرّف ہوں گے تو جمال محمدی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو بھی پالیں گے...... اگرچہ اس دُنیا میں دوتہائی حُسن حضرت یُوسف علیہ السلام کے لیے مسلّم ہے باقی تیسرا حصّہ تمام میں تقسیم ہوا ہے لیکن عالمِ آخرت میں حُسن صرف حُسنِ محمدی ہے اور جمال بھی صرف جمالِ محمدی عَلَیْہِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ محبوبِ خدا ہیں دوسرے

---

[1] دفترِ سوم مکتوب ۱۰۰

حسن کو آپ کے حُسن کے ساتھ کس طرح مشارکت ہو سکتی ہے کیونکہ آپ کا حُسن مطلوب کے حُسن کے ساتھ اتحادیّت کے واسطے سے عین مطلوب ہے اور چونکہ دوسروں کے لیے یہ اتحاد نہیں ہے اسلئے ایسا حُسن بھی نہیں ہے پس خلقتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصّلوٰۃ والسّلام باوجود حادث ہونے کے ذات تعالیٰ کے قِدم کے ساتھ مستند ہوئی اور آپ کا امکان بھی وجوب ذات تعالیٰ کے ساتھ منتہی ہوا اور آپ کا حُسن حُسن ذات تعالیٰ ہوا کہ اس میں غیر حُسن کی آمیزش نہیں جب ایسا ہو گیا تو لازماً آنحضرت صلّی اللّٰہ علَیْہِ وسلَّم کی محبت جمیلِ مُطلق کی محبّت سے متعلق ہو گئی اور آپ اللّٰہ تعالیٰ کے محبوب ٹھہرے فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ (بیشک اللّٰہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے)

حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ نقل فرماتے ہیں کہ سردارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا حسن ملیح تھا اور حضرت یُوسف علیہ السّلام کا حُسن صبیح تھا جیساکہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ اَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحُ وَاَنَا اَمْلَحُ[1] سے ظاہر ہے۔ حسن صبیح تو ادراک میں آجاتا ہے مگر حسن ملیح ادراک میں نہیں آتا حضرت یوسف علیہ السّلام کی صباحت نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو شیدا بنا دیا جب کہ سردارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنی ملاحت کی وجہ سے محبوبِ خدا ٹھہرے۔

شیخ الاسلام حضرت شیخ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللّٰہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے

ؔ فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

ترجمہ: سو وہی ہیں کہ کمالات باطنی اور ظاہری ان پر ختم ہیں پھر حبیب بنالیا ہے ان کو خلقت کے پیدا کرنے والے نے۔

---

[1] مدارج النبوّۃ

بلینہ نمبر ۱ واضح رہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ محبت ہے جو محبّ کو اپنی ذات کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک محبت وہ ہے جو غیر سے تعلق رکھتی ہے پہلی قسم کی محبت ذاتی ہے جو محبت کی اقسام میں سب سے بلند ہے کیونکہ کوئی شخص بھی کسی چیز کو اس قدر محبوب نہیں رکھتا جتنا کہ اپنی ذات کو، اور محبت کی یہ قسم اَحکم و اَوثق ہے جو کسی عارض کے پیش آنے کی وجہ سے زوال پذیر نہیں ہوتی نیز اس محبت کا متعلق محبوب صرف ہے جو محبیّت کا شائبہ نہیں رکھتی بخلاف محبت کی دوسری قسم کے کہ وہ عارضی اور زوال پذیر ہے اور اس کا متعلق بھی ایک حیثیت سے محبوب ہے لیکن متعدد وجوہ سے محبّیت بھی رکھتا ہے اور چونکہ خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کا حسن وجمال حضرت ذات تعالیٰ کے حُسن وجمال سے مستند ہے تو لازمی طور پر پہلی قسم کی محبت جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہے وہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے متعلق ہو گی اور ذات سُبحانہٗ کی مانند اس محبت کے تعلق کی وجہ سے نبی اکرم صلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم بھی محبوب محض ہوئے چونکہ دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہے اور حُسنِ ذات سے بہت تھوڑا حصہ رکھتے ہیں لہٰذا دوسری قسم کی محبت ان سے تعلق رکھتی ہے اور ایک وجہ سے اُن کو محبوب بناتی ہے پس محبوبِ مطلق حضور صلّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم ہی ہیں جو کہ محبّ کی ذات کی مانند ہمیشہ محبوب ہیں [1]

بلینہ نمبر ۲ صوفیاء کے نزدیک حقائقِ اشیاء اَعیانِ ثابتہ ہیں جو اسماء الٰہی جلّ سُلطانہٗ کی صورِ علمیہ ہیں نہ کہ اسماء الٰہی اپنی ذات کے ساتھ اور اس عالم کو انہوں نے صورِ علمیہ کا ظہور کہا ہے اگرچہ مجازی طور پر اس کو اسماء کا ظہور بھی کہتے ہیں بلکہ کسی چیز کی علمی صورت بھی ان کے نزدیک اس شئی کا عین ہوتی ہے نہ کہ اس شئی کی مثال اور نظیر اور وہ جو اس فقیر نے آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت کے متعلق کہا ہے وہ اسمِ الٰہی جلّ سلطانہٗ کے نفس (ذات) کا ظہور ہے نہ کہ اس اسم کی صورتِ علمی کا ظہور کسی چیز کی نفس

---

[1] دفتر سوم مکتوب ۱۰۰

شئ اور صورتِ علمیہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے اگر آتش کو اس کی صورتِ علمیہ میں تصور کرتے ہیں تو اس میں وہ روشنی اور چمک کہاں ہے جو اس آتش کے کمال و جمال کا باعث ہے اور صورتِ علمی میں وہ آتش کی مثال اور شبیہہ سے زیادہ اور کچھ موجود نہیں ہے[1]

بلینہ نمبر ۳ غیر محمدی المشرب سالکین جو دیگر انبیائے کرام علیہم السّلام کے مشرب پر ہوتے ہیں ان کا نہایت عروج مقامِ خفی تک ہوتا ہے جب کہ محمدی المشرب صوفیاء کا نہایتِ عروج مقامِ اخفیٰ تک ہوتا ہے جب عارف ماسوی اللہ کے تعلقات سے رہائی حاصل کر لیتا ہے اور اغیار کے پردے پھاڑ کر آگے گذر جاتا ہے تو وہ کمالاتِ وجوبی کا مظہر بن جاتا ہے۔ بعض عارف کمالاتِ عالیہ کے مظہر ہوتے ہیں اور بعض کمالاتِ سافلہ کے یعنی عارفین انوار و مراتب و مشارب میں یکساں نہیں بلکہ متفاوت ہوتے ہیں.

بلینہ نمبر ۴ یہ امر ذہن نشین رہے کہ عالم کا حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کی مظہریّت و مرأتیّت سے مراد یہ ہے کہ وہ اسماء و صفات کی صورتوں کا مظہر اور آئینہ ہے نہ کہ اسماء و صفات کے آئینے کیونکہ اسم بھی مسمّٰی کی مانند کسی آئینے میں محدود نہیں ہو سکتا اور صفت بھی (اپنے بے مثل) موصوف کی طرح کسی مظہر میں مقید نہیں ہو سکتی ہے ؎

در تنگنائے صُورت معنی چگونہ گنجد
در کلبۂ گدایاں سُلطاں چہ کار دارد

؎ صورت کے تنگ گھر میں معنی کہاں سے آئے
منگتے کی جھونپڑی کیوں بادشاہ جائے[2]

بلینہ نمبر ۵ صُوفیائے وجودیہ رحمہم اللہ ممکن کو عین واجب اور مخلوق کو ذات کا آئینہ قرار دیتے ہیں جب کہ حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ کے نزدیک ذاتِ حق اور مخلوق میں عینیّت نہیں، غیریّت ہے اور مخلوق کے مظہر اور آئینہ ہونے کا مفہوم سوائے دال[3] اور

---

[1] دفترِ سوم مکتوب ۱۰۰ [2] دفترِ اوّل مکتوب ۲۸۷

مدلول کے اور کچھ بھی نہیں ہوسکتا ہے جیسے تحریر محرّر کے وجود پر صنعت صانع کے وجود پر دلالت کرتی ہے ایسے ہی مخلوق خالق کے وجود پر دلیل ہے اس کے علاوہ خالق اور مخلوق میں کوئی مناسبت، مشارکت اور مشابہت نہیں ہے۔

تُو دِل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

جامعیّتِ قرآن

متن

کتابے کہ بروے منزّل شدہ است خلاصۂ جمیع کُتُبِ سماوی ست کہ بر سائرِ انبیاء علیٰ نبیّنا وعلیہمُ الصَّلوٰاتُ والتَّسلیماتُ منزّل شدہ اند

ترجمہ: جو کتاب (قرآن مجید) آپ پر نازل ہوئی ہے ان تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ ہے جو تمام انبیائے کرام علیٰ نبیّنا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات پر نازل ہوئی ہیں۔

شرح

زیرِ نظر سطور میں حضرت امام ربانی قدّس سرّہٗ قرآن مجید کو جملہ کُتُبِ سماویہ کا خلاصہ اور لب لباب قرار دے رہے ہیں کیونکہ تمام آسمانی کتابوں کے علوم ومعارف اور ثمرات و مطالب اس میں درج ہیں جیساکہ آیۂ کریمہ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ۙ فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ [1] سے عیاں ہے نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت

---

[1] البیّنہ، ۲، ۳

کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں جن میں کائنات کے تمام علوم ومعارف بیان کر دیئے پھر تمام علوم کو چار معروف کتابوں (تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید) میں جمع فرما دیا پھر ان میں سے پہلی تین کتابوں کے جملہ معارف کو قرآن مجید میں جمع کر دیا یوں یہ قرآن مجید ایسی جامع کتاب قرار پائی کہ ابن ابی الفضل المرسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جَمَعَ الْقُرْاٰنُ عُلُوْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ بِحَیْثُ لَمْ یُحِطْ بِھَا عِلْمًا حَقِیْقَۃً اِلَّا الْمُتَکَلِّمُ ثُمَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ [1]

یعنی قرآن مجید نے اوّلین وآخرین کے تمام علوم ومعارف کو اپنے اندر اس طرح جمع کر لیا ہے کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے علاوہ ان علوم کا احاطہ آج تک کوئی نہیں کر سکا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَعَلَیْہِ بِالْقُرْاٰنِ فَاِنَّ فِیْہِ خَبَرَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ [2] یعنی جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے قرآن کا دامن تھامنا ضروری ہے کیونکہ اس میں اولین وآخرین کے سارے علوم موجود ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

شریعتِ محمدیہ کی جامعیّت

متن

واعمالیکہ بمقتضائے این شریعت حقّہ است منتخب از اعمالِ شرائع سابقہ است بلکہ از اعمالِ ملائکہ نیز صلوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَسَلَامُہٗ

---

[1] الاتقان ۲/۱۲۶ [2] ایضاً

عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیۡھِمۡ چہ بعضے از ملائکہ مامور برکوع اند وبعضے دیگر بسجود وبعضے بقیام

ترجمہ: اور وہ اعمال جو اس شریعتِ حقّہ کے مطابق ہیں سابقہ شریعتوں کے اعمال میں سے چُنے ہوئے ہیں بلکہ ملائکہ کرام صلواتُ اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیٰ نبیّنا وعلیہم کے اعمال سے بھی منتخب ہیں کیونکہ بعض فرشتے حالتِ رکوع میں رہنے پر مامور ہیں اور بعض کو سجود میں رہنے کا حکم ہے۔ اور بعض قیام میں ہیں۔

شرح

زیرِ نظر سُطور میں حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ نے شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے اعمال کو گذشتہ امتوں اور مقرب فرشتوں علیہم السّلام کے اعمال کا خلاصہ اور منتخب فرمودہ عمدہ حصہ قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس کی تصدیق وتعمیل کرنے والے خَیۡرُ الۡاُمَمِ اور خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ کے لقب سے ملقّب ہوئے جیساکہ آیہ کریمہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ[1] سے واضح ہے جب کہ اس شریعتِ مُطہرہ کے منکر اور مکذب بدترین اُمم اور شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ کے نام سے موسوم ہوئے جیساکہ آیات کریمہ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَھۡلِ الۡکِتٰبِ وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا اُولٰٓئِکَ ھُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ[2] اور اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ کُفۡرًا وَّنِفَاقًا[3] سے ظاہر ہے۔

اعمال وعبادات میں سب سے افضل عبادت وعمل نماز ہے جو دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے حضرت امام ربّانی قدّس سرّہٗ نے اس کا اجمالی تذکرہ فرماکر اس روایت

---

[1] البیّنہ، ۷ [2] البیّنہ، ۶ [3] التوبہ، ۹۷

کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب فجر کے وقت حضرت آدم علیہ السّلام کی توبہ قبول ہوئی تو انھوں نے (بطور شکرانہ) دو رکعت نماز ادا کی اس طرح نماز فجر کی ابتداء ہوئی اور جب ظہر کے وقت حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذبیحہ مینڈھے کی صورت میں قبول ہوا تو انھوں نے چار رکعات ادا کیں اس طرح نماز ظہر کی ابتدأ ہوئی اور جب حضرت عزیر علیہ السلام سو سال کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے تو ان سے کہا گیا کَمْ لَبِثْتَ (کتنی دیر آپ یہاں پڑے رہے) آپ نے کہا ایک دن لیکن جب آپ نے سورج کو دیکھا تو فرمایا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ تو آپ نے چار رکعات ادا فرمائیں اس طرح نماز عصر کی ابتداء ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی مغفرت بوقت مغرب ہوئی تو آپ چار رکعات ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ لیکن شدّتِ گریہ کے باعث تین رکعات پڑھ کر تھک گئے تو اس طرح نماز مغرب تین رکعات قرار پائی اور نماز عشاء سب سے پہلے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ادا فرمائی (سابقہ امتوں میں نماز عشاء نہ تھی)[1]

بلینہ نمبر ۶ واضح رہے کہ جدّ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جس فرزند ارجمند کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ کون ہیں حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق علیہما السلام ہمارے نزدیک دونوں حضرات قابلِ احترام اور لائق تعظیم ہیں اور ہم دونوں پر ایمان رکھتے ہیں لیکن علمی دلائل اور تاریخی شواہد کی روشنی میں جمہور اہل اسلام اور محققین کا مؤقف یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں مُشتے نمونہ از خروارے صرف چند دلائل نذرِ قارئین ہیں؛

◎ قرآنِ کریم میں ابتلائے مبین میں کامیابی پر ذبح عظیم کا مژدہ سنانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السّلام کی ولادت و نبوّت کی بشارت دی گئی جیسا کہ آیہ کریمہ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ[2] سے ظاہر ہے جو اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہی ہیں جن کا اس سے قبل ذکر ہوا۔[3]

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۲۴/۲ [2] الصافات ۱۱۴ [3] تفسیر احکام القرآن و تفسیر مظہری

◎ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰات ہے اَنَا ابْنُ الذَّبِیحَیْنِ[1] (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں) میں پہلے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السّلام اور دوسرے ذبیح حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے والدِ گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، ہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آباؤ اجداد میں سے ہیں جن سے آپ کا شجرہ نسب جاملتا ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں حضرت اسحاق علیہ السلام نہیں (علامہ ابن جوزی نے وفا میں اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے)

◎ اسلافِ کرام کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا زعم جن روایات سے ہوتا ہے وہ انہوں نے حضرت کعب احبار سے سُنی تھیں جو گاہے بگاہے اسرائیلی روایت بھی بیان فرمایا کرتے تھے کعب احبار پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے وہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں اپنی یہودیت کے زمانہ میں بہت سی باتیں اور قصّے یہودیوں سے سُنا کرتے تھے اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے سامنے بطورِ حکایت بیان کر دیا کرتے تھے جس سے ان کی غرض یہودیوں کے اقوال اور ان کے من گھڑت قصوں کی تصدیق و توثیق کرنا نہیں ہوتی تھی حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کے بطورِ حکایت بیان کردہ انہیں اقوال اور قصوں کو اسرائیلیات کہا جاتا ہے جنہیں حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم حضرت کعب احبار سے سُن کر آگے بیان کر دیا کرتے تھے یوں وہ واقعات مسلسل نقل ہوتے چلے آئے سننے اور سنانے والے ثقہ ہوتے تھے اس لیے وہ روایات روایت کے درجہ میں تو صحیح اور ثابت قرار پائیں مگر فی نفسہا وہ منقولہ اقوال اور واقعات واقع کے مطابق نہ تھے حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی روایات بھی اسی قبیل سے معلوم ہوتی ہیں جو اسرائیلیات میں سے ہیں اور اسرائیلی روایات مردود، بے بنیاد اور ناقابلِ التفات ہیں[2]

◎ خلیفۃُ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت اسحاق

---

[1] [2] حاشیہ جلالین ذ لتبیان مع البیان

علیہ السلام کے ذبیح ہونیکا قول یہودی تحریفات میں سے ہے کیونکہ یہودی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اس لیے وہ بربنائے تعصب حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ہی مصر ہیں وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ [1]

---

[1] مزید تحقیق کے لیے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری پارہ ۲۲ ملاحظہ فرمائیں۔

دفترِ اوّل مکتوب ۸۰

مکتوب الیہ

حضرت میرزا **فتح اللہ حکیم** رحمۃ اللہ علیہ

موضوعات

اہلِ بیت کی طرف تقیہ کی نسبت دُرست نہیں

جمع وتدوین قرآن ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اجماعی بیعت

صحابہ کرام نفسانی خواہشات سے پاک تھے

مشاجراتِ صحابہ کی حقیقت ۔ بغضِ امیر معاویہ کا دل سے نکالنا

مکتوب ۔ ۸۰

متن واحتمالِ تقیّہ را در مادّۂ اَسَدُاللّٰہ راہ دادن نیز از سخافتِ عقل است عقلِ صحیح ہرگز تجویز نمے کند کہ اسد اللّٰہ باوجودِ کمال معرفت وشجاعت بغضِ خُلَفاً ثلاثہ را سی[۳۰] سال مُبطن دارند و اظہارِ خلاف آن نہ نمایند وصحبتِ نفاق بایشان دارند از ادنائے اہلِ اسلام این قسم نفاق متصوّر نیست

ترجمہ: اور تقیّہ کے احتمال (شک) کو حضرت اسدُاللّٰہ (علی المرتضیٰ رضی اللّٰہ عنہ) کے حق میں بیان کرنا بھی عقل کی کمی کی وجہ سے ہے عقلِ صحیح اس بات کو ہرگز جائز نہیں سمجھتی کہ حضرت اسداللّٰہ معرفت وشجاعت کے کمال کے باوجود خلفائے ثلاثہ کے بغض کو تیس سال پوشیدہ رکھیں اور اس کے خلاف اظہار نہ کریں اور اُنکے ساتھ منافقانہ صحبت رکھیں اِس قسم کا نفاق کسی ادنیٰ درجہ کے مُسلمان سے بھی تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔

شرح

سطورِ بالا میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ تقیّہ کی قباحت وشناعت بیان کرکے اس امر کی مذمت فرماتے ہیں کہ مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللّٰہ عنہ

کی طرف کذب بیانی، تقیّہ، دجل و فریب اور بغض و نفاق کو منسوب کیا جائے کیونکہ ایک شریف آدمی بھی اس کا تصوّر نہیں کر سکتا تو سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کینہ و کدورت اور منافقانہ روش جیسی روحانی بیماری اور اخلاقی کمزوری کے مرتکب کیسے ہو سکتے ہیں؟ (اَلْعِیَاذُ بِاللہِ سُبْحَانَہٗ)

جیساکہ روافض کا موقف ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ڈر سے اُن کی بیعت کر لی تھی اس لیے بظاہر جملہ امور واحکام میں ان کی ذوات کی تعظیم کرتے رہے مگر بباطن ان کو غلط کار و بے دین سمجھتے ہوئے ان کی بیعت کو درست نہیں جانتے تھے اس عقیدہ کو وہ تقیّہ سے تعبیر کرتے ہیں اور تمام آئمۂ اہلِ بیت کے حق میں ان کے تقیّہ کر لینے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو شخص یہ عقیدہ نہ رکھے اُسے بے دین اور بے ایمان سمجھتے ہیں۔

جبکہ شیرِ خدا سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کا درج ذیل ارشاد اس عقیدہ کی تغلیط و تردید کرتا ہے۔

اِنِّیْ وَاللہِ لَوْلَقِیْتُھُمْ وَاحِدًا وَھُمْ طِلَاعُ الْاَرْضِ کُلِّھَا مَا بَالَیْتُ وَلَا اسْتَوْحَشْتُ وَاِنِّیْ مِنْ ضَلَالِھِمُ الَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ وَالْھُدَی الَّذِیْ اَنَا عَلَیْہِ لَعَلٰی بَصِیْرَۃٍ مِّنْ نَّفْسِیْ وَیَقِیْنٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاِنِّیْ اِلٰی لِقَآءِ اللہِ وَحُسْنِ ثَوَابِہٖ لَمُنْتَظِرٌ رَاجٍ [1]

ترجمہ: یعنی خدا کی قسم اگر میں تنہا میدان کارزار میں ان (کفار) کا سامنا کروں تو مجھے ذرہ بھر بھی وحشت ہوگی نہ گبھراہٹ، اور مجھے قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہوگی اگرچہ وہ (کفار) تمام روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہوں۔ مجھے ان کی گمراہی و بے راہ روی اور اپنی ہدایت و صداقت پر بصیرت اور اپنے رب کی طرف سے یقینِ کامل حاصل

---

[1] نہج البلاغۃ ۲/۱۵۹ مطبوعہ مصر

ہے اور بیشک میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے اچھے اجر و ثواب کا منتظر اور اُمیدوار ہوں۔

حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کے مذکورہ فرمان سے واضح ہوا کہ اس قدر جرأت و شجاعت اور آگہی و معرفت کے ہوتے ہوئے آپ کیونکر کذب اور تقیہ اختیار فرما سکتے ہیں بلکہ خلفائے ثلاثہ کے ادوارِ خلافت میں آپ اعلیٰ مناصب پر فائز رہے اور مجلس مشاورت کے بنیادی ارکان میں سے تھے[1] اور آپ کے مشوروں کو ہمیشہ ترجیح و اہمیّت دی جاتی تھی جیسا کہ امیر المومنین حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، کے فرمان لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ[2] سے واضح ہے۔

◎ اسی طرح پیکرِ تسلیم و رضا، شہزادۂ گلگوں قبا حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، کی طرف بھی تقیہ کی نسبت درست نہیں اگر آپ تقیہ کے قائل ہوتے تو میدانِ کرب و بلا میں اپنے جاں نثار رفقا سمیت جامِ شہادت نوش نہ فرماتے، آپ نے رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل فرمایا اور یزید جیسے فاسق و فاجر حکمران کی بیعت نہ کی بلکہ جرأت و استقامت کا کوہِ گراں بن کر اس کا مقابلہ کیا۔ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ؎

سر داد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حُسین

متن ہم چنیں قرآن را از ہر واحدی اٰیۃً فما فَوقَھا گرفتہ جمع ساختہ اند

---

[1] جیسا کہ شیعہ حضرات کی معتبر کتب، کتاب الرجال للشیخ ابوجعفر الطوسی ۲/۱۶۷، ۱۶۹ اور علل الشرائع للشیخ الصدوق ص۱۷۱ باب ۱۳۴ پر موجود ہے۔ [2] فصل الخطاب

ترجمہ: اسی طرح ہر ایک (صحابی) سے قرآن مجید کی ایک ایک آیت یا زیادہ آیتیں لے کر جمع کیا گیا ہے۔

شرح

مذکورہ جملے میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ قرآن کریم کی جمع و تالیف اور اس کے تواتر کو بیان فرما رہے ہیں جس پر پوری ملتِ اسلامیہ اور امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) کو یقین کامل ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہر ایک صحابی سے ایک ایک یا دو دو آیتیں لے کر قرآن کو جمع کیا گیا تو یہ متواتر کس طرح ہوگا. تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک یا دو دو آیات بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یاد تھیں جو دیگر صحابہ کرام کو مستحضر نہ تھیں لیکن جس وقت یہ آیات کریمہ صحابہ کرام کے مجمع میں تلاوت کی گئیں تو ان صحابہ کرام کو بھی وہ آیات بینات یاد آ گئیں انہوں نے بھی ان آیات کریمہ کی توثیق و تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ یہ آیات ہمیں مستحضر نہ تھیں لیکن ہم نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں ہی سنا ہے۔ یوں صحابہ کرام کا آیات کریمہ کی قرآنیّت پر متفق ہو جانا معنوی تواتر ہے جو علمائے محققین کے نزدیک قابلِ قبول اور لائقِ اعتبار ہے۔

جمع و تدوین قرآن

متن گویم کہ قرآن جمع حضرتِ عثمان است بلکہ جامع فی الحقیقۃ حضرت صدیق و حضرتِ فاروق اند

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن مجید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے بلکہ درحقیقت قرآن کے جامع حضرت صدیق و حضرت فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔

شرح

سطور بالا میں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ جامعینِ قرآن کا تذکرہ فرما رہے ہیں درحقیقت قرآن کریم کی موجودہ ترتیب سے حق تعالیٰ نے خود اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ و واقف فرما دیا تھا اس لیے قرآن مجید کی ترتیب توقیفی ہے جو منجانب اللہ ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذاتی رائے یا کسی دوسرے فرد کی رائے یا قیاس واجتہاد کو کوئی دخل نہیں، اور اس امر پہ پوری امت کا اجماع ہے۔

جمع قرآن کا سلسلہ تین ادوار پہ مشتمل ہے۔

پہلا دور .... عہد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوات)

دوسرا دور .... عہد صدیقی

تیسرا دور .... عہد عثمانی

جمع قرآن عہد نبوی میں حق تعالیٰ نے قرآن مجید کو یہ اعزاز و امتیاز بخشا ہے کہ اس کی حفاظت وصیانت کا ذمہ خود اٹھایا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [۱] سے ثابت ہے اس کے بعد حق تعالیٰ نے حفاظت قرآن کے لیے اہل علم (حفاظ کرام) کا انتخاب فرما کر ان کے سینوں کے ذریعے اسے محفوظ کر دیا جیسا کہ آیہ کریمہ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ [۲] اور حدیث قدسی وَاَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ [۳] سے عیاں ہے البتہ اگر قرآن محض سفینوں (کتابوں) میں ہوتا تو اس کے گردشِ دوراں کی وجہ سے ضائع ہونے کا خطرہ تھا۔

اہلِ عرب دُنیا بھر میں حیرت انگیز قوتِ حافظہ کے مالک تھے ایک ایک

---

[۱] الحجر ۹، [۲] العنکبوت ۴۹ [۳] مسند احمد ص ۱۶۲ ج ۴

آدمی کو ہزار ہا اشعار و ابیات، خاندانوں کے شجرے اور اپنے گھوڑوں کے نسب نامے تک یاد ہوتے تھے نیز نشر و اشاعت کے وسائل و ذرائع کمیاب ہونے کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ حیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حفظِ قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور حفظ قرآن کی یہ نعمتِ عظمیٰ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت کی خصوصیات سے ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ[1] سے واضح ہے یہاں تک کہ حفاظ صحابہ کرام کی تعداد دس ہزار تھی جن میں خلفاء اربعہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے علاوہ امہات المومنین و دیگر صحابیات کے اسماء گرامی بھی کتابوں میں مذکور ہیں۔

کتابتِ قرآن

حفاظتِ قرآن کا اصل ذریعہ تو اگرچہ حافظہ ہی تھا تاہم اس کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں قرآن کریم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرما رکھا تھا چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآنی آیات کو پتھر کی سِلوں، چمڑے کے پارچوں، بانس کے ٹکڑوں، کھجور کی شاخوں، جانوروں کی ہڈیوں اور کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے جیسا کہ روایت حضرت زید بن ثابت كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ فِي الرِّقَاعِ وَالْأَكْتَافِ[2] اور روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ، كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةٌ دَعَا بَعْضًا مَنْ يَكْتُبُ فَقَالَ ضَعُوا هٰذِهِ السُّورَةَ فِي الْمَوْضَعِ الَّذِي يُذْكَرُ فِيهِ كَذَا وَكَذَا[3] سے ظاہر ہوتا ہے۔

چالیس سے زائد نفوس پر مشتمل صحابہ کرام جمع و کتابتِ قرآن کی خدمت میں مصروف و مامور تھے جنہیں کاتبینِ وحی کہا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مسجد نبوی میں ایک

---

[1] القمر، ۱۷ [2] مناہل العرفان [3] ایضاً

صندوق رکھوا دیا تھا جس میں قرآن مجید کا ہر نیا نازل شدہ حصّہ لکھوا کر رکھ دیا جاتا تھا حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال تک قرآن مجید کا کوئی حصّہ ایسا نہ تھا جو تحریری شکل میں مُسلمانوں کے پاس موجود نہ ہو اس طرح عہد رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰت) میں قرآن مجید کا ایک مکمل نسخہ تو وہ تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں مرتّب کروایا تھا تاہم وہ کتابی شکل میں نہ تھا اس کے علاوہ بعض صحابہ کرام نے بھی قرآن مجید کے لکھے ہوئے صحیفے اپنے پاس محفوظ کر رکھے تھے جو اِن کاتبین و جامعین کے نام سے کتابوں میں مذکور ہیں۔

جمع قرآن عہد صدیقی میں حضور انور علیہ السلام کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے دورِ خلافت میں مسیلمہ کذّاب کے ساتھ معرکہ آرائی میں بارہ سو کے قریب صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں سات سو حفاظ قرآن اور ستر قاری تھے جن کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان اقدس سے براہ راست سن کر لکھے ہوئے قرآن مجید کے تحریری اجزاء بھی تھے جن کا کھو جانا ایک ناقابلِ تلافی نقصان تھا۔ حفاظ صحابہ کرام کی شہادت کی وجہ سے قرآن کے ضائع ہو جانے کے خدشہ کے پیشِ نظر حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، نے حضرت سیّدنا ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو کتابی شکل میں قرآن مجید مرتّب کرنے کا مشورہ دیا پہلے تو حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے اسے عملِ رسالت سے عدم موافقت کی بناء پر انکار کر دیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ کہہ کر اس اہم کام کے کرنے پر اصرار فرمایا۔ چنانچہ قدرے تامّل پر شرح صدر ہو جانے کے بعد حضرت ابُوبکر رضی اللہ عنہ، رضامند ہو گئے [1]

کتابتِ قرآن حضرت سیّدنا ابُوبکر رضی اللہ عنہ نے کاتب وحی حضرت زید بن

---

[1] بخاری ص ۷۴۵ ج ۲

ثابت رضی اللہ عنہ، کو کتابت قرآن کی اہم خدمت پر مامور فرمایا جو اپنی جگہ پہاڑ ہلا دینے سے بھی زیادہ مشکل کام تھا جیسا کہ فَوَاللّٰہِ لَوْ کَلَّفُوْنِیْ نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَاکَانَ اَثْقَلَ عَلَیَّ مِمَّا اَمَرَنِیْ بِہٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْاٰنِ[1] سے واضح ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، نے بڑی محنت اور جانفشانی سے قرآنی آیات کو خرما کی شاخوں سنگی تختیوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جمع کیا آپ نے دوران کتابت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاص اہتمام سے لکھوائے گئے تمام مسوّدات کو پیش نظر رکھا اور پوری احتیاط کے ساتھ ایک مستند نسخہ تیار کر لیا حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے سب سے پہلے اس نسخہ کا نام ”مصحف“ تجویز فرمایا حضرت ابُوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کا جمع قرآن کا یہ عدیم المثال کارنامہ امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے جس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔ اس لیے امت میں سب سے زیادہ اجر و ثواب کے مستحق اور پہلے جامع قرآن آپ ہیں۔ جیسا کہ حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اَعْظَمُ النَّاسِ فِی الْمَصَاحِفِ اَجْرًا اَبُوْبَکْرٍ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ ھُوَ اَوَّلُ مَنْ جَمَعَ کِتَابَ اللّٰہِ[2] کتاب اللہ کا یہ نسخہ عمر بھر حضرت سیّدنا ابُوبکر رضی اللہ عنہ، کے پاس رہا آپ کے وصال کے بعد حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کی حفاظت میں آیا ان کے بعد یہ نسخہ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے سپرد کر دیا گیا۔

ترتیب کتابت میں احتیاطی تدابیر

حضرت سیّدنا ابُوبکر رضی اللہ عنہ، کے فرمان کے بعد کتابت قرآن کے سلسلہ میں حضرت زید نے نہایت دقیق اور محتاط ترین طریقہ کار اختیار فرمایا تھا جب کوئی شخص قرآن مجید کی لکھی ہوئی آیات لے کر آتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق و تحقیق فرماتے تھے۔

---

[1] بخاری ص ۷۴۵/۲ [2] کنز العمال

◎ خود حافظ قرآن تھے اس لیے سب سے پہلے اپنے حافظے اور یادداشت سے اس کی توثیق فرماتے

◎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حافظ قرآن تھے وہ بھی اپنے حافظے اور یادداشت سے اس کی توثیق فرماتے۔

◎ تحریر شدہ آیات اس وقت تک قابلِ قبول نہ ہوتی تھیں جب تک دو عادل اور صادق گواہ اس بات کی گواہی نہ دے دیتے کہ یہ آیات واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھیں۔ جیسا کہ روایت فَقَالَ (اَبُوْبَکْرٍ) لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَلِزَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اُقْعُدَا عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ فَمَنْ جَآءَ بِشَاھِدَیْنِ عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَاکْتُبَاہُ[1] سے ثابت ہے۔

حضرت لیث بن سعد سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، قرآن کے سب سے پہلے جامع ہیں اور حضرت زید بن ثابت کاتب ہیں جو دو عادل گواہوں کے بغیر کچھ نہ لکھتے تھے ہاں سورۃ براءت کا آخری حصّہ (دو آیتیں) حضرت ابوخزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ، کے پاس ملا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے اسے لکھنے کا حکم دے دیا کیونکہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دی تھی۔ جیسا کہ روایت اِنَّ اٰخِرَ سُوْرَۃَ بَرَاءَۃٍ لَمْ تُوْجَدْ اِلَّا مَعَ اَبِیْ خُزَیْمَۃَ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالَ اکْتُبُوْھَا فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَعَلَ شَھَادَتَہٗ حَتّٰی بِشَھَادَۃِ رَجُلَیْنِ[2] سے ثابت ہے

◎ لکھی ہوئی آیات کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسودات کے ساتھ موازنہ و مقابلہ کیا جاتا۔ امام ابوشامہ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد احتیاط کے علاوہ یہ بھی تھا کہ حافظہ پر اکتفا کرنے کی بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھے گئے مسودات

---

[1] کنز العمال [2] ابوداؤد ۲/۱۵۲ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور وغیرھا

پر اعتماد کیا جائے۔[1]

خصوصیات مصحف ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اس نسخہ کی درج ذیل خصوصیات تھیں۔

۱۔ اس نسخہ میں آیات قرآنیہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئی تھیں لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں بلکہ ہر سورت علیحدہ علیحدہ لکھی ہوئی تھی۔[2]

۲۔ یہ نسخہ سات قراءتوں پر جمع کیا گیا[3] جیسا کہ ارشاد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوات) اُنزِلَ القُرآنُ عَلیٰ سَبعَةِ اَحرُفٍ[4] سے سات قرأتیں ثابت ہیں۔

۳۔ یہ نسخہ خط حیری میں تحریر کیا گیا۔[5]

۴۔ اس نسخہ میں صرف وہی آیات لکھی گئی تھیں جو غیر منسوخ التلاوت تھیں۔

۵۔ اس نسخہ کی تحریر و تسوید کا واضح مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا مستند، معتمد اور قطعی الیقین نسخہ مرتب ہو جائے جس پر تمام امت کی اجماعی تصدیق اور اجتماعی توثیق ہو تاکہ امت کسی قسم کے فتنے میں مبتلا نہ ہو اور بوقت ضرورت اس نسخہ کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

جمع قرآن عہد عثمانی میں

تدوین ثالث کے اسباب و محرکات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ آبادی میں کافی اضافہ ہوا تھا اور مسلمان دور دور تک مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیل چکے تھے۔ اب غیر عرب اقوام بھی رشتہ اسلام میں منسلک ہو گئیں تھیں۔ مختلف قوموں سے اختلاط کے باعث ایک نئی ثقافت

---

[1] البرھان فی علوم القرآن [2] الاتقان [3] مشکوٰۃ: صد ۳۵ [4] مناہل العرفان [5] تاریخ القرآن

نے جنم لیا تھا۔ لہٰذا سابقہ ادوار کی نسبت اس دور میں درس و تدریسِ قرآن کی زیادہ ضرورت پیش آرہی تھی اسلامی حکومت کے ہر صوبے کے لوگ علیحدہ علیحدہ کسی مشہور صحابی کی قرات کے مطابق قرآن پڑھنے لگے۔ عرب میں قرأت (بولیوں) کے اختلاف کے لحاظ سے سات بڑے گروہ تھے اس لیے ہر قبیلہ کو اپنی قرأت کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت تھی کیونکہ اختلاف قرأت سے معانی میں کوئی بنیادی فرق نہیں آتا تھا۔ شام کے رہنے والے حضرت ابی بن کعب کی قرأت کے مطابق تلاوت کرتے، کوفہ کے مسلمان حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت پر عمل کرتے، باقی مسلمان حضرت ابوموسیٰ اشعری کی قرأت کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے چونکہ ان تینوں اصحاب کی قرأت کے طریقے مختلف تھے لہٰذا اس چیز نے قرأت قرآن کے بارے میں ایک عجیب اور نئی صورتِ حال کو جنم دیا۔ عرب میں اختلاف قرأت کی وجہ سے نومسلم قوموں میں بھی اس کا اثر رونما ہوا۔ اس فرق میں بنیادی لحاظ سے کوئی قباحت نہ تھی لیکن سیدھے سادھے عوام بعض چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھی بنیادی سمجھ کر اڑ جاتے۔ بعض دفعہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا اور وہ بھی ایک دوسرے کی قرأت کو غلط قرار دے دیتے، کبھی کبھار شدید تکرار کی وجہ سے سر پھٹول تک نوبت آجاتی۔ لوگوں کے ذہنوں میں قرآن پاک کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو رہے تھے اور ممکن تھا کہ اس فتنہ کی وجہ سے جنگ شروع ہو جاتی اور خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔

حضرت عثمان غنی کا عظیم کارنامہ

چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد کرنے کے بعد واپس لوٹے تو گھر جانے سے پہلے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَدْرِكِ النَّاسَ" اے امیر المومنین لوگوں کو تھامیے۔

فرمایا کیا بات ہے ؟ کہا میں آرمینیا کی لڑائی میں شریک تھا وہاں میں نے دیکھا کہ شام اور عراق والے قرأت قرآن پر باہمی اختلافات کا شکار ہیں اور ایک دوسرے کی تکذیب و تکفیر کرتے ہیں [۱]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کو خود بھی اس خطرے کا احساس ہو چکا تھا کیونکہ مدینہ طیبہ میں بھی ایسے واقعات پیش آ رہے تھے چنانچہ آپ نے اکابر اور ممتاز اہل بصیرت صحابہ کرام کا اجلاس بلاکر خطبہ دیا اور صورت حال کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا۔ پوری مجلس نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ پوری امت کو ایک مصحف اور ایک لغت پر جمع کر دیا جائے اور مصحف صدیقی کی روشنی میں تمام صحابہ مل کر ایک ایسا نیا نسخہ مرتب و مدون کریں جو اختلاف قرأت کے اثرات سے محفوظ ہو، اس کے علاوہ باقی تمام نسخے ختم کر دیئے جائیں تاکہ انتشار کے امکانات ختم ہو جائیں۔

تدوین ثالث

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، نے اس فیصلے کو نافذ کرنے کے لیے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے زمانے کا جو صحیفہ آپ کے پاس موجود ہے وہ ہمیں بھجوایا جائے ہم اس کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے۔ ام المؤمنین نے فوراً وہ صحیفہ بھیج دیا۔ حضرت عثمان نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ، اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ، کو نقل قرآن کی خدمت پر مامور فرما کر چند دیگر صحابہ کو بھی ان کی امداد کے لیے مقرر کر دیا۔

مصحفِ عثمانی کی خصوصیات

ان حضرات نے تدوین ثالث کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور سرانجام دیئے۔

---

[۱] عمدۃ القاری، ارشاد الساری

۱۔ تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا گیا[1]

۲۔ آیات قرآن کے رسم الخط میں تمام متواتر قرأتیں سمو دی گئیں، اسی لیے آیات پر نقطے اور حرکات نہ لگائے گئے تاکہ قرآن تمام متواتر قرأتوں کے مطابق پڑھا جا سکے مثلاً "ننشذھا" لکھا تاکہ اسے "نَنْشُزُھَا" اور "نُنْشِزُھَا" دونوں طرح پڑھا جا سکے کیونکہ دونوں قرأتیں درست ہیں[2]

۳۔ مشہور یہ ہے کہ عالم اسلام میں بھیجنے کے لیے پانچ مصاحف تیار کرائے گئے تھے لیکن ابن ابی داؤد نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابوحاتم سجستانی سے سنا ہے کہ کل سات نسخے لکھے گئے تھے جن میں سے ایک نسخہ مکۂ مکرمہ، ایک نسخہ شام اور ایک یمن، ایک بصرہ، ایک بحرین اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا اور ایک نسخہ مدینہ طیبّہ میں محفوظ رکھ لیا گیا۔[3]

۴۔ مزید احتیاط کے پیش نظر وہی طریقہ کار اختیار کیا گیا جو حضرت ابوبکر صدیق کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا چنانچہ وہ متفرق تحریریں اور مختلف مسودات جو عہد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صحابہ کے پاس محفوظ تھے انہیں دوبارہ طلب کیا گیا۔ ہر آیت کے لیے دو شاہد بھی طلب کیے گئے۔ حسبِ ضرورت حفاظ اور قراء سے بھی رجوع کیا گیا۔ اسی طرح مزید اطمینان اور تنقیح کے لیے تمام ذرائع تحقیق، عمل میں لانے کے بعد یہ نئے نسخے مرتب کیے گئے۔

۵۔ صرف ان آیات پر اعتبار کیا گیا جو تواتر کے ساتھ ثابت تھیں۔

۶۔ منسوخ التلاوت آیات کو شامل نہ کیا گیا۔

۷۔ بعض صحابہ کے خصوصی مصاحف میں آیات کے ساتھ جو الگ تشریحات لکھی ہوئی تھیں انہیں نئے نسخوں میں شامل نہ کیا گیا۔[4]

---

[1] مستدرک للحاکم [2] مناہل العرفان جلد اوّل [3] الاتقان جلد اوّل [4] مناہل العرفان

سوال: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیگر قبائل کی لغات میں تلاوت قرآن کو کس بنا پر منسوخ قرار دیا اور صرف لغت قریش کو ہی قرأت قرآن کے لیے کیوں مخصوص ومنتخب فرمایا؟

جواب: حضرت جبریل امین علیہ السلام ہر سال ماہ رمضان میں بارگاہ رسالت مآب علی صاحبہا الصلوٰت میں حاضر ہوتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نازل شدہ قرآن کا دور کرتے آپ کی حیات طیبہ کے آخری رمضان میں دو دفعہ قرآن مجید کا دور ہوا جیسا کہ ارشاد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰت) اِنَّ جِبْرِیْلَ یُعَارِضُنِی الْقُرْاٰنَ کُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً وَاِنَّهٗ عَارَضَنِی الْعَامَ مَرَّتَیْنِ[1] سے عیاں ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا دور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبائلی زبان لغت قریش میں ہوتا تھا۔

◎ نیز چونکہ قرآن مجید لغتِ قریش میں ہی نازل ہوا جس کی تائید ارشاد عثمان (رضی اللہ عنہ) فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَاِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ[2] (اسے لغت قریش میں لکھو کیونکہ یہ (قرآن) ان (قریش) کی زبان میں ہی نازل ہوا ہے) سے ہوتی ہے۔

◎ ایک روایت میں اس کی یوں تصریح فرمائی گئی ہے:

كَانَ قِرَأَةُ اَبِی بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَاحِدَةً وَهِیَ الَّتِی قَرَأَهَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جِبْرِيْلَ مَرَّتَيْنِ فِی الْعَامِ الَّذِی قُبِضَ فِيْهِ وَكَانَ زَيْدٌ شَهِدَ الْعَرْضَةَ الْاَخِيْرَةَ وَكَانَ يُقْرِئُ النَّاسَ بِهَا حَتّٰى مَاتَ وَلِذٰلِكَ اعْتَمَدَهُ الصِّدِّيْقُ فِی جَمْعِهٖ وَوَلَّاهُ عُثْمَانُ كَتَبَةَ الْمَصَاحِفِ[3]

یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، زید بن ثابت، مہاجرین اور انصار (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی قرأت ایک ہی تھی اور یہ وہی قرأت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] بخاری ص ۷۴۸ ج ۲ [2] بخاری ص ۷۴۶ ج ۲ [3] فتح الباری ص

اپنے سالِ وصال میں حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کے سامنے دوبار پڑھی اور حضرت زید قرآن کے دورہ اخیرہ میں حاضر تھے اور لوگوں کو اپنی وفات تک وہی قرأت کراتے تھے اسی لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی تدوین میں ان پر اعتماد فرمایا اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے کاتبینِ مصاحف کا سربراہ ان کو ہی بنایا۔

چونکہ قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبائلی زبان لغت قریش میں ہی نازل ہوا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اسی لغت قریش میں ہی سال وصال میں دو دفعہ قرآن مجید کا دور فرمایا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام لغت قریش کی ہی تاکید، تلقین اور تائید کر رہے تھے جس (لغتِ قریش) کی خلفائے ثلاثہ، کاتب قرآن حضرت زید بن ثابت اور مہاجر و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرأت قرآن، تدریس و تدوین قرآن میں ترویج و اشاعت فرمائی یوں بحمدہ تعالیٰ قرآن مجید جوں کا توں بغیر کسی تحریف و تغیر اور ادنیٰ رد و بدل کے اَب تک ہمارے پاس موجود و محفوظ ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ لغاتِ سبعہ کا اختلاف معنوی نہ تھا بلکہ یہ اختلاف لفظی اور معمولی نوعیت کا تھا جو ان کی تفہیم کے لیے نازل ہوا تھا۔

مثلاً قریش حَتّٰی کہتے اور بنی ہذیل اور بنی ثقیف اس کا تلفظ اَتّٰی کیا کرتے تھے بنی اسد مضارع میں حروف اتین کو مکسور پڑھتے تھے جیسے تِعْلَمُوْنَ اور لغتِ قریش میں حروف اتین مفتوح پڑھے جاتے ہیں جیسے تَعْلَمُوْنَ

تدوین قرآن کا مقصد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں تدوین قرآن کا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید کے منتشر اجزا کو کھجور کے پتوں، پتھر کی تختیوں، چمڑے کے پارچوں اور ہڈیوں سے نقل کر کے کتابی شکل میں مقید کر دیا جائے تاکہ آئندہ کے لیے کلام اللہ کے کسی حصہ کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

جب کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تدوین قرآن کا مقصد امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصّلوٰتُ) کو ایک نسخہ پر متفق کرنا اور قرأت قریش پر متحد کرنا تھا تاکہ اختلاف قرأت کی بنا پر پیدا ہونے والا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے[1]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اجماعی بیعت

متن ومقرّر است کہ در روزِ رحلتِ آن حضرت سی وسہ[۳۳] ہزار اصحاب آن سرور حاضر بودند وبطوع ورغبت بحضرتِ صدّیق بیعت کردند این ہمہ اصحابِ پیغمبر را بر ضلالت جمع شدن از جملۂ مُحالات است

ترجمہ: اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رحلت کے روز آپ کے ۳۳ ہزار صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) موجود تھے اور انہوں نے رضا و رغبت سے حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کی ان تمام اصحابِ پیغمبر (رضی اللہ عنہم) کا گمراہی پر جمع ہونا محالات میں سے ہے۔

شرح

یہاں حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ خلیفہ اوّل بلافصل حضرت سیّدنا صدیق اکبر

---

[1] مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو مقالاتِ الوالبیان مصنّفہ حضرت شارح علیہ الرحمۃ

رضی اللہ عنہ، کی خلافت و نیابت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان کے دست حق پرست پر بیعت کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے روز ہی صحابہ کرام کی کثیر جماعت نے برضا و رغبت ان کی عظمت و منزلت کے پیش نظر ان کو خلیفہ تسلیم کر کے ان کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اور اتنی بڑی کثرت کا ضلالت و گمراہی پر جمع ہونا ناممکن اور محال ہے جیسا کہ ارشاد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰت) لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ[1] سے عیاں ہے۔

بلینہ نمبر ا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کی طرف سے خلیفہ رسول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی بیعت میں ابتداءً توقف اس لیے ہوا تھا کہ اس مشورہ میں انہیں شامل نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے ارشاد مَاغَضِبْنَا اِلَّا لِتَاَخُّرِنَا عَنِ الْمَشْوَرَۃِ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ اَبَابَکْرٍ خَیْرُنَا[2] سے عیاں ہے انہیں مشورہ میں نہ بلانا بھی کسی مصلحت پر مبنی ہوگا مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے موقعہ پر اہل بیت نبوت کی تسلی کے لیے ان کے پاس موجود ہونا وغیرھا۔

صحابہ کرام نفسانی خواہشات سے پاک تھے

متن نفوسِ شریفۂ ایشان تزکیہ یافتہ بودند و از امّارگی باطمینان رسیدہ

ترجمہ: ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) کے پاکیزہ نفس تزکیہ حاصل کر چکے تھے اور امارگی سے نکل کر اطمینان کے مقام پر فائز ہو چکے تھے۔

---

[1] ترمذی ص مشکوٰۃ ص۳۰ [2] تاریخ الخلفاء

شرح

حضرت امام ربّانی قدس سرہٗ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نفسانی خواہشات اور بشری کدورات سے پاک ہونے کا تذکرہ فرمارہے ہیں کیونکہ وہ نفس کی شرارتوں اور شیطانی خباثتوں سے محفوظ ہوگئے تھے اور ان کا تزکیہ نفس ہوچکا تھا۔

تزکیہ نفس چند چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ کسی صاحبِ تزکیہ نفس کی صحبت اختیار کرنے سے

۲۔ احکامِ شرعیہ اور سنتِ نبویّہ (علی صاجبہا الصلوات) کے بجالانے سے

۳۔ محض عنایت الٰہی سے جیساکہ بعض مجذوب و محبوب مقام مشاہدہ پر فائز ہوئے ہیں۔

بیّنہ نمبر ۲ جوگیوں اور برہمنوں کے چلّے اور ریاضتیں تصفیہ نفس کا باعث تو ہوتے ہیں مگر ان سے تزکیہ نفس نہیں ہوتا کیونکہ یہ گمراہ طائفہ دولت ایمان سے محروم ہے اور ان کی ریاضتیں اور چلّے غیر شرعی ہوتے ہیں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ تصفیہ نفس اس سونے کی مانند ہے جیسے سنہری غلاف میں نجاست بھر دی جائے جب کہ تزکیہ نفس سے نفس کی تطہیر ہوتی ہے جیسے عمل کیمیا کے ذریعے مِسِ خام کو خالص سونا بنایا جاتا ہے۔

بیّنہ نمبر ۳ تصفیہ نفس کشوفاتِ کونیہ کا سبب تو ہوتا ہے لیکن سالک کشوفات الٰہیہ وقدسیہ سے بہرہ ور نہیں ہوتا جب کہ تزکیہ نفس مکشوفات قدسیہ اور امور اُخرویہ کا باعث ہوتا ہے۔

مشاجراتِ صحابہ کے متعلق حضرت امام ربانی کا موقف

متن آن اختلاف مَبْنی بر اجتہاد بود و اعلائے حق پس

مُخطی ایشان نیز درجہ واحدہ دارد عِندَ اللّٰہ و مُصیب

را خود دو درجہ است پس زبان را از جفائے ایشان

باز باید داشت وہمہ را بہ نیکی یاد باید کرد

ترجمہ: وہ اختلاف اجتہاد پر مبنی اور اعلائے حق کے لیے تھے پس ان میں سے (اجتہادی) خطا کرنے والا بھی عند اللہ ایک درجہ رکھتا ہے اور صحیح اجتہاد کرنے والے کو دو درجے (دوہرا ثواب) حاصل ہوتے ہیں پس زبان کو ان کی شان میں گستاخی سے روکنا چاہیئے اور تمام کو نیکی سے یاد کرنا چاہیئے۔

شرح

سُطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے باہمی اختلافات اور محاربات کے متعلق اہلسُنت وجماعت کا موقف بیان فرما رہے ہیں کہ ان کے تنازعات کو ہوا و تعصّب سے دور جاننا چاہیئے اور ان کے مشاجرات کو نیک وجہ پر محمول کرکے تاویل و اجتہاد پر مبنی قرار دینا چاہیئے اور مُخطی حضرات کی خطا کو خطائے اجتہادی جان کر ان پر ایک درجہ ثواب کا امیدوار سمجھنا چاہیئے جیسا کہ ارشاد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰت) اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ وَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَاَخْطَاءَ فَلَهٗ اَجْرٌ

وَاحِدٌ[1] سے واضح ہے ان کی شان میں خطا کے علاوہ کوئی اور لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیئے اور مخطی کو مصیب کی مانند ملامت سے دور جاننا چاہیئے کیونکہ وہ مؤاخذہ سے محفوظ ہے ان کی شان میں دریدہ دہنی سے مجتنب اور خاموش رہنا چاہیئے جیسا کہ ارشادات نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا[2]، اِیَّاکُمْ وَمَا شَجَرَ بَیْنَ اَصْحَابِیْ[3] اور اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَامْسِکُوْا[4] سے عیاں ہے۔ بلکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک خطائے مجتہد عند اللہ داخلِ ہدایت ہے بالخصوص صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی ذوات جو نجوم ہدایت ہیں چنانچہ آپ رقمطراز ہیں: یا آنکہ گوئیم خطائے مجتہد ہم نزدِ خدائے تعالیٰ داخلِ ہدایت است کَمَا نَقَلَ رَزِیْنُ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ...... فَھُوَ عِنْدِیْ عَلٰی ھُدًی...... ثُمَّ قَالَ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ[5]

بلیّنات

◎ بفحوائے آیات کریمہ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ[6] اور وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ[7] صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو احکامِ اجتہادیہ اور امورِ عقلیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشاورت کی اجازت تھی اور ان میں ردوبدل کی بھی مجال تھی کیونکہ قیاس کا اعتبار اور مشورہ کا امر ردوبدل کی صورت کے بغیر ممکن نہیں جیسا کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے قتل اور فدیہ میں اختلاف رائے واقع ہوا تھا تو سیدنا

---

[1] بخاری ص مسلم ص مشکوٰۃ ص۳۲۴ [2] ترمذی ص۲۲۶ ج۲ [3] [4]
[5] ردّ روافض ص۳۳ [6] الحشر ۲ [7] آل عمران ۱۵۹

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تھا اور وحی بھی ان کی رائے کے موافق نازل ہوئی [1]

جب صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے مخالف رائے دیتے تھے اور ان کا یہ اختلافِ رائے نہ قابلِ مذمت تھا اور نہ ہی لائق ملامت اور نہ ہی ان کے خلاف وحی نازل ہوئی تو سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ بعض امور اجتہادیہ میں مخالفت کرنا کس طرح کفر ہوگا اور ان کے مخالف کیونکر مطعون اور قابلِ ملامت ہوں گے [2]

◎ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض اور عداوت رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ کفار کے نام سے موسوم کرتا ہے اور حضرت امامِ ربّانی قدس سرہٗ نے ان معاندین کو جملہ فرقوں سے بدتر فرقہ قرار دیا ہے: ملاحظہ ہو!

بدترینِ جمیع فِرَق مبتدِعانِ جماعہ اند کہ باصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام بغض دارند اللہ تعالیٰ در قرآنِ مجید خود ایشان را کفار می نامد لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ [3]

◎ بعض فقہاء نے اپنی عبارات میں کَانَ مُعَاوِيَةُ اِمَامًا جَائِرًا الخ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں لفظ جَوْر استعمال کیا ہے جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے عذابِ نار سے بچاؤ اور ہادی و مہدی بنانے کی دعا فرمائی ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰت) وَقِهِ الْعَذَابَ [4] اور اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَّمَهْدِيًّا [5] سے آشکار ہے اس لیے اس جَوْر سے مراد یہ ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے حقدار نہ تھے بلکہ ان کی حکومت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصالحت

---

[1] دفتر دوم مکتوب ۹۶ [2] دفتر دوم مکتوب ۳۶ [3] دفتر اوّل مکتوب ۵۴

[4] مسند احمد ص [5] ترمذی ص ۲۲۵/۲

اور ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد متحقق ہوئی یوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اِذَا مَلَكْتَ النَّاسَ فَاَحْسِنْ[1] کے مصداق ٹھہرے اور امیر المؤمنین قرار پائے یہی اہلسنت و جماعت کا موقف ہے۔

بغض امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا دِل سے نکالنا

حضرت مولانا ہاشمی کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک جوان طالب علم سادات کرام میں سے میرا دوست تھا اس نے بیان کیا کہ میں ایک شب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریفہ کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس میں آپ کے ایک جملے پر نظر پڑی کہ "حضرت امام مالک حضرت امیر معاویہ کو بُرا کہنا حضرات شیخین (صدیق و عمر) رضی اللہ عنہم کو بُرا کہنے کے برابر جانتے تھے اور جو حد شیخین (رضی اللہ عنہما) کے بُرا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے وہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بُرا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے۔"

چونکہ میرے دِل میں حضرت امیر معاویہ کی طرف سے کینہ تھا اس لیے میں اس تحریر کو دیکھ کر بہت آزردہ ہوا اور حضرت مجدد کے مکتوبات کو زمین پر پھینک کر سو گیا۔ رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہٗ غصہ کی حالت میں تشریف لائے اور میرے دونوں کانوں کو پکڑ کر فرما رہے ہیں اے طفل نادان! تو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور اسے زمین پر پٹختا ہے اگر تجھے میری تحریر کا اعتبار نہیں ہے تو میں تجھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لے چلتا ہوں آپ اسی طرح کشاں کشاں مجھ کو ایک باغ میں لے گئے اور اس کے ایک گوشے میں مجھے

لہ

بٹھا دیا۔ اس باغ میں ایک عالی شان عمارت تھی جس میں ایک بزرگ تشریف فرما تھے آپ اندر تشریف لے گئے اور نہایت ادب و تواضع سے سلام کیا انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا اور ملاقات فرمائی پھر آپ ان بزرگ کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور کچھ گفتگو کی، آپ اور وہ بزرگ دور سے میری طرف دیکھتے اور کچھ اشارات کرتے تھے اس کے بعد آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف فرما ہیں سنو! کیا فرماتے ہیں؟ میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے زبان گوہر فشاں سے فرمایا "خبردار ہرگز ہرگز اصحاب رسول (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے ساتھ کبھی کینہ نہ رکھنا اور ان بزرگوں کی ملامت میں ایک حرف بھی زبان پر نہ لانا اس بات کو ہم اور ہمارے بھائی ہی جانتے ہیں کہ کن نیک نیتوں کے ساتھ ہماری منازعت واقع ہوئی تھی، پھر حضرت مجدد پاک کا نام لے کر فرمایا کہ ان کے کلام کا بھی انکار نہ کرنا ...... شخص مذکور بیان کرتا ہے کہ باوجود اس نصیحت کے میرا دل کدورت سے پاک نہ ہوا تو حضرت علی نے آپ کو حکم دیا کہ اس کا دِل ابھی تک صاف نہیں ہوا ہے اور تھپڑ مارنے کا اشارہ فرمایا۔ حضرت مجدد پاک نے زور سے ایک تھپڑ میری گدی پر مارا تب میں نے اپنے دل کو اس کدورت سے پاک وصاف پایا اور اس جواب و خطاب کی لذّت آج تک میرے دِل میں موجود ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے معارف کے ساتھ اعتقاد بہت زیادہ ہو گیا ہے[1]۔

المختصر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا کے مطابق افراط و تفریط سے ہٹ کر راہِ اعتدال کو بیان کر کے عقائدِ اہلسنت کی کشفِ صحیح اور الہامِ صریح کے ذریعے تائید فرماتے ہیں اور ایسی تحاریر و تقاریر جنہیں پڑھ اور سن کر صحابہ کبار اور اہل بیت اطہار کے درمیان عداوت و نفرت کا اشارہ یا کنایہ بھی ملتا ہو منع فرماتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِتَصْحِیْحِ الْعَقَائِدِ الدِّیْنِیَّۃِ بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمُ

---

[1] زبدۃ المقامات

مولانا محمد نعیم اللہ خان خیالی اور علامہ نصر اللہ ہوتکی رحمتہ اللہ علیھما نے مکتوبات امام ربانی کی جزوی شروح لکھی ہیں۔ مگر حضرت علامہ محمد سعید احمد مجددی علیہ الرحمتہ کی شرح کا رنگ بالکل منفرد ہے انہوں نے اردو میں شرح لکھ کر ارباب طریقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا فرمایا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی رحمتہ اللہ علیہ
(کراچی)

مکتوبات امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کی اردو میں یہ واحد شرح ہے اور حق یہ ہے کہ خوب شرح کی ہے۔

شیخ الحدیث علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری رحمتہ اللہ علیہ
جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

البینات، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے دقیق فارسی مکتوبات کی ایسی شرح ہے، جو خوش قسمتی سے اردو زبان میں ہے۔ جب سے پاکستان میں فارسی کو زوال آیا ہے، یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ آپ کے مکتوبات کا یہ ایسا مجموعہ ہے جو بھاری پتھر کی مانند ہے جسے صرف چند علماء ہی اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا محمد سعید احمد مجددی مرحوم کی اس شرح نے اسے خاص وعام کے لئے نہ صرف آسان بنادیا ہے بلکہ اسے متن اور مفہوم کے اتنا قریب کردیا ہے کہ صدیوں کا بُعد دور ہوگیا ہے۔

پروفیسر محمد اقبال مجددی
صدر شعبہ تاریخ
گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز (لاہور)